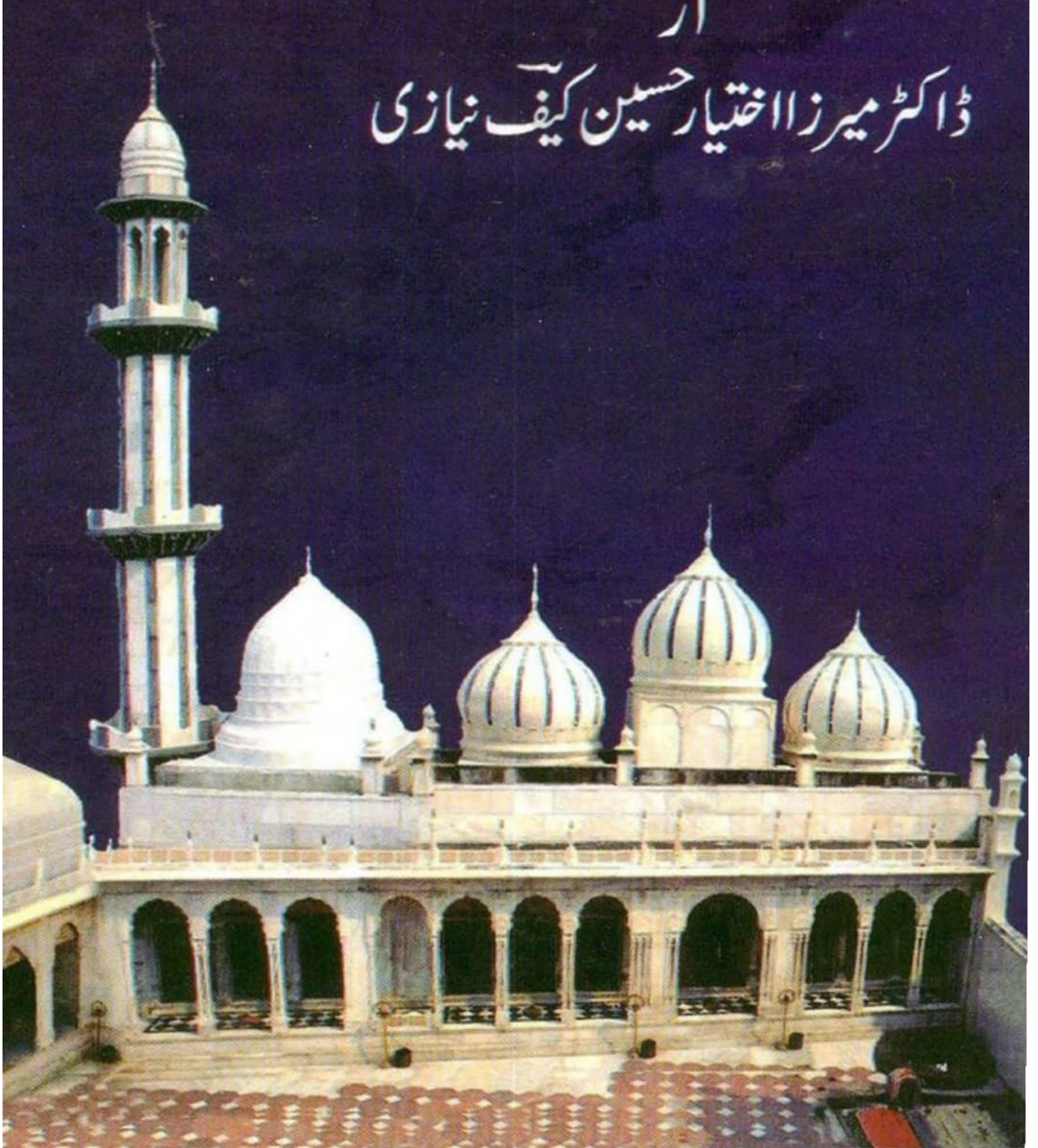
شاہ نیازؒ کا فارسی کلام ۔ ترجمہ و تشریحات

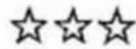
از

ڈاکٹر میرزا اختیار حسین کیفؔ نیازی



شاہ نیازؒ کا فارسی کلام۔ ترجمہ و تشریحات

کلام بلاغت نظام (فارسی) قطب عالم مدار اعظم
حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد علوی بریلوی قدس سرہ العزیز
قادری چشتی فخری نظامی صابری سہروردی نقشبندی (قدیمہ)



ترجمہ و تشریح

از

ڈاکٹر میرزا اختیار حسین کیفؔ نیازی

نام کتاب .... شاہ نیازؒ کا فارسی کلام۔ ترجمہ وتشریحات

اشاعت اول .... ۲۰۰۳ء ۔ ۱۴۲۴ھ

اشاعت دوم .... ۲۰۰۷ء ۔ ۱۴۲۸ھ (ضروری ترامیم کے ساتھ)

تعداد ۵۰۰

کمپوزنگ .... احمد گرافکس، کراچی

طباعت .... ویلکم بک پورٹ، کراچی

سرِ ورق .... جمیل الدین قریشی

ہدیہ .... [illegible] روپے

ملنے کا پتہ .... (۱) ویلکم بک پورٹ، اردو بازار، کراچی۔

(۲) مکتبۂ رضویہ، گاڑی کھاتہ، کراچی۔

(۳) نظامی کتب خانہ، باباصاحبؒ بازار، پاک پتن۔

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو حق آ گاہ حضرت شاہ محمد حسنین عرف حسنی میاں ادام اللہ فیوضہ و برکاتہ سجادہ نشین خانقاہ عالیہ نیازیہ بریلی کے نامِ نامی اسم گرامی سے معنون کرنے کا اعزاز حاصل کرتا ہوں

ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

گر چہ از نیکاں نیم خودرا بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آفرینش رشتہ گلدستہ ام

احقر

مؤلف

☆ فہرست ☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

صوفیائے کرام کی دینی خدمات اور تبلیغی کاوشیں ہماری دینی وثقافتی تاریخ کے سنہرے باب ہیں۔ ان بوریا نشین اور گدڑی پوش درویشوں نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو تخت نشین بادشاہوں کے زر و جواہر اور آہن پوش سورماؤں کے تیر و تفنگ نہ کر سکے۔ وہ زمین اور ملک فتح نہیں کرتے تھے بلکہ لوگوں کے قلوب مسخر کرتے تھے۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ دراصل اخلاقِ محمدیؐ کا زندہ پیکر اور حق وصداقت کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ صرف مسلم ہی نہیں غیر مسلم مؤرخین بھی اسکے معترف ہیں۔

ایسے ہی ایک صوفی باصفا قطب عالم مدار اعظم حضرت شاہ نیاز بے نیاز رحمتہ اللہ علیہ بارہویں صدی ھجری میں آسمان ولایت پر آفتاب بن کر چمکے اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام بلادھند سمرقند و بخارا، افغانستان کو روشن کر دیا۔ لاکھوں کی تعداد میں آپ کے مرید اور خلفا اطراف جہاں میں پھیل گئے اور تبلیغ دین میں مصروف ہو گئے۔ آپ کی شخصیت ایسی نہیں کہ مجھ ایسے ھیچ مداں کے تعارف کی محتاج ہو۔ طریقت کی دنیا میں آپ آفتاب کی حیثیت رکھتے ہیں جس کی درخشانی سے جہانِ عرفان و آگہی روشن و تاباں ہے ساتھ ہی علم وادب خصوصاً شاعری کی انجمن میں بھی اس چراغ کی روشنی کم نہیں۔

آپ کی تصنیفات، علمی، دینی، قومی اور ملی خدمات بے شمار ہیں جن کا ذکر تفصیلی کتابوں میں موجود ہے۔ آپ کے مفصل کوائف اور سوانح حیات ''مخزن الخزائن'' کے نام سے طبع ہو چکی ہے جو پروفیسر عبد الغنی نیازی مرحوم و مغفور کی ترتیب کردہ ہے۔ پروفیسر صاحب موصوف حضرت شاہ مرتضیٰ حسین جبلپوری ثم لکھنوی خلیفہ اجل شاہ محی الدین احمد قادری چشتی نیازی نظامی سہروردی نقشبندی (قدیمہ) کے اجازت یافتہ تھے۔

یہ آپ کا تذکرہ یا سوانح حیات نہیں ہے۔ محض بطورِ تعارف یہ چند سطور لکھی گئی ہیں۔ آپ ایک عالمِ بے بدل، صوفی بے مثال تو تھے ہی لیکن ایک قادر الکلام شاعر اور بے مثل ادیب بھی تھے۔ جس کا ثبوت نثر میں آپ کی متعدد تصانیف اور نظم میں ایک دیوان ہے۔ آپ کا کلام عربی، فارسی، اردو اور ھندی چاروں زبانوں میں ہے۔ کلام کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ آپ

کے دیوان کے ۲۴-۲۵ ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ شاعری کی دنیا میں آپ کا ایک منفرد مقام ہے۔ صوفیائے کرام کی کوئی بھی محفل ہو۔ آپ کا کلام ہر جگہ بہت ذوق وشوق سے سنا جاتا ہے۔ آپ کے کلام کے مطالعہ سے قبل یہ جان لینا بہت ضروری ہے کہ آپ توحید وجودی کے قائل تھے اور یہ رنگ آپ کے کلام پر چھایا ہوا ہے۔ اردو اس زمانہ میں اتنی ترقی یافتہ نہیں تھی۔ پھر بھی آپ کا کلام اردو میں بھی خاصا ہے اور زبان کے لحاظ سے بھی اپنے ہم عصروں میں ممتاز ہے۔ اصل جوہر آپ کی فارسی شاعری میں نمایاں ہے۔ فارسی اس زمانہ میں سرکاری اور مجلسی زبان تھی۔ شعر وادب کے حوالہ سے خاص طور پر اردو کے دامن میں اس وقت تک اتنی وسعت نہیں تھی کہ اعلیٰ اور بلند تخیلات کو سمیٹ سکے۔ اس لئے بیشتر ادیب اور دانشور فارسی ہی کو اپنے اظہار کا ذریعہ بناتے تھے۔

موجودہ زمانہ میں برصغیر میں فارسی کی اہمیت نہیں رہی۔ سرکاری زبان یہاں انگریزی ہوگئی اور اردو نے بھی خاطر خواہ ترقی کر لی جو عوام کا ذریعہ اظہار بن سکے چنانچہ جتنا بھی کلاسیکی ادب تھا، آہستہ آہستہ اسکے اردو ترجمے ہوتے گئے۔ دینی ادب بھی جو پہلے عربی اور فارسی زبانوں تک محدود تھا رفتہ رفتہ اردو میں منتقل ہوتا رہا اور اب بھی یہ رجحان قائم ہے۔ ضرورت کا تقاضہ بھی یہی تھا چنانچہ اب فارسی جاننے والے خال خال نظر آتے ہیں اور آنے والے وقتوں میں جب یہ پرانی نسل آہستہ آہستہ قصہ پارینہ بن جائے گی تو اتنا کچھ بھی باقی نہیں رہے گا لیکن بہر حال یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑے گی کہ اردو کے اعلیٰ ادب کو سمجھنے کے لئے فارسی کی اہمیت کم نہیں ہوئی۔ اہل دانش جانتے ہیں کہ فارسی کے بغیر اردو میں وہ توانائی ممکن نہیں جس کو ایک زندہ زبان کی ضرورت ہوتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ بغیر فارسی اور عربی کے اردو مفلس ہوگئی ہے۔ اردو کا کوئی ادب پارہ دیکھ لیجئے خواہ وہ افسانہ ہو یا تنقید۔ نظم ہو یا نثر۔ نصف سے زیادہ اسمیں فارسی کے الفاظ ملیں گے یا کچھ عربی کی آمیزش ہوگی۔ اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ افعال کے علاوہ پوری عبارت فارسی میں ہوتی ہے۔

حضرت شاہ نیاز بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا کہ کہا گیا ایک جید عالم اور محقق و بلند پایہ صوفی تھے۔ اس زمانہ کے ماحول کے مطابق آپ کی جتنی نثری تصانیف ہیں، سب کی زبان فارسی ہے۔ جس میں کہیں کہیں عربی کی آمیزش بھی ہے۔ منظوم کلام میں بھی فارسی کا حصہ زیادہ ہے۔ نہ صرف زیادہ بلکہ معنویت کے لحاظ سے زیادہ وقیع اور بلیغ ہے اور اپنے دامن میں وسیع

معانی کو سمیٹے ہوئے ہے۔ کوئی بھی صاحبِ فہم آپ کا اردو اور فارسی کلام پڑھ کر اسکا اندازہ کر سکتا ہے۔ موجودہ نسل کے لوگ تبرکاً آپ کا کلام سن تو لیتے ہیں لیکن اسکی گہرائیوں تک پہنچنا زبان کی نافہمی یا کم فہمی کی وجہ سے ممکن نہیں ہوتا۔

یہی سبب ان سطور کی تحریر کا محرک ہوا۔ خیال ہوا کہ ہمارے بچے اور آئندہ نسل کے لوگ شاید دیوان کو طاق پر رکھ کر صرف زیارت کرلیا کریں گے۔ تو جس حد تک ممکن ہو برا یا بھلا اس کا ترجمہ کرلیا جائے۔ یقیناً اصل زبان کی لذت اور چاشنی تو اسمیں نہیں ہوگی اور نہ ہو سکتی ہے بہرحال کام و دہن کی کچھ آسودگی ہو جائے گی۔ اہل علم و دانش اچھی طرح جانتے ہیں کہ ترجمہ کسی زبان کا بھی ہو کبھی اصل کا بدل نہیں ہو سکتا۔ ہر زبان کی خود اپنی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں۔ اپنا مزاج ہوتا ہے۔ جن کو کسی بھی دیگر زبان میں منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ ذہنوں کو محض اس مفہوم سے آشنا کرانا ہوتا ہے۔ خصوصاً اشعار کا ترجمہ بوجوہ مزید مشکلات کا باعث ہوتا ہے۔ وہ بلاغت جو کسی شعر کی خصوصیت ہوتی ہے کسی دوسری زبان میں کسی طرح نہیں آسکتی۔ چنانچہ یہ توقع کرنا کہ پورا شعر اپنے مکمل خد و خال کے ساتھ اردو ترجمہ میں موجود ہے، صحیح نہیں۔ مقصد صرف مفہوم کو ذہنوں تک پہنچانا ہوتا ہے۔

ایک بات اور ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ حضرت شاہ نیازؒ ایک دانشور ادیب، ایک پختہ کار شاعر اور صاحبِ حال بزرگ تھے۔ لیکن ان کی ولایت کا درجہ سب پر حاوی تھا۔ وہ ولی پہلے تھے اور ادیب و شاعر بعد میں۔ ان کے اشعار بعض اوقات ان کی درونی کیفیات اور کسی خاص جذبہ یا "حال" کی مغلوبیت کے عکاس ہوتے ہیں۔ ان کی ترجمانی کسی اور کی زبانی کسی طرح ممکن نہیں۔ کیفیات قلبی کو جو اشعار میں ڈھل کر زبان سے نکلی ہیں ترجمہ کی گرفت میں لانا حال کو قال میں قید کرنا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے خوشبو کو مٹھی میں بند کرنے کی کوشش کی جائے۔ خوشبو صرف پھولوں میں ہی اچھی لگتی ہے۔ اس کو پھولوں سے الگ کرکے دیکھنا اس کی لطافت و نزاکت کو مجروح کرنا ہے۔ بہرحال ضرورت کے تقاضے اپنی جگہ ہیں۔ اس گلشن بہار آفریں میں حالات کے تحت ہر شخص اگر نہیں پہنچ سکتا تو اس کی شامہ نواز نگہتوں سے اسکو محروم رکھنا ظلم ہے۔ اس جذبے کے تحت یہ سطور لکھی گئیں۔ آپ نے اکثر مقامات پر خصوصی اشغال و اذکار کی طرف اشارے کیے ہیں یا خصوصی تعلیمات کنایتاً بیان فرمائی ہیں تو وہاں تک جب تک خود کی رسائی نہ ہو صحیح معنوں میں اس سے لطف و انبساط نہیں حاصل کیا جا سکتا۔ آپ کا کلام تعلیمات کا ایک نادر

خزانہ ہے ایک مہکتا ہوا چمن ہے، جو ابدی اور دائمی بہاروں اور جاں پرور فضاؤں کے ساتھ قلب و روح کے لیے وجہ آسودگی ہے جو طالبان حق کے لیے معشوق حقیقی کے قرب و دیدار کا ایک ابدی پیغام ہے۔

یہاں ایک اعتراف بہت ضروری ہے کہ میں نہ فارسی کا عالم ہوں نہ صحیح معنوں میں اردو کا ماہر۔ نہ پختہ کار شاعر اور نہ ہی صاحب حال صوفی۔ ایسے بزرگ کے اعلیٰ اور اچھے ترجمہ کیلئے یہ سب اوصاف ہونا ضروری ہیں۔ مجھ ایسے شخص کے لئے اتنا بڑا قدم اٹھانا بڑی جرأت کا کام ہے۔ اپنی علمی کم مائیگی کے باعث مجھے یقین ہے کہ بعض مقامات پر میں صحیح طور پر اپنے فرض سے عہدہ برآ نہ ہو سکا ہونگا اور ترجمہ میں نقص اور لغزش کا امکان بہر حال موجود ہے بلکہ بعض مقامات پر مجھے خود محسوس ہوا کہ میں الجھ گیا ہوں۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ خانہ پری والی بات ہے چونکہ اسکی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی اور کوئی زیادہ باصلاحیت فرد اس ذمہ داری کے بوجھ کو اٹھانا نہیں چاہ رہا تھا تو میں نے ہی اپنے آپ کو آمادہ کر لیا کہ "کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا" اچھا ہے۔

نہیں کہا جا سکتا کہ درست طور پر اس فرض کو پورا کر سکا ہوں یا نہیں۔ اس لئے اہل علم و دانش خصوصاً غواصانِ بحرِ طریقت سے میری استدعا ہے کہ میری کمزوری کو مدنظر رکھیں۔ بجائے اعتراض کے اگر میری اصلاح کی کوشش اور میری فہم کی نارسائی کی نشاندہی کریں تو میں احسان مند ہونگا۔

ایک ضروری بات اس ضمن میں اگر نہ کہوں تو بات تشنہ رہ جائے گی۔ مجھے خود دیوان کے ترجمہ کا خیال تو ضرور تھا لیکن ہمت نہیں پڑتی تھی۔ ایک دن گفتگو کے دوران یاران طریقت جناب ڈاکٹر محمد مقبول صاحب، ایم ایس سی، پی ایچ ڈی اور پروفیسر محمد مظہر صاحب، ایم ایس سی نے بھی اس ضرورت کا ذکر کیا کہ اگر ایسا ہو جائے تو بڑا اچھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب یونیورسٹی سے منسلک تھے اور خانقاہ عالیہ اقبالیہ نیازیہ کے سجادہ نشین ہیں۔ اسی طرح پروفیسر صاحب موصوف محکمہ تعلم و تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں اور خانقاہ وکیلیہ نیازیہ کے سجادہ نشین ہیں۔ گویا یہ دونوں حضرات دینی اور دنیاوی علوم سے آراستہ ہیں اور شاہراہ سلوک و طریقت کے بھی مسافر ہیں۔ ان حضرات کی یاد دہانی نے میری خواہش پر مہمیز کا کام کیا۔ اس لحاظ سے ان حضرات کا ممنون ہوں کہ اس بڑی سعادت کے حصول کا موقع مجھے مل سکا۔ پہلے ایڈیشن کی طباعت و اشاعت میں

ان حضرات نے مالی معاونت سے بھی سرفراز کیا تھا۔اس ترجمہ کی پذیرائی جس طرح ہوئی وہ بہت حوصلہ افزا ہے۔مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ بہت جلد دوسرے ایڈیشن کی نوبت آ گئی اور اب یہ دوسرا ایڈیشن حاضر ہے۔

ان سطور کے متعلق یہ عرض کر دوں کہ میں نے آسان اور با محاورہ اردو میں لکھنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔زیادہ با محاورہ زبان استعمال کی جاسکتی تھی لیکن خدشہ تھا کہ میں نفس مضمون سے دور نہ ہوجاؤں اس لیے اس ضمن میں زیادہ کوشش نہیں کی ترجمہ کے دوران مجھے محسوس ہوا کہ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔کلام کی بلاغت اور معنویت تک پہنچنا ممکن نہیں۔ پہلے میں نے ارادہ کیا کہ اس کا ترجمہ بھی اگر منظوم ہوسکے تو اچھا ہے۔ بلکہ میں نے اس کا تجربہ بھی کیا۔لیکن جب نظر ثانی کی تو خود میں بھی اسے پسند نہیں کرسکا۔میرے ذہن نے یہ تسلیم کرلیا کہ یہ میری استعداد سے باہر ہے۔اس کے لیے شعر گوئی میں زیادہ فنی شعور اور اظہارِ خیال میں زیادہ استعدادِ علمی کی ضرورت ہے جو مجھے اعتراف ہے کہ مجھ میں اس حد تک نہیں ہے۔اس لیے نثری ترجمے کو غنیمت جانا۔ بریکٹ کے اندر کی تحریریں میری ہیں۔ اپنی فہم کے مطابق کہیں کہیں ضروری حواشی دیئے ہیں۔ یہ حواشی میرے خود کے ہیں اور تشریحات بھی میری عقل کے مطابق ہیں اسلئے ان میں اگر کچھ غلطیاں یا خامیاں نظر آئیں تو وہ میری ذاتی ہیں۔صاحب دیوان سے اسکا کوئی تعلق نہیں۔قارئین کرام سے درخواست ہے کہ دعائے خیر میں یاد رکھیں۔

ایک ضروری عرض یہ ہے کہ میں نے جو ترجمہ کیا تھا وہ دیوان کے اس نسخہ سے کیا تھا جو میرے پاس تھا۔ بعد میں وہ نسخہ مجھے دستیاب ہوا جو خانقاہ بریلی شریف سے زیر نگرانی حضرت شبو میاں مدظلہ شائع ہوا ہے۔مقابلہ سے معلوم ہوا کہ اس میں کافی غلطیاں ہیں۔ چنانچہ موجودہ اشاعت میں اس کی تصحیح کر لی گئی ہے۔ترجمہ میں کچھ خامیاں نظر آئیں ان کو بھی درست کرلیا گیا ہے۔کہیں کچھ تشریحات میں بھی اضافہ کیا گیا ہے۔

ضرورتاً مندرجہ ذیل سطور کا اضافہ بعد میں کیا گیا۔اپنی پچھلی تالیف ''معرفت نامے'' میں میں نے اپنی تعلیمات کے بارے میں عرض کیا تھا کہ میری معلومات کا مصدر ومحور میرے پیرو مرشد اور والد گرامی حضرت شاہ مرتضیٰ حسینؒ کی ذاتِ گرامی ہے جو حضرت شاہ میرزا آغا محمد خلیفہ اجل حضرت تاج الاولیا بریلویؒ کے جانشین اور حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد قدس سرہ العزیز کے خلیفہ اجل تھے۔حضرت سراج السالکینؒ شاہ نیاز احمدؒ کے جانشین دوم تھے۔

یہ حقیقت بھی ہے۔ لیکن یہ احسان فراموشی اور ناشکر گزاری ہوگی اگر میں اِن حضرات کی عنایات بے غایات کا اظہار نہ کروں جن کے ابرکرم کے چھینٹے میری کشتِ حیات کی شادابی کا باعث بنے۔ تفصیل کا بار یہ مختصر صفحات نہیں اُٹھا سکتے۔ مختصراً بطورِ نیاز مندی اِس کا اظہار ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِن تمام حضرات کا فیض ہے جو میں یہ سطریں لکھنے کے قابل ہوا ورنہ

کہاں یہ مسائل تصوف کہاں یہ بیان غالبؔ

اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ مرتضیٰ حسین کے وصال کے بعد میں خانقاہ نیازیہ بریلی حاضر ہوا اور حضرت شاہ محمد تقی عرف عزیز میاں قدس سرہ العزیز کی قدمبوسی کا شرف حاصل کیا۔ آپ کی نوازشیں بے پایاں تھیں۔ باوجود نااہلی وہاں سے خلافت و اجازت سے نوازا گیا۔ وہاں کے صاحبزادگان اور اہل خاندان سے فیض صحبت رہا۔ آپ کے بعد آپ کے جانشین حضرت شاہ حسن سجادؒ سے فیض پایا۔ آپ کے موجودہ جانشین حضرت حسنی میاں سلمہ اللہ تعالیٰ بھی مجھ پر بہت عنایت فرماتے ہیں۔ دُعا ہے کہ یہ میخانہ یونہی قائم رہے اور شرابِ معرفت کے جام یونہی گردش میں رہیں۔ وہاں حضرت محبوب میاںؒ، حضرت جعفر میاںؒ، حضرت نصیر میاں، حضرت عابد میاںؒ۔ یہ تمام حضرات مجھ پر کرم فرماتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام حضرات اپنی جگہ علم کے آفتاب اور سخاوت کے دریا تھے۔

اس کے علاوہ وہاں کے متعدد خلفا کی پابوسی کا شرف حاصل ہوا۔ جن کے انوار و برکات سے میں مستفیض ہوا۔ اس لیے کہ یہ سب میرے ''بڑے'' تھے۔ ان کے سامنے میرا ہاتھ پھیلا ہی رہا اور ان حضرات کی دریا دلی نے کبھی مجھے مایوس نہیں کیا۔ حضرت شاہ سیّد فتح محمد اجمیریؒ، حضرت شاہ سیّد محمد یحییٰ بھوپالیؒ، حضرت شاہ قاری مظہر میاں فتح پوریؒ، حضرت شاہ محمد عبدالرؤف الہ آبادیؒ، حضرت شاہ مولانا سیّد عبدالقادر نیازیؒ۔ ان تمام حضرات کی قدمبوسی کا اعزاز مجھے حاصل ہوا۔ زیارت کا شرف زندگی میں کئی بزرگوں کا ہوا کہ یہ بھی عبادت سے کم نہیں اور یہ بھی میرے لیے سعادت ہے۔

میں نے اِن حضرات سے کچھ پایا ہو یا نہ پایا ہو۔ کیوں کہ لینے کے لیے کشکول میں وسعت بھی چاہیے لیکن یہ جانتا ہوں کہ عطار کی دکان پر جانے سے وہاں کی کچھ خوشبوئیں ضرور ساتھ آ جاتی ہیں۔ شیخ سعدی کا یہ خوبصورت قطعہ قابل مطالعہ ہے۔

گِلے خوشبوئے درحمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم

بد و گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بہ گفتا من گلے نا چیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہم نشیں درمن اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(ایک دن دوست کے ہاتھوں حمام کی خوشبو دار مٹی مجھے ملی۔ میں نے اس مٹی سے پوچھا کہ تو مشک ہے یا عبیر کہ تیری خوشبو سے میں مست ہو رہا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو ناچیز مٹی تھی لیکن ایک عرصہ تک پھول کی صحبت میں رہی ہوں۔ اس ساتھی کی صحبت سے اس کے جمال کا اثر مجھ پر بھی پڑا ورنہ میں تو وہی ایک ناچیز مٹی ہوں جو تھی۔)

نوٹ:۔ یاد رہے کہ یہ دیوان کی مکمل شرح نہیں ہے۔ بیشتر اشعار کا صرف ترجمہ دیا گیا ہے۔ محض چند اشعار کی تشریحات ہیں جو مجھے اپنے خیال کے مطابق توضیح طلب نظر آئیں۔

سپاس گذاری:۔ اس ایڈیشن کی طباعت و اشاعت کے جملہ اخراجات عزیزہ شہلا سلمہا نے برداشت کیے ہیں۔ جو امریکہ میں اپنے شوہر کے ساتھ مقیم ہیں۔ یہ میری ایک پھوپی زاد بہن کی نواسی ہیں۔

کمپوزنگ اور طباعت کے دیگر صبر آزما مراحل حسب دستور عزیزی رفیق اللہ عرف رضی انصاری کے ہاتھوں طے ہوئے ہیں۔ تقریباً میری ہر کتاب کمپوزنگ اور طباعت کے حوالے سے ان کی مساعی جمیلہ کی مرہون منت ہے۔ وہ میری ایک دوسری پھوپی زاد بہن کے نواسے ہیں۔ اس طرح نانا کے خیالات کو ان دونوں بچوں کے تعاون نے اس کتاب کی شکل بخشی۔ بچوں کے لئے شکر گذاری کا لفظ مناسب نہیں۔ ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعاؤں کا ضرور طالب ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو دین و دنیا میں سرخرو رکھے اور مراتب اعلیٰ سے نوازے۔

خاکپائے فقرائے کرام ۔ سگ درگاہ نیازیہ۔ ڈاکٹر میرزا اختیار حسین
المتخلص بہ کیف نیازی ۲۰۰۷ء

مختصر سوانحی خاکہ

* قطب عالم۔ مدار اعظم۔ نیاز بے نیاز حضرت شاہ نیاز احمد علوی۔ بریلوی۔ قدس سرہ العزیز *

آپ ۱۱۵۵ھ مطابق ۱۷۴۲ء بمقام سرہند (مشرقی پنجاب) پیدا ہوئے اور ۶ جمادی الثانی ۱۲۵۰ھ بمقام بانس بریلی (یوپی۔ بھارت) بعمر ۹۵ سال وصال فرمایا اور وہیں آپ کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔

آپ منجانب سلسلہ آبائی علوی سید اور والدہ ماجدہ کی جانب سے بنی فاطمہ سید رضوی ہیں۔ آپ کے اجداد شاہانِ بخارا سے تھے۔ جن کی سلطنت کا مرکزی مقام اندی جان تھا۔ آپ کے اجداد میں حضرت شاہ آیت اللہ علویؒ ترک سلطنت فرما کر ملتان تشریف لائے۔ ان کے پوتے حضرت شاہ عظمت اللہؒ سرہند جا کر آباد ہو گئے۔ وہاں سے حضور قبلہ شاہ نیازؒ کے والد ماجد حاجی الحرمین حکیم الٰہی حضرت شاہ محمد رحمت اللہ علویؒ دہلی تشریف لائے۔ جہاں کچھ عرصہ وہ قاضی القضاۃ کے عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔ یہ تمام حضرات سلسلہ نقشبندیہ قدیمہ کے صاحب ارشاد اولیاء گزرے ہیں۔

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی غریب نوازؒ خود بھی ولیہ کاملہ تھیں۔ آپ نے حضور قبلہ نیاز بے نیاز کو بعد ولادت عالم رویا میں جنابہ سیدہؓ اور حضرت مولا علی علیہ السلام کے قدموں میں ڈال دیا۔ دونوں بزرگوں نے بہ کمال شفقت آپ کو آغوش مبارک میں لیا اور فرمایا یہ ہمارا بچہ ہے۔

آپ مادر زاد ولی تھے۔ دہلی میں آپ کو والدین نے حضرت مولانا شاہ فخر الدینؒ کے سپرد فرما دیا تا کہ علوم ظاہری کی تکمیل ہو جائے۔ پندرہ سال کی عمر میں آپ کی رسم دستار بندی بڑے تزک و احتشام سے کی گئی۔ آپ بچپن سے ہی بہت ذہین تھے۔ بعد دستار بندی آپ نے حضرت شاہ فخر جہاں علیہ الرحمۃ کے مدرسہ میں بحیثیت استاد شمولیت اختیار کر لی۔ مومن کو بھی آپ کی شاگردی کا فخر حاصل ہوا۔ مولانا فخرؒ حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے فرزند اور خلیفہ تھے جو حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے خلیفہ تھے۔ اسی زمانہ میں مشہور شاعر غلام ہمدانی مصحفی نے بھی آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

سلسلہ طریقت: علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ نے مولانا فخرؒ سے بیعت کی درخواست

کی اور بیعت طالبی اختیار فرمائی ۔ بعد تکمیل سلوک مولانا فخرؒ نے آپ کو نہ صرف خلافت عطا فرمائی بلکہ اپنا جانشین مقرر فرمایا اور روہیل کھنڈ بریلی شریف جانے کا حکم دیا۔ اسطرح آپ کو خواجہ ہند خواجہ غریب نوازؒ کی جانشینی کا شرف حاصل ہو گیا۔ کیونکہ مولانا فخر پاک ہی حضرت خواجہ غریب نواز کے جائز جانشین تھے۔ اپنی مسند اور تکیہ جو کھجور کی چھال سے مملو ہے، مرحمت کیا اور اپنے سر مبارک سے دستار اتار کر حضرت نیاز بے نیاز کے سر پر رکھی۔ اسطرح سلسلہ چشتیہ میں آپ صاحب ارشاد ہوئے۔

سلسلہ قادریہ میں آپ کو حضرت سید عبد اللہ بغدادی قادریؒ سے شرف بیعت تھا۔ سید عبد اللہ بغدادیؒ حضور غوث پاکؓ کی اولاد میں سے تھے۔ حضور غوث پاکؓ نے خاص طور پر سید عبد اللہ بغدادیؒ کو صرف آپ کی بیعت کی خاطر ہندوستان جانے کا حکم دیا تھا۔ حضرت عبد اللہ بغدادیؒ نے بعد بیعت ہر قسم کی تعلیم و تلقین سے آپ کو مالا مال کر دیا۔ خلافت نامہ عربی میں جو پانچ مہروں سے مزیّن ہے، مع اپنی دستار کے مرحمت فرمایا نیز اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت نیاز بے نیازؒ کے ساتھ کر دیا جو چند سال بعد لاولد اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو روانہ ہوئیں۔ حضرت عبد اللہ بغدادیؒ دہلی سے رامپور تشریف لے گئے اور وہیں وصال فرمایا اور وہیں مزار مبارک ہے۔

حضرت نیاز بے نیازؒ کو خاندان قادریہ، خاندان چشتیہ نظامیہ، خاندان چشتیہ صابریہ، خاندان سہروردیہ اور خاندان نقشبندیہ (قدیمہ) سب سے فیض پہنچا ہے۔ بقول صاحب کرامات نظامیہ اور صاحب مخزن الخزائن ہندوستان میں قادریہ سلسلہ کی جانشینی آپ ہی کا حق ہے اور سلسلہ چشتیہ میں بھی بوساطت حضرت مولانا فخر پاک رحمۃ اللہ علیہ آپ ہی کو حضور خواجہ غریب نواز کی جانشینی کا شرف حاصل ہے۔

آپ کی تعلیمات تمام سلاسل پر مبنی ہیں اور مرکزی تعلیم ان تمام سلاسل میں توحید وجودیہ عینیہ کی ہے اور اس مرکزی خیال کو ترقی دینے کے لئے اشغال و اذکار تعلیم کئے جاتے ہیں۔ حضرت کے دیوان میں جا بجا اس کے اشارات موجود ہیں۔ ان بزرگوں کی شان میں متعدد منقبتیں موجود ہیں چنانچہ مسلک قادریہ کے متعلق آپ فرماتے ہیں۔

فیضیاب از بارگاہ شیخ عبد القادرم زیں جہت مارا براہ فقر شانے دیگرست

یا ایک پوری منقبت حضور غوث الاعظم کی شان میں ہے جس کا مطلع ہے:۔

بدہ دست یقیں اے دل بدست شاہ جیلانی   کہ دست او بود اندر حقیقت دست یزدانی

اسی طرح حضور خواجہ غریب نوازؒ کی شان میں ایک بہت معروف منقبت ہے جو ''خواجہ خواجگاں معین الدینؒ'' سے شروع ہوتی ہے۔

آپ کے مریدوں اور خلفا کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے اور بلاد ہند کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی آپ کے خلفا نے تبلیغی فرائض انجام دیئے۔

حضرت شاہ نیاز بے نیازؒ کی شاعری

یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ حضور قبلہؒ کی ولایت ان کی اصل شناخت ہے۔ شاعری یا انشاء پردازی ضمنی اور ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ بہرحال آپ کی فطری ذہانت اور ذکاوت اور خداداد صلاحیتیں ہر میدان میں آپ کو امتیاز بخشتی ہیں۔ خواہ وہ فقہ ہو، حدیث ہو، علم الکلام ہو، فلسفہ ہو یا انشاء پردازی اور شاعری یا فقر و ولایت۔ ہر شعبہ میں آپ ممتاز نظر آتے ہیں۔ شاعری میں بھی آپ کی قادر الکلامی مسلّم ہے۔ آپ کا بلند پایہ کلام چار زبانوں یعنی عربی، فارسی، اردو اور ہندی میں ہے۔ ایک غزل ذولسانین ہے یعنی جس کا پہلا مصرعہ فارسی میں اور دوسرا مصرعہ عربی میں ہے۔ فارسی کی ١٠١ غزلیں ہیں۔ ٥٠ اشعار کی دو مثنویاں۔ چالیس اشعار پر مشتمل پانچ مستزاد اور شروع میں ٩٢ اشعار پر مشتمل ایک پر اثر مناجات ہے۔ اردو کی ٦٦ غزلیں ہیں جن کے اشعار کی تعداد سوا پانچ سو سے زیادہ ہے۔ ہندی میں پچیس ہولیاں اور ایک پھاگ ہے۔ ان تمام چیزوں میں تصوف کا بلکہ وحدت الوجود کا رنگ غالب ہے۔

آپ توحید وجودی کے قائل تھے اور شراب عشق حقیقی میں ہر وقت مستغرق و بے خود رہتے تھے۔ لہٰذا شعر بہت کم کہتے تھے۔ آپ نے اپنے وصال سے پچیس سال قبل شعر کہنا چھوڑ دیا تھا۔ دراصل آپ کو استغراق فی الحق سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی تھی کہ آپ کسی اور طرف توجہ کرتے۔ جتنا کچھ بھی آپ نے لکھا ہے دل کی گہرائیوں میں ڈوب کر لکھا ہے۔ پورا کلام آمد ہی آمد ہے۔ آورد کا شائبہ بھی نہیں ملتا۔ پروفیسر خلیق نظامی تاریخ مشائخ چشت میں لکھتے ہیں:-

''شاہ نیاز احمد صاحبؒ کو سوز و گداز سے بھری ہوئی طبعیت ودیعت کی گئی تھی۔ عشق

ان کے خمیر میں تھا۔ جذبات عشق و محبت کبھی کبھی شعر کی صورت اختیار کر لیتے تھے۔
شاہ صاحبؒ شعر بہت کم کہتے تھے۔ اس وجہ سے ان کے اردو اور فارسی دونوں
دیوان بہت مختصر ہیں۔ لیکن جو کچھ بھی ہے وہ اپنی جامعیت اور افادیت میں کم
نہیں۔ ان کی فکر رسا نے تصوف کے نہایت باریک مسائل کو انتہائی حسن و دلکشی کے
ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے کلام میں آورد نہیں ہے۔ وہ واردات قلبی کو نہایت خوبی
کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ سوز و گداز، درد و علو معانی کے علاوہ نفاست، سلاست
اور روانی ان کے کلام کے خاص جوہر ہیں۔"

اس زمانہ میں متعدد اساتذہ فن موجود تھے لیکن حضرت نے کسی سے اصلاح نہیں لی۔
آپ کا اپنا ایک انداز تھا۔ رنگ تھا جو کسی سے متاثر نہیں تھا۔ آپ اپنے رنگ میں منفرد تھے۔ عام
طور سے شعرا کے کلام میں توحید و عشق کا رنگ خال خال نظر آتا ہے۔ آپ کے کلام کی یہ
خصوصیت ہے کہ شروع سے آخر تک آپ کا کلام یکساں طور پر اس رنگ میں ڈوبا ہوا نظر آئے
گا۔ عشق حضرتؒ کے خمیر میں تھا۔ توحید وجودی آپ کا مسلک و مشرب تھا۔ مزید یہ کہ آپ مجسم
سوز و گداز تھے۔ جو شدت احساس اور جوش و خروش اور اظہار وحدت الوجود سے اتنی بے باکی
اور تفصیل اور محققانہ انداز آپ کے کلام میں ہے وہ دیگر شعراء میں مفقود ہے۔ آپ صحیح معنوں
میں تلمیذ الرحمٰن تھے۔ آپ کے سینے میں جیسے عشق کی آگ بھڑکتی رہتی۔ یہ سوز و گداز جوش مار کر
بصورت اشعار ابل پڑتا۔

پروفیسر خلیق نظامی تاریخ مشائخ چشت میں لکھتے ہیں۔

" شاہ صاحب عشق حقیقی کے نشے میں چور رہتے تھے۔ دردِ عشق ان کا سرمایہ حیات
تھا۔ یہ آگ ہر وقت ان کے سینہ میں سلگتی رہتی تھی۔ کبھی کبھی اسکے شرارے شعر کی
صورت میں نمودار ہوتے تھے۔ وہ شعر بہت کم کہتے تھے لیکن جب بھی کہتے اپنا دل
نکال کر رکھ دیتے اور دل کی گہرائیوں میں اتر جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام اس
زمانہ کے صوفیا میں بہت مقبول ہوا۔"

بلحاظ فن بھی آپ کا کلام نقائص سے پاک محاسن صوری و معنوی سے آراستہ تھا۔ آپ
کا اردو کلام بھی اس زمانہ کی زبان اور معیار کے مطابق بہت بلند تھا۔ لیکن اصل جوہر آپ کے
فارسی کلام میں کھلتے ہیں۔

پروفیسر عبدالغنی نیازیؒ مخزن الخزائن میں فرماتے ہیں۔

"وہ وارداتِ عشق جو ایک عاشق صادق کے تجربات قلبی ہوتے ہیں اور وہ بھرپور سوز و گداز جو حقیقی عشق و محبت کا لازمہ ہے، کسی نے اس تفصیل و شدت کے ساتھ نہ محسوس کیا، نہ بیان کیا جس تفصیل اور شدت کے ساتھ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ العزیز نے محسوس بھی کیا اور بیان بھی کیا۔ اسی لئے آپ کا کلام بالخصوص کلام فارسی زور بیان اور حسن بیان کی مثالوں سے پُر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیگر صوفی شعرا عاشق کم اور شاعر زیادہ تھے۔ ان کے کلام کے تاثرات میں بھی حال اور قال کا فرق ہے۔"

آپ کی زبان فارسی معیاری اور ٹکسالی ہے بلکہ شیرینی اور روانی کے لحاظ سے قابل رشک ہے۔ ایک قابل لحاظ خصوصیت یہ ہے کہ کلام میں باطنی تعلیمات کے موتی پروئے ہوئے ہیں۔ بعض اوقات جب تک مرشد کی اعانت نہ ہو ان کی گہرائیوں تک پہنچنا ناممکن ہے۔ مثالیں دینا ممکن نہیں۔ دراصل آپ کی شاعری پر کچھ لکھنے کے لئے بہت تفصیلی مضمون بلکہ پوری ایک کتاب کی ضرورت ہے۔ یہ چند سطور محض تعارف کے طور پر ہیں۔ کیونکہ بات شاعری کی ہے اسلئے کچھ لکھنے کی ضرورت تھی۔ مختصراً اتنا کچھ لکھا گیا ہے جو یقیناً ناکافی ہے۔

مناجات

(۹۲۔ اشعار)

الٰہی بحق نبی انام علیہ الصلوٰۃ و علیہ السّلام

یا الٰہی حضور نبی انام صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں۔(انام معنی = مخلوقات)

بحقِ امام علی مرتضیٰ وصیِ نبی و ولیِ خُدا

الٰہی حضرت امام علی مرتضیٰؑ کے صدقہ میں جو حضور نبی کریمؐ کے وصی اور خدا کے ولی ہیں۔(وصی معنی= سربراہ کار۔نصیحت کرنے والا)

بحقِ بتول کہ زہراؑ است اُو نساء جہاں را ویست آبرو

حضرت بتول زہراؑ کے صدقہ میں جو دنیا کی تمام عورتوں کی آبرو ہیں۔(زہرا یعنی=روشن) بتول = دنیا سے تعلق قطع کرنے والی۔کنواری مراد حضرت سیدۃ النسا فاطمہ زہراؑ)

بحقِ امام حسنؑ مجتبےٰ جگر گوشۂ شاہ مشکل کشاؑ

حضرت امام حسن مجتبیٰؑ جگر گوشہ حضرت مشکل کشا کے صدقہ میں۔

بحقِ امام شہیداں حسینؑ شہادت ازو یافتہ زیب و زین

شہیدوں کے امام حضرت امام حسینؑ کے صدقہ میں جس سے شہادت کو زیبائش و عزت ملی۔

بحقِ امام شہِ دین و داد کہ نامش علیؑ ہست و زین العبادؑ

دین و دنیا کے بادشاہ امام کے صدقہ میں جن کا نام علی زین العابدینؑ ہے۔

بحقِ امام کہ باقرؑ خطاب شنیدیم اُو را ز روی کتاب

اس امام کے صدقہ میں جن کا خطاب کتاب کی رو سے باقرؑ سنا گیا۔

بحقِ امام کہ اُو جعفرؑ ست بصدق و صفا خلق را رہبرست

حضرت امام جعفرؑ کے صدقہ میں جو صدق و صفا میں خلق کے رہبر ہیں۔

بحقِ امام کہ موسیٰؑ ست نام ازو یافتہ شرع و دیں انتظام

اس امام کے صدقہ میں جن کا نام موسیٰ ہے جن سے شرع اور دین کا انتظام میسر ہوا۔

بحقِ امام علی رضاؑ لقب ضامن و ثامن آمد ورا

حضرت امام علی رضاؑ کے صدقہ میں کہ جن کا لقب ضامن و ثامن ہے۔

(ضامن معنی=ضمانت دینے والا، ذمہ دار+ ثمن معنی= قدر و قیمت+ ثامن= بہت قدر و قیمت والا)

بحقِ امام محمدؑ تقیؑ کہ دینِ نبیؐ شُد از و منجلی

حضرت امام محمد تقیؑ کے صدقہ میں کہ جن سے دین نبی روشن ہوا۔ (منجلی=روشنی)

بحقِ امام نقیؑ رہنما شفیعِ خلائق بروز جزا

حضرت امام نقیؑ رھنما کے صدقہ میں جو روز جزا خلائق کے شفیع ہونگے۔

بحقِ امام حسن عسکریؑ کہ سوئے حقیقت کند رہبری

حضرت امام عسکریؑ کے صدقہ میں جو حقیقت کی جانب رہبری کرتے ہیں۔

بحقِ امام کہ مہدیستؑ آں جہاں منتظر کے شود او عیاں

حضرت امام مہدی کے صدقہ میں جن کیلئے دنیا منتظر ہے کہ کب ظاہر ہونگے۔

بحقِ ہمہ ذریات رسولؐ کہ ہستند شاں جملہ اہل قبول

تمام آلِ رسولؐ کے صدقہ میں جو تمام مقبول لوگوں میں ہیں۔

بحقِ مُحبان و اشیاع شاں بحقِ غلامانِ و اتباع شان

ان کے تمام چاہنے والوں اور مددگاروں کے صدقہ میں اور انکے غلاموں اور اتباع کرنے والوں کے صدقہ میں۔ (اشیاع = شیعہ کی جمع۔ مددگار۔ گروہ) (اتباع=پیرو۔ اتباع کرنے والے)

بحقِ بنائے کہ بیت الحرم بود نام او کعبۃ اللہ ہم

بیت الحرم کے صدقہ میں جس کا نام کعبۃ اللہ ہے۔

بحقِ ملائک کہ بر انقیاد کمر بستہ انداز سر اعتقاد

تمام ملائکہ کے صدقہ میں جو اطاعتِ حکم میں عقیدت کے ساتھ تیار رہتے ہیں۔

انقیاد = تابع ہونا، مطیع ہونا

بحقِ صحائف کہ بر انبیاءؑ بتعلیمِ خلق آمدہ از سما

تمام صحائف (کتابوں) کے صدقہ میں جو انبیاء پر آسمان سے خلق کی تعلیم کیلئے نازل ہوئیں۔

بحقِ ہمہ اولیاؑ انبیاؑ کہ بودند شاں خاصگانِ خُدا

تمام انبیاء اور اولیاء کے صدقہ میں جو خاصانِ خدا میں سے ہیں۔

بحقِ کسانے کہ با مصطفےٰؐ شہادت گرفتند اندر غزا

ان تمام لوگوں کے صدقہ میں جو حضورؐ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے اور شہید ہوئے۔
(غزا= جہاد (وہ جنگیں جن میں حضور ختمی مرتبتؐ بہ نفسِ نفیس شریک ہوئے غزوات کہلاتی ہیں)

بحقِ کسانیکہ با مرتضےٰؓ رفاقت نمودند اندر وغا

ان تمام لوگوں کے صدقہ میں جنہوں نے جنگوں میں حضرت علیؓ کا ساتھ دیا۔ (وغا= جنگ۔لڑائی)

بحقِ شہیدانؓ دشتِ بلا کہ دادند جاں در رضائے خُدا

تمام شہیدانِ دشتِ بلا (کربلا) کے صدقہ میں جنہوں نے رضائے الٰہی میں اپنی جانیں قربان کیں۔

بحقِ شہنشاہ دیں غوثؓ پاک نوازندۂ از سَمک تا سَماک

شہنشاہِ دین حضرت غوث پاکؓ کے صدقہ میں جن کی صدا از سمک تا سماک (یعنی تحت الثریٰ سے آسمان کی بلندیوں) تک گونج رہی ہے۔ (سمک = وہ مچھلی جس کے متعلق پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس پر زمین ٹکی ہوئی ہے۔ کنایۃً مراد انتہائی نچلی سطح)

بحقِ شہنشاہ ایں بارگاہ کہ ہر فرد فردست عالم پناہ

اس شہنشاہِ دین کی بارگاہ کے صدقہ میں کہ جس کا ہر فرد عالم پناہ ہے۔

بحقِ کسانیکہ دیوانہ اند بشمعِ جمال تو پروانہ اند

ان تمام لوگوں کے صدقہ میں جو تیرے دیوانے اور تیری شمعِ جمال کے پروانے ہیں۔

بحقِ حریفانِ رندانہ وش کہ از جام عشقت شدہ بادہ کش

ان تمام میکش دوستوں کے صدقہ میں جو تیرے عشق کے جام سے شراب پیتے ہیں۔

بحقِ قلندروشاں خاکسار کہ دارنداز سلطنت ننگ و عار

ان قلندروں اور خاکساروں کے صدقہ میں جو اپنا تخت و تاج تک تیری خاطر چھوڑ دیتے ہیں۔

بحقِ مشائخ کہ در راہ دیں نجوم الہُدیٰ اندوشمس الیقیں

ان تمام مشائخ کے صدقہ میں جو دین کے راستہ میں نجوم الھدیٰ (ھدایت کے ستارے) اور شمس الیقین (یقین کے سورج) ہیں۔

بحقِ کسانے کہ در علم و فضل بترویج دیں عمر کردند بذل

ان تمام لوگوں کے صدقہ میں جو علم و فضل میں یکتا ہیں اور جنہوں نے دین کی تبلیغ میں تمام عمر بسر کردی۔

(بذل = بخشش۔ انعام۔ عطا کرنا)

بحقِ کریمانِ دینِ متین کہ ہستند دیں را نصیر و معین

دینِ متین کے ان کریموں کے صدقہ میں جو دین کے معاون و مددگار ہیں۔

بحقِ ضعیفانِ پیرانہ سال کہ دارند در پارسائی کمال

پیرانہ سال ضعیفوں کے صدقہ میں جو تقویٰ میں کمال رکھتے ہیں۔

بحقِ جوانانِ اہلِ صلاح علیہم تحتّٔ باب الفلاح

اہلِ صلاح جوانوں کے صدقہ میں جن پر فلاح کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

بحقِ ہمہ مومنانِ جہاں کہ بر دین و ایماں شدہ مرگ شاں

دنیا کے تمام مومنوں کے صدقہ میں جن کی موت دین و ایمان پر ہوئی۔

گناہانِ مارابہ بخش ای کریم کہ اِنی لئیمٌ وانت الکریم

اے کریم ہمارے گناہوں کو بخش دے کہ ہم بہت ذلیل ہیں اور تو بہت کریم ہے۔

بہر مشکلاتے کہ داریم ما بفضلِ خود آساں بکن اے خدا

ہماری جو بھی مشکلات ہیں یا خدا ان کو اپنی مہربانی سے آسان کر دے۔

رہانیدۂ کشتی نوحؑ را ز آفات طوفانِ عالم رُبا

اے کشتیِ نوح کو ہولناک طوفان کی آفات سے رہائی دلانے والے۔

بگرداب آفات افتادہ ایم نباشی اگر ناخداچوں رہیم

ہم مصائب کے بھنور میں پھنسے ہیں اگر نا خدا نہ ہوگا تو ان آفات سے ہم کس طرح نکلیں گے۔

صرفنَا الّلَیالے و ایّامُہا من العمرِ بالمعصیۃ و الہوا

عمر کے بیشتر دن اور بیشتر راتیں ہم نے گناہوں اور ہواؤ ہوس میں گذاری ہیں۔ (یہ شعر عربی میں ہے)

نگاہے بما اے خدا برفگن لقد انقضی العمر طال الحزن

اے خدا ہم پر کرم کی ایک نظر ڈال۔ رنج و غم میں عمر کا طویل حصہ گزر چکا ہے۔ (دوسرا مصرعہ عربی میں ہے)

زتلبیسِ ابلیس نا چارہ ایم　به تبعیتِ نفسِ امارہ ایم

ابلیس کی شیطانیت سے ہم بے بس ہیں۔ نفسِ امارہ کی اطاعت میں مبتلا ہیں۔

نجاتیم دہ اے خدازیں بلا　بکن دوُر ایں نفس و شیطانِ ما

اے خدا اس بلا سے نجات دے۔ ہمارے اس نفس اور شیطان کو دور فرما۔

مراداتِ یارانِ ایں انجمن　بر آور به لطفِ خود ای ذوالمنن

اے ذوالمنن (بخشش اور احسان کرنے والا یعنی خدا) اس انجمن کے دوستوں کی مرادوں کو اپنی مہربانی سے برلا۔

بہر احتیاج کہ دارندپیش　زوا کن خدایا باحسانِ خویش

ان لوگوں کی جو ضروریات ہیں ان کو اپنے احسان سے پوری فرما۔

بر ارباب ایماں کشا باب رزق　کہ مفلس نمانند ایشاں بصدق

اہلِ ایمان پر رزق کے دروازے کھول دے کہ صدق کے ساتھ یہ لوگ مفلس نہ رہیں۔

شفا دہ مریضانِ اسلام را　بر ایشاں کشا باب انعام را

اہلِ اسلام بیماروں کو شفا بخش اور ان پر اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دے۔

بکن از سر دینداراں ادا　تمامی فرائض بلطف و عطا

دینداروں کو تمام فرائض اپنے لطف و کرم سے پورا کرنے کی توفیق عطا فرما۔

نگہدار بر حال اہلِ سفر　کہ در رہ نیا بند نقص و ضرر

جو لوگ سفر کی حالت میں ہیں ان کی حفاظت فرما کہ راستہ میں کوئی نقصان اور پریشانی نہ ہو۔

کسانیکہ محزون و افسردہ اند　بحُبِ علی نیز غم خوردہ اند

جو لوگ افسردہ اور رنجیدہ ہیں اور جو لوگ حضرت علیؓ کی محبت میں غمگین ہیں۔

ترَحَّم علیھم رؤف العباد　اَجِرْھُم مِنَ النّار یوم التناد

یا رؤف العباد (بندوں پر بہت مہربان یعنی خداوند کریم) ان پر رحم فرما اور یوم حشر دوزخ کی آگ سے ان کو محفوظ رکھ۔ (شعر عربی میں ہے۔ یوم التناد = مراد یوم حشر)

کسانیکہ کر دند خود را خراب　بغمہائے آلِؑ رسالتؐ مآب

جن لوگوں نے آلِ رسولؐ کے غم میں اپنے کو خراب کرلیا۔

تفضّل علےٰ حالہم یا کریم   باحسانک المستمر القدیم

یا خداوند کریم اپنے قدیم اور ہمیشہ رہنے والے احسان سے ان کے حال پر فضل فرما۔ (یہ شعر عربی میں ہے۔ مستمر = ہمیشہ رہنے والا۔ مضبوط۔ مستقل، دائم + قدیم = جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا)

بدہ مومناں را تو فتح و ظفر   بکن کافراں را ذلیل و بتر

مومنوں کو فتح و ظفر عطا فرما اور کافروں کو ذلیل اور ابتر کر۔

علامات کفر از جہاں دور کن   ہمہ کافراں را تو مقہور کن

دنیا سے کفر کی نشانیوں کو دور کر۔ اور کافروں پر قہر فرما۔

بدینِ نبی رونقے دہ تمام   کہ بر شرع قائم شود خاص و عام

کُل جہاں کو دینِ نبیؐ سے رونق عطا فرما کہ تمام خاص و عام شریعت پر قائم رہیں۔

بدہ حاکماں را تو توفیق خیر   کز ایشاں نیا بد ضرر یار وغیر

حاکموں کو نیک توفیق عطا فرما کہ ان سے اپنوں یا غیروں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

تفضّل علےٰ جملۃ المومنین   لئلا یکونوا من الضّالین

جملہ مومنین پر فضل فرما کہ وہ گمراہوں کی صفوں میں نہ رہیں۔ (شعر عربی میں ہے)

خصوصاً بحالِ منِ زار بیں   کہ جز تو نخواہم بدنیا و دیں

میرے حال زار پر خصوصی توجہ فرما کہ دین و دنیا میں تیرے سوا میں کچھ نہ چاہوں۔

رہائی مرا دہ زچنگِ بلا   بلائے کہ برپاست بر ما ز ما

بلاؤں کے چنگل سے مجھے رہائی عطا فرما ان بلاؤں سے جو ہم پر ہم ہی سے نازل ہیں۔

بدہ قوتِ دل زدین خودم   قوی سینہ کن از یقینِ خودم

مجھے اپنے دین سے دل کی قوت عطا فرما۔ اپنے یقین سے میرے سینہ کو قوی کر۔

ز نور ہدایت چراغم فروز   شب تار مارا بکن ہمچو روز

نور ہدایت سے میرے چراغ کو روشن کر۔ میری تاریک رات کو دن کی طرح روشن کر۔

منم در جہاں پُر گنہ عیب کوش   ہمہ عیب من پوش ای عیب پوش

میں دنیا میں گناہوں اور عیوب سے پُر ہوں۔ اے عیبوں کو چھپانے والے میرے عیبوں کو بھی چھپا لے۔

وضیّعت عمری بطول الامل   وکُنت مصر اً بسوء العمل

لا متناہی امیدوں اور آرزوؤں میں میں نے زندگی ضائع کی اور برے اعمال پر مُصر رہا۔

(شعر عربی میں ہے) امل = امید۔ آرزو   ضیعت = ضائع کرنا   مصر = اصرار کرنے والا

کہول و ظلوم و جہولم چناں   کہ گویند بیندگاں الاماں

میں اتنا کاہل، ظالم اور جاہل رہا کہ دیکھنے والے پناہ مانگتے تھے۔

بسا گمرہاں از تورہ یافتند   بریدند از خود بتو ساختند

بہت سے گمراہوں نے تجھ سے صحیح راستہ پایا جنہوں نے خود کو اپنے سے توڑ کر تجھ سے جوڑا۔

چہ باشد مراہم کنی رہبری   کہ گردم ز ہر عیب و نقصاں بری

کیا اچھا ہو کہ تو میری بھی رہنمائی کرے کہ تمام برائیوں اور نقصانات سے بری ہو جاؤں۔

بدر خرقۂ زور و مکر و فریب   کہ بر فقر کے بخشد ایں جامہ زیب

میرا مکروفریب اور (بیجا) طاقت کا لباس پھاڑ دے کہ فقر (کے جسم) پر یہ لباس زیب نہیں دیتا۔

لسانی مع القلب فے الاعتراف   بسوء الخصائل و بالاعتناف

اپنی بری عادات اور خراب اطوار کا میری زبان مع قلب کے اعتراف کرتی ہے۔

(شعر عربی میں ہے)

بقیدِ تن و بند جسم اسیر   منم پائے در گلِ توئی دستگیر

میں جسم و تن کی قید میں اسیر ہوں۔ میرا پاؤں دلدل میں پھنسا ہوا ہے تو ہی دستگیر ہے (کہ تو ہی ہاتھ پکڑ کر مجھے اس دلدل سے نکال سکتا ہے)۔

توئی داورِ داد و فریاد رس   توئی بیکس و زور را زور و کس

تو ہی بے دادوں کی داد اور فریادوں کو سننے والا ہے۔ تو ہی بے کسوں اور بے طاقتوں کی طاقت ہے۔

توئی شاہد بزم کون و مکاں   توئی نور بخش زمین و زماں

تو ہی بزم کون و مکان کا محبوب ہے۔ تو ہی زمین و آسمان کو روشنی دینے والا ہے۔

منم بندۂ پُر گنہ شرمسار   توئی آفریندہ آمرزگار

میں بندہ گنہگار شرمسار ہوں۔ تو پیدا کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

فاِن لم تکن لی شفیق' رفیق اکن فے محیط البلا یا غریق

توشفیق و رفیق ہے۔ میں بلاؤں میں غرق ہوں۔ (شعر عربی میں ہے)

منم ماہی قلزم بیکراں کہ اُفتادہ ام در سراب جہاں

میں ایسے بحرِ بے کراں (سمندر جس کا کوئی کنارہ نہیں) کی مچھلی ہوں جو دنیا کے سراب میں گر گئی ہو۔

بخشکی ہمہ عمر سرکردہ ام در امواجِ خاکی بسر بُردہ اَم

ساری عمر میں (سراب میں گری ہوئی مچھلی کی طرح) خشکی میں رہا اور خاک کی لہروں میں زندگی گزاری۔

بہ بر سوئے بحر خودم زیں سراب کہ از پائے تا سر شوم غرق آب

اس سراب سے اپنے سمندر کی طرف لے جا تا کہ سر سے پاؤں تک اس پانی میں ڈوب جاؤں۔

در معرفت بر دل من کشای کہ ناید نظر جز تواز ما سوای

اپنی معرفت کے دروازے میرے دل پر کھول دے تا کہ مجھے تیرے سوا کوئی دوسرا نظر نہ آئے۔

وہَب مِن لدنک الضمیر المنیر فانک علیٰ کُلِ شیئٍ قدیر

میرے ضمیر کو اپنے پاس سے روشنی عطا فرما کہ تو تمام اشیاء پر قادر ہے۔(شعر عربی میں ہے)

وہب = انعام دینا۔ بخشش کرنا۔ لدن = قریب۔ پاس

بگیر از من و مامن و مائیم کہ اینست گبری و تر سائیم

مجھ سے مجھ کو اور ھم سے ھم کو لے لے کہ یہی کفر و بت پرستی ہے (یعنی جب تک خود ہم باقی ہیں یا ہماری خودی باقی ہے تُو نہیں مل سکتا۔ یہی ہمارا خود کا وجود ایک بُت ہے جب تک یہ موجود ہے بجائے خدا کے ہم خُود کی پرستش کرتے ہیں یہی کفر و بت پرستی ہے)۔ گبر و ترسا = آتش پرست۔ راہب۔ مراد کافر

خطے بر گناہ وجودم بکش خلاصم بفرما ازیں کش مکش

میرے وجود کے گناہ پر خط (تنسیخ) کھینچ دے۔ اس کشمکش سے مجھے نجات دے (یعنی میرا وجود ایک گناہ کی طرح ہے جس کی وجہ سے میری زندگی کشمکش میں گزرتی ہے۔ اس گناہ کا بوجھ یعنی خود میرے وجود کو مٹا دے تو اس کشمکش سے مجھے نجات مل جائے گی)۔

شراب محبت بنوشاں مرا جدا ساز از اہل ہوشاں مرا

اپنی محبت کی شراب مجھ کو پلا۔ ہوش والوں سے مجھے الگ کر دے (یعنی شراب عشق پلا کر مجھے اتنا مست و بیخود بنا دے کہ ہوش و حواس سے میں بیگانہ ہو جاؤں)۔

ندانم کہ من کیستم خلق کو بجز تو ندارم بکس گفتگو

میں نہیں جانتا کہ میں کون ہوں اور خلق کون ہے۔ تیرے سوا کسی سے گفتگو نہیں کرتا (یعنی سوائے تیرے نہ کسی کو جانتا ہوں نہ کوئی دیگر آواز تیری آواز کے سوا سنتا ہوں۔ خود حضرت قبلہ کا ایک شعر ہے:-

ہر آنکھ تک رہی ہے تیرے ہی منہ کو پیارے ہر کان میں ہوں یا تا معمور شور تیرا

خبرده الٰہی مرازاں مقام کہ بی صوت می رسد آنجا کلام

یا خدا مجھے اس مقام کی خبر دے کہ بغیر آواز کے تجھ سے کلام کر سکوں۔

ز دنیا و دینم ہمینست بس نہ من دانم و نے مرا ہیچکس

دین و دنیا میں میرے لئے یہی کافی ہے کہ نہ میں کسی کو جانوں نہ کوئی مجھے جانے۔

تجلی دہ ای شعلۂ نور من بسوزاں بیک جلوۂ طور من

اے نور کے شعلے مجھ پر تجلی فرما۔ جلوہ طور کی طرح اپنے جلوہ سے مجھے جلا دے۔

ز خود بیخودم ساز ای ذوالجلال فراموشیم دہ ز ہر قیل و قال

اے ذوالجلال مجھے خود سے بیخود بنا دے۔ ہر حیل و حجت (قیل و قال) کو میں بھول جاؤں۔

بدہ تاب ای نور جاں بالعجل ازاں پیشتر کہ بیاید اجل

اے نورِ جاں مجھے جلد روشنی دے اس سے پہلے کہ مجھے موت آ جائے۔

سحاب نمودِ مرا دور کن تنم راز نورت پُر از نور کن

میرے نمود کی دھند دور کر۔ میرے تن کو اپنے نور سے بھر دے (یعنی خود اپنا وجود یا اپنی نمود دھند یا غبار کی طرح ہے جس سے تیرا وجود آنکھوں سے اوجھل رہتا ہے۔ یہ دھند دور کر دے تو تیری روشنی نمایاں ہو گی اور میں تجھے دیکھ سکونگا یعنی تعینات ایک حجاب ہیں۔ جب تک یہ تعینات باقی ہیں تو آنکھوں سے اوجھل ہے ان تعینات کو اگر دور کر دیا جائے تو ہر جگہ تیرا جلوہ ہے)۔

نماند مرا اسم و رسم و اثر ندارد کسے از نشانم خبر

میرا کوئی اسم و رسم اور آثار باقی نہ رہے۔ کسی کو میرے نام و نشان کا پتہ نہ ہو۔

تو باشی ہمیشہ بملک وجود شہنشاہ و سلطانِ تختِ شہود

ملک وجود میں تو ہمیشہ رہے۔ تختِ شہود کا تو سلطان و شہنشاہ رہے۔ (شہود یعنی جو حاضر ہے یا موجود ہے۔ یعنی یہ کائنات)۔

بعجز و نیاز من ای بے نیاز تلطُّف بفر ما و بامن بساز

اے بے نیاز (خدا) بصد عجز و نیاز عرض ہے کہ مجھ پر مہربانی فرما اور میری موافقت کر۔ (سازیدن = موافقت کرنا)

فطوبیٰ لمن قلبہ المستنیر بنور الا لٰہ العلیم الخبیر

یا خدائے علیم وخبیر اپنے نور سے میرے روشنی طلب کرنے والے (روشنی کے خواہشمند) قلب کو خوشی (روشنی) عطا فرما۔ (یہ شعر عربی میں ہے)

طوبیٰ = بہشت کا ایک درخت ۔ خوش ۔ پاکیزہ ۔ اچھا۔ نفیس۔ خوشگوار ۔ خوشبو دار۔ جائز۔ خوشخبری + مستنیر = روشن ۔ روشنی طلب کرنے والا۔

مثنوی

(۱۵۰ اشعار)

یارِ من با کمال رعنائی　　خود تماشا وَ خود تماشائی

میرا یار کمال رعنائی کے ساتھ خود تماشا ہے اور خود ہی تماشائی ہے۔

عشقبازی بخویشتن دارد　　غیرتش تاب غیر کے آرد

خود اپنے سے عشق کرتا ہے۔ اسکی غیرت کو غیر کی تاب کہاں (کہ کوئی دوسرا درمیان ہو)۔

در ازل دیدہ بر رُخش واکرد　　خویشتن را بخویش شیدا کرد

ازل میں خود اپنے رخ کو دیکھا خود ہی خود پر شیدا ہوا۔

در بطونش نمود عشق مقام　　شُد مسافر سکونت و آرام

اس کے بطون میں عشق نے مقام کیا تو گویا مسافر کو قرار اور آرام آ گیا۔

تشریح: مثنوی کے یہ تین چار ابتدائی اشعار توحید وجودی یا وحدت الوجود کے لب لباب ہیں۔ ظہور کائنات اور حقیقتِ عالم کی طرف اشارہ ہیں قبل تخلیق عالم وہ ذات مرتبۂ لاتعین میں استغنائے کلی اور محویتِ تامّہ میں مستغرق تھی۔ صفات کا ظہور نہیں ہوا تھا لیکن جملہ صفات اس میں مندرج تھیں۔ ہر صفت اپنا ظہور چاہتی ہے۔ اس طرح تمام صفات ظہور کے لیے مضطرب تھیں۔ صوفیائے کرام اس پر متفق الرائے ہیں کہ صفات کے شوق نمود میں سب سے نمایاں حصہ صفت عشق کا تھا۔ یہ اضطراب دیکھ کر خود اپنی صفات سے اس نے خطاب فرمایا ''کُن'' یعنی ہو جا۔ پس وہ صفات ظاہر ہوگئیں۔ ''فیکون'' (پس ہوگئیں)۔ صفات ذات کا غیر نہیں ہوتیں۔ یعنی خود وہ ذات مع اپنی صفات کے ظاہر ہوگئی۔ کائنات اسی کے اسماء وصفات کا نام ہے۔

اس نے گویا خود ہی کو دیکھا۔ اس طرح وہ خود ہی تماشا ہے اور چونکہ خود ہی دیکھ رہا ہے اس لیے وہ تماشائی بھی خود ہے۔ یہ کائنات مثل آئینہ کے ہے جس میں وہ خود اپنا جمال جہاں آرا دیکھ رہا ہے وہ چونکہ خود حسین ہے اور حسن کو پسند کرتا ہے۔ ''اللہ جمیل و یحب الجمال'' (مسلم۔ ترمذی عن ابن سعود) یعنی اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ خود اپنے پر شیدا ہوا دوسرا کوئی وجود وہاں نہیں تھا جس سے وہ کُن کہتا اور عشق کرتا۔ جیسا کہ حدیث ہے کان اللہ ولم یکن مع شیٔ (ابن حجر و شیخ عبدالحق فی شرح مشکوٰۃ) یعنی تھا اللہ اور نہ تھی اس کے ساتھ کوئی شے۔ اور الآن کما

کان (وہ جیسا تھا ویسا ہی ہے) خود حضرت قبلہ اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

دید اپنی کی تھی اسے خواہش — ہر طرح آپ کو بنا دیکھا

یہ صرف اشارات ہیں۔ تفصیل یہاں ممکن نہیں۔

شُد چُو حُبِّ نظارہ دامنگیر — گشت مطلق بدامِ قید اسیر

جب نظارہ کی محبت دامن گیر ہوئی (یعنی خود کو دیکھنے کی طلب ہوئی) تو ''مطلق'' ''قید'' میں اسیر ہوگیا (عالم اطلاق میں وہ تمام تعینات وتقیدات سے منزہ اور پاک ہے۔ اس کا ظہور تقیدات و تعینات میں ہوتا ہے۔ کائنات اسکے تعینات وتقیدات کا نام ہے۔ گویا یہاں یعنی عالم ظہور میں وہ تقیدات کے لباس میں ہے)۔

گشت مطلق بدام قید اسیر:۔ یعنی مطلق قید کے جال میں ''اسیر'' ہوگیا۔ اسیر کے لفظ سے ممکن ہے حق تعالیٰ کی شان میں سوءادب کا تاثر پیدا ہوتا ہو۔ بریکٹ میں میں نے اشارہ لکھا ہے۔ لیکن بات واضح نہیں ہے۔ قدرے تفصیل کی ضرورت ہے جو یہاں ممکن نہیں۔ مختصراً ''اسیر'' دراصل ''مقید'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لغوی طور سے دونوں ہم معنی الفاظ ہیں۔ ترجمہ میں میں نے لفظ ''اسیر'' اسی طرح رہنے دیا ہے جیسا حضرت نے شعر میں لکھا ہے۔ ''اطلاق اور تقید''۔ ''مطلق اور مقید'' دراصل اصطلاحی الفاظ ہیں۔ جن کا لغوی ترجمہ مناسب نہیں۔ اس سے مراد بالترتیب ''تنزیہہ'' اور ''تشبیہ'' ہے۔ جب ہم ذات کو مطلق کہتے ہیں تو اس سے مراد حق کی وہ شان ہے جو ماورائے تصور ہے۔ جہاں وہ کسی اسم سے موسوم نہیں۔ کسی صفت سے موصوف نہیں۔ ہر اسم سے مبرا ہر صفت سے منزہ ہے۔ منقطع الاشارات، قیود و حدود سے پاک ہے۔ یہی تنزیہہ ہے۔ اس کو جاننا پہچاننا جب ہی ممکن ہے جب وہ کسی صفت سے موصوف ہوجائے۔ کسی صفت کا بیان کرنا گویا اس پر ایک ''قید'' عائد کرنا ہے۔ جو محض ایک اصطلاحی لفظ ہے جیسے ہم نے علیم کہا تو گویا صفت علم کی ''قید'' عائد کردی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ محض صفت علم ہی میں ''قید'' ہوکر رہ گیا۔ ہر صفت اس کی ہے۔ ہر اسم اس کا ہے وہ ہر جگہ بہ یک وقت جاری و ساری ہے۔ اس کو ''تشبیہ'' کہتے ہیں۔ گویا تقیدات اور تعینات ہی اس کی تشبیہی شان ہے۔ صفات کے بیان سے ''مطلق'' ''مقید'' ہوجاتا ہے۔ تنزیہہ تشبیہ میں بدل جاتی ہے۔ تمام صفات جو ہم اس ذات سے منسوب کرتے ہیں وہ اس کو مرتبہ اطلاق سے مرتبہ تقید میں متعین کردیتی ہیں۔ صفات تقیدات کا نام ہے۔ یہی ''اسیری'' ہے۔ لیکن یہ تنزیہہ اور تشبیہ۔ یہ اطلاق و تقید

ذات کا عین ہیں۔ غیر نہیں۔ یہ سب علمی اندازِ بیان ہے جس سے توحیدِ ذات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس کے بعد والے شعر میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔ یعنی آمد اندر حصار شیشہ پری۔ یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ یہ کوئی فلسفیانہ مضمون نہیں ہے۔ بلکہ اشعار کی زبان ہے۔ ''اسیری''۔ شیشہ۔ پری وغیرہ سب شاعرانہ انداز بیان ہے۔ پہلے شعر میں دام اور اسیر کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ دوسرے شعر میں حصار اور پری سے وہی مفہوم ادا کیا گیا ہے۔ وہاں شکاری دام میں آ گیا یہاں پری شیشہ میں آ گئی۔

از تقاضائے حُبِّ جلوہ گری　　آمد اندر حصار شیشہ پری

اپنی جلوہ گری کی محبت (خواہش) کے تقاضہ سے وہ پری شیشہ کی گرفت میں آ گئی (یعنی جب اسے اپنی دید یا جلوہ گری کی خواہش ہوئی تو کائنات کو آئینہ بنایا اور اسطرح آئینہ میں خود اپنے کو دیکھا۔ اگر آئینہ نہ ہو تو خود کو نہیں دیکھا جا سکتا)۔

خواست آن حسنِ بی نظیر و مثال　　متجلی شدن بایں امثال

اس بے نظیر و بے مثال حسن نے چاہا کہ ان امثال (یعنی کائنات کی مختلف شکلوں) میں ظاہر ہو۔

ناگہان کرد امر کُن فیکوں　　نقش بستہ جہانِ بو قلموں

تو اس نے ناگہاں ''کُن فیکون'' کا حکم دیا۔ اور یہ جہانِ رنگا رنگ وجود میں آ گیا (قرآن پاک کا ارشاد ہے کُن فیکون۔ ''کُن معنی ہو جا۔ فیکون معنی پس ہو گیا) یعنی جب اس نے ظہور چاہا تو خود اپنے سے یا اپنی صفات سے اس نے کہا ''کُن'' یعنی ہو جا۔ حکم کی دیر تھی۔ ''فیکون'' پس ہو گیا۔ ہر صفت اپنا ظہور چاہتی ہے۔ تمام صفات جو اس ذات میں مندرج تھیں ظاہر ہونے کے لئے مضطرب تھیں۔ کُن ان صفات سے خطاب تھا)۔

شُد ہزاراں ہزار شکل غریب　　از تجلّی نورِ ذاتِ حبیب

ہزاروں ہزار عجیب و غریب شکلیں اس ذات حبیب کے نور کی تجلی سے ظاہر ہوئیں۔

یک جہانے ز جنس جن و ملک　　واں دگر از عناصر ست و فلک

ایک جہان فرشتوں اور جنات کی شکل میں ظاہر ہوا تو دوسرا دوسرے عناصر اور فلک کی شکل میں۔

خود بر آمد بشکل ایں اکواں　　حسب در خواستِ حضرت اعیاں

اس کائنات کی شکل میں وہ خود ''اعیان'' کی درخواست پر ظاہر ہوا (''اعیان ثابتہ'' کائنات کی

وہ شکل ہے جو علم الٰہی میں موجود ہے۔ جس کے مطابق ظہور ہوتا ہے)۔

ہست عالم تمام مرآتش کاندرو ظاہر ست آیاتش

عالم تمام اس کا آئینہ ہے۔ کہ جس میں اس کی تمام نشانیاں ظاہر ہیں۔

طرفہ ترانیکہ رائی و مرآت جز یکے نے چہ گویمت ہیہات

تعجب اس بات کا ہے کہ آئینہ اور آئینے میں شکل دیکھنے والا ایک کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں۔ افسوس کہ تجھ سے کیا کہوں۔

لیک اندر جہانِ کہنہٗ و نو جُست و جوئے نمود باتگ و دو

پرانے اور نئے جہاں میں اس کی تلاش اور جستجو میں بہت تگ و دو کی۔

ہیچ کس را نیافت ایں قابل کہ ظہورش بود در و کامل

لیکن کسی کو اس قابل نہیں پایا کہ اس میں اس کا ظہور کامل ہوتا۔

آخر الامر سوئے آدم دید بہتر و خوب تر ز عالم دید

آخر آدم پر نظر پڑی تو اس کو تمام عالم میں سب سے بہتر پایا۔

متصف با صفات تنزیہی ہم در و وصف و نعت تشبیہی

اسمیں صفات تنزیہی بھی تھیں اور صفات تشبیہی بھی۔

زیں سبب شد خلیفہ اش انساں دیگرے کس نبود لایق آں

اس وجہ سے انسان اسکا نائب ہوا۔ دوسرا کوئی اس قابل نہیں تھا۔

(تشریح:۔ دراصل یہ اشارہ ہے قرآن پاک کی اس آیت کی طرف جس کا ترجمہ ہے۔ ''تحقیق ہم نے اس امانت کو پیش کیا تھا اوپر آسمانوں اور زمین کے اور پہاڑوں کے۔ پس انکار کیا سب نے اس سے کہ اٹھائیں اسکو اور ڈر گئے اس سے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے تحقیق تھا وہ ظالم اور جاہل'' (سورہ الاحزاب)۔ اسکا ذکر اشعار ۱۴ سے ۱۸ تک ہے۔

انسان کو اس نے اپنا خلیفہ بنایا۔'' انی جاعل'' فی الارض خلیفہ''۔ اس خلافت کا اہل حق تعالٰی نے صرف انسان کو پایا۔ عطائے خلافت کے معنی صرف یہ ہیں کہ اللہ تعالٰی نے ان کو ''اسماء کلھا'' کا علم عطا فرمایا۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے'' وعلم آدم الاسما کلھا (بقر)۔ یعنی تعلیم کئے ہم نے آدم کو تمام اسما۔ اسماء کلھا سے مراد اسمائے الٰھیہ وکونیہ ہیں۔ گویا'' آدم اسماء کلھا'' کے

جامع ہو گئے۔ اسی جامعیت فطری کا نام خلافت ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" نفخت فیہ من روحی فقعوا لہٗ سٰجدین" (حجر) یعنی جب ٹھیک بنا چکوں اور پھونک دوں اسمیں اپنی روح تو گر پڑو اسکے آگے سجدہ میں۔ اللہ تعالیٰ نے " اپنی روح" فرمایا اسطرح ملائکہ کا سجدہ دراصل حقیقتِ آدم یعنی روح اللہ یا ذات کو تھا اسلئے کہ شرک اسکو پسند نہیں۔ اس سے انکار کے باعث آخر ابلیس ملعون ٹھہرا۔

حقائق کونیہ "اسمائے کلھا" کے اجزا ہیں۔ امہات صفاتِ حق یعنی حیات، علم، ارادہ، قدرت، سمع، بصر اور کلام اس میں ثابت ہیں۔ وجوب و امکان دونوں کو اپنے میں سمیٹے ہوئے ہے۔ برزخ کبریٰ یعنی حقیقت محمدیؐ سے حقیقت انسانی خارج نہیں کیونکہ تعین ثانی میں یہ اسکی تجلی اور اسی کا ظہور ہے۔ جملہ انبیاء کے حقائق بھی یہاں اسی طرح موجود ہیں۔

انسان عالم صغیر ہے اور کائنات عالم کبیر۔ کائنات میں تفصیل ہے اور انسان میں اجمال۔ حقیقت محمدیہ میں جو اجمال ہے وہ اجمال قبل از تفصیل ہے۔ اور حقیقت انسانیہ میں جو اجمال ہے وہ اجمال بعد از تفصیل ہے۔ یہ اجمال ثانی تجلی ہے ظل ہے پرتو ہے اجمال اول کا۔ گویا حقیقت محمدیہؐ اصل ہے حقیقت انسانیہ کی اور ارفع و اعلیٰ ہے حقیقت انسانی سے۔ آدم میں بظاہر گو کہ وجوب و امکان جمع ہوئے مگر حقیقتاً یہ اجتماع تعین اول یعنی مقام محمدیہؐ میں قبل تخلیق آدم واقع ہو چکا تھا۔

کائنات کی روح انسان ہے اور انسان کی روح کا سراغ حقیقت محمدیہؐ میں جا کر ملتا ہے اور حقیقت محمدیہؐ کی روح اور جڑ اور اصلیت اور حقیقت اور سب کچھ وہ ذات بلا تعین و بلا نشان ہے جو ان جملہ اعتبارات و تقیدات و تعینات وغیرہ سے ماورا ہے۔

؎ لا مکاں اندر مکاں کردہ مکاں　　　بے نشاں گشتہ مقید در نشاں

اوست آئینہ صاحب الوجہین　　　گر بہ بینی تو با حقیقتِ عین

اگر تو حقیقت کی نظر سے دیکھے تو وہ ایسا آئینہ ہے جس کی دو جہت ہیں۔

روے سوی خصائص ربی　　　وجہ طرفِ نقائص عبدی

ایک جہت رب کی خصوصیات کی حامل ہے دوسری جہت عبد کی کمزوریوں کی جانب ہے۔

سجدہ اش با نقائص عبدی　　　جانبِ آن خصائص ربی

عبد کی کمزوریوں کے ساتھ اسکا سجدہ رب کی خصوصیات کی جانب ہوتا ہے (یعنی خود اسکی جہت

عبدیت کا سجدہ خود اپنی ہی جہت حقی کو ہوتا ہے)۔

پس ہمون ساجد ست وہم مسجود نیست در دہر غیرِ او موجود

پس وہی ساجد ہے اور وہی مسجود۔ دنیا میں اسکا کوئی غیر موجود نہیں ہے۔(تمام صفات اسی کی ہیں جو ہمیشہ اپنا ظہور چاہتی ہیں۔ اسکی مسجودیت اور معبودیت کی صفت کے ظہور کے لئے کوئی ساجد اور عابد بھی چاہیئے۔ دوسرا وجود ماننا شرک بالذات ہے۔ اسلئے وہ خود ہی ساجد و عابد ہے اور خود ہی مسجود و معبود۔خود اسکا ساجد کا تعین اپنی ہی مسجودیت کے تعین کی عبادت کرتا ہے اور خود اپنے ہی کو سجدہ کرتا ہے)

جز عدم نیست غیر ذاتِ خدا پس بود عینِ او ہمہ اشیا

ذاتِ خدا کا غیر سوائے عدم کے کوئی نہیں۔ پس تمام اشیاء عین وہ ہے۔

(یہ شعر وحدت الوجود کی جامع اور مسکت دلیل ہے۔یعنی جب ہستیِ حقیقی ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے تو عدمِ حقیقی خود بخود معدوم ہو گیا۔ دوسرے الفاظ میں جب غیر حق معدوم ہے تو جو کچھ ہے وہ عین حق ہے۔ غیر حق کہیں نہیں ہے۔ جب ہستیِ حقیقی ہر جگہ ہے تو اس کی ضد یعنی غیر حق یا عدم حقیقی اس کے ساتھ اسی جگہ جہاں وہ ہے اور اسی وقت جبکہ وہ ہے موجود نہیں رہ سکتا یا حق کو موجود ماننا پڑے گا یا غیر حق کو۔ دونوں کو بیک وقت موجود نہیں مانا جا سکتا۔

ایک اور بات غور طلب ہے۔ کائنات میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی جگہ نہیں جہاں کوئی "شے" موجود نہیں۔اب اگر ہر جگہ کوئی نہ کوئی شے موجود ہے تو وہاں سے ذات کا انخلا ماننا پڑے گا یعنی اس جگہ وہ "شے" ہے ذات نہیں ہے۔اس طرح وہ ذات کہیں ہے کہیں نہیں ہے۔ گویا اس کو زمان و مکان دونوں میں محدود ماننا پڑے گا جو اس کی شان احدیت وصمدیت کے منافی ہے۔)

مجملے ہست انچہ گفت نیاز کرد کوتاہ قصہاے دراز

جو کچھ نیاز نے کہا ہے وہ بہت مختصر ہے۔قصہ دراز کو چھوٹا کر دیا ہے۔

با یدت گر برین دلیل گواہ کن نظر جانب کلام اللہ

اسکے لئے اگر کوئی ثبوت چاہتے ہو تو قرآن پاک کو دیکھو۔

امر ربی ست روح و سّرِ خداست ذکر بے کام و بے زباں او راست

روح "امرِ رب" (خدا کا حکم) اور "سرِّ خدا" (خدا کا بھید) ہے۔ اسکا ذکر بغیر زبان وکام ہے (کام = تالو) (یعنی اسکے متعلق کام و زبان سے گفتگو نہیں کی جا سکتی) قرآن پاک کا ارشاد

ہے" قل الروح من امر ربی"۔ کہہ دو اے (محمد) کہ روح امر رب سے ہے۔ لوگوں نے حضور اکرمؐ سے پوچھا کہ روح کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی زبانی لوگوں کو یہ جواب دیا۔ سرِ خدا اشارہ ہے حضور غوث پاکؓ کے اس قول کی طرف کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "الانسان سرّی وانا سرہ" (یعنی انسان میرا بھید ہے اور میں اس کا بھید ہوں)

حیف در بندِ جسم درمانی   نشنوی صوتِ پاک رحمانی

افسوس کہ تو جب تک اسے جسم کی قید میں رکھے گا۔ خدا کی پاک آواز نہیں سن سکتا۔

یار تو ہر دست با تو کلیم   حیف تو نشنوی کلام قدیم

تیرا دوست تیرے ساتھ ہر دم بات کرتا رہتا ہے۔ افسوس کہ تو اس قدیم (ہمیشہ رہنے والا) کی گفتگو نہیں سن سکتا۔

کلامِ قدیم (کلام الٰہی):۔ کلام حق تعالیٰ کی امہات صفات میں سے ہے۔ اس کی دو جہتیں ہیں پہلی جہت مقام ربوبیت سے زبان انسانی میں کلام ہے جیسا کہ وہ کتب جو انبیاء کرام پر نازل ہوئیں یا انبیا اور اولیا سے کبھی مکالمات ہوئے۔

دوسری جہت کلام الٰہی کی یہ ہے کہ حق کا کلام بالذات خود اعیان ممکنات (کائنات کی تمام اشیا) ہیں۔ یعنی مخلوقات کلام الٰہی کے آثار ہیں کیونکہ لفظ "کن" بھی ایک کلمہ ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ کلمات الٰہی ہی ہیں جو مخلوقات کے رنگ میں نمودار ہوتے ہیں گویا تمام موجودات کلام الٰہی ہے۔ کتابِ حق تعالیٰ عالم غیب وشہادت کا مجموعہ ہے۔ افرادِ موجودات کا ہر فرد کلمات حق میں سے ایک کلمہ ہے۔

کلام میں الفاظ بھی ہوتے ہیں، معانی بھی۔ کلمہ اس معنی کی صورت ہوتا ہے جو متکلم کے علم میں ہوتا ہے۔ اس طرح معانی "اعیان ثابتہ" ہیں اور الفاظ کی صورت اعیان ممکنات۔ اعیان ممکنات حد وشمار سے باہر ہیں۔ قرآن پاک کی یہ آیت اس طرف اشارہ ہے جس کا ترجمہ ہے "تو کہہ دے کہ اگر سمندر بھر کی سیاہی ہو جس سے میرے رب کے کلمات لکھے جائیں تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے اگرچہ ہم اس سمندر کی مانند ایک دوسرا سمندر بھی مدد کے لیے لے آئیں"۔ (سورۂ کہف۔ آیت ۱۲)

ہمہ عالم پُرست از آواز   لیک در ہائے گوش خود کن باز

تمام عالم اس کی آواز سے گونج رہا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے (باطنی) کانوں کے

دروازے کھلے رکھو۔

باز کردن ہمیں بس ست ترا بند سازی رہ شنیدن را

ان دروازوں کو کھولنے کے لئے تیرے لئے یہی طریقہ ہے کہ تو اپنے سننے کے راستوں (یعنی کان) کو بند کرلے (یعنی ان ظاہری کانوں کو بند کر کے باطنی سماعت پر توجہ دے)۔

بشنوی یک کلام نا مقطوع کز حدوث و فنا بود مرفوع

ایک نہ ختم ہونے والی آواز سن جو حدوث وفنا سے بلند ہے (حدوث معنی عدم سے وجود میں آنا۔ پیدا ہونا)۔

اوّل و آخرش جو بیحد شد زان سبب نام او بہ انحد شد

اسکے اول وآخر کی کوئی حد نہیں اسلئے اس کا نام" بہ انحد" ہوا (بہ انحد یعنی جسکی کوئی حدود نہیں)۔

عالمِ صوت ازو ظہور گرفت از حضورش بساط نور گرفت

آواز کی دنیا اسی سے ظاہر ہوئی۔ اسکی حضوری سے اس نے روشنی کی استطاعت پائی۔

رونق افزای انجمن او شد فیض بخشاے ہر سخن اُو شد

اس نے محفل کو رونق بخشی۔ اور ہر سخن کو فیض بخشا۔

گر باظہار رونیا وردے نام آواز در جہاں نہ بُدے

اگر اس نے یہ اظہار نہ کیا ہوتا تو آواز نام کی چیز دنیا میں نہ ہوتی۔

بشنو آن بانگِ پر سروراز گوش کُن فراموش خویش را ذیہوش

اپنے کانوں سے یہ پر سرور آواز سن۔ اور اے ذی ہوش خود اپنے کو فراموش کر دے (اسکو "صوت سرمدی" کہتے ہیں) "بانگ جرس" سے بھی مراد یہی ہے۔ صوتِ سرمدی یا بانگ جرس گھنٹی کی سی آواز ہوتی ہے جو سالک کو ظاہری کانوں کے بند کرنے کے باوجود سنائی دیتی ہے۔ یہ انکشاف صفت قادریت عالم بالا کی ایک چیز ہے جو ہر وقت ہر جگہ جاری وساری رہتی ہے اور صرف باطنی سماعت کے ذریعے سننے میں آتی ہے۔ حافظ کہتے ہیں۔

کس ندانست کہ منزل گہِ مقصود کجاست ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

شاہ تراب کہتے ہیں۔

دلیل کارواں بانگ جرس ہے ۔ گواہ درددل اک نالہ بس ہے

غرق شو درمیانِ بحر محیط ذات بے کم و کیف نورِ بسیط

اس بحر محیط میں ڈوب جا۔ اس ذات بے کم وکیف اور نور بسیط میں گم ہو جا (بسیط معنی پھیلا ہوا) (یعنی اس ذات میں فنا ہو جا)۔

نور بیرنگ ہست وحدت ذات ویں تعیّن بود ہمہ ظلمات

وحدتِ ذات بے رنگ نور ہے۔ اور یہ تعین تمام تر تاریکی ہے (یعنی یہاں وہ ذات بے رنگ بے بو بے چون و بے چگون اور تعینات سے مبرّا ہے۔ مقام احدیت کی طرف اشارہ ہے جہاں اس کا کوئی نام نہیں۔ کوئی رنگ نہیں)۔

دیدہ ہای دلت کہ نا بینست پیشِ تو نور سر بسرا نیست

تیرے دل کی آنکھیں چونکہ نابینا ہیں تیرے نزدیک یہی سراسر نور ہے۔

ورنہ وحدت کجا و کثرت کو بوی عنبر کجا کجا بد بو

ورنہ کہاں وحدت اور کہاں کثرت۔ کہاں عنبر کی خوشبو اور کہاں بد بو۔

تو کہ ہرگز ندیدہٴ آن نور چہ بدانی حقیقت مستور

تو نے چونکہ اس نور کو کبھی نہیں دیکھا۔ اس حقیقت مستور (چھپی ہوئی) کے متعلق کیا جان سکتا ہے۔

تا نیفتد شعاعِ نورِ خدا بر دلت کی شود ترا پیدا

جب تک نور خداوندی کی شعاعیں تیرے دل پر نہ پڑیں تیرے دل پر یہ نہیں ظاہر ہو سکتا۔

کایں ہمہ ظلمت ست نوردگر کی شود این و آن بہم ہمسر

کہ دیگر تمام روشنیاں تمام تر تاریکی ہے (یہ نور بھی تاریک نظر آئیگا) یہ دونوں چیزیں (یعنی روشنی اور تاریکی) کیسے برابر ہو سکتی ہے۔

ذات مطلق مثال گُل باشد مبدء فیض جزو و کُل باشد

ذات مطلق پھول کی طرح ہے جو جزو وکل کے لئے فیض کا سرچشمہ ہے۔

ویں دوئی و تعیّن ست چوخار می کشد ہر یکے ازو آزار

یہ دوئی اور تعین کانٹے کی طرح ہے جس سے ہر ایک کو نقصان پہنچتا ہے۔

گل شوی گر نظر بہ گُل آری دامن جانِ کس نیاز اری

اگر پھول پر نظر ہے تو خود پھول بن جا کہ کسی کے دامن کو اس سے نقصان نہ پہنچے۔

در بتقیّد خار درمانی خود برنجی جہان برنجانی

اگر کانٹے کا تعین اختیار کرتا ہے تو خود بھی تکلیف اٹھائے گا اور دوسروں کو بھی نقصان پہنچائے گا۔

تو نہ آنی ہر انچہ فہمیدی گل نہ دیدی تو خار را دیدی

تو وہ نہیں ہے جو اپنے کو سمجھتا ہے۔ تو نے پھول کو نہیں دیکھا صرف کانٹے کو دیکھا۔

توئی نو خاستہ گل از گلشن خاردانستی و شدی گلخن

تو باغ کا کھلتا ہوا پھول ہے۔ اگر اپنے کو کانٹا سمجھتا ہے تو خس و خاشاک (کوڑا کرکٹ) ہو جائے گا۔

اندران خار و گل تو فرق بکن گرچہ ہستند از یکے گلشن

اس کانٹے اور پھول میں فرق کر حالانکہ دونوں ایک ہی باغ سے تعلق رکھتے ہیں۔

تشریح:۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مثنوی کلیۃً ''وحدت الوجود'' کا بیان ہے۔ توحید حقیقی کو سمجھنے کے لئے ''مراتب نزول'' کو اچھی طرح ذہن نشین کرنا چاہیئے۔ حضرت قبلہ ؒ کے اشعار میں ان مراتب کا ذکر جا بجا آتا ہے۔ آپ نے اپنے ایک رسالہ ''راز و نیاز'' میں ان کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ لیکن سب سے پہلے یہ جان لینا چاہیئے کہ مراتب کا مطلب ذات کی تقسیم نہیں ہے نہ وہ ظہور کے لئے مدارج یا مراتب کا محتاج ہے۔ وہ بیک وقت ہر مقام، ہر درجہ اور ہر مرتبہ میں جلوہ گر ہے۔ یہ سمجھنے سمجھانے کے لئے ایک علمی اندازِ بیان ہے ان مقامات کے صرف نام دے دیئے گئے ہیں۔ تفصیلات کا یہ محل نہیں۔ نام یہ ہیں:۔ (۱) ھاھوت یا احدیت (۲) لاہوت یا وحدت (۳) جبروت یا واحدیت (۴) ملکوت یا عالمِ ارواح (۵) عالم مثال (۶) ناسوت یا عالمِ حسِ و شہادت (۷) مرتبہ جامع یعنی انسان۔

شروع کے تین مراتب یعنی احدیت۔ وحدت اور واحدیت مراتب الٰھیہ یا تجلی اول کہلاتے ہیں اور بقیہ تین یعنی عالمِ مثال۔ ناسوت اور مرتبہ جامع مراتب کونیہ یا تجلی ثانی کہلاتے ہیں۔ اشعار ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱ مقام ''برزخ'' کی نشاندہی کرتے ہیں۔

برزخ ایسے حجاب کو کہتے ہیں جس کا ایک رخ ایک جانب ہو اور دوسرا دوسری سمت سے ملحق ہو جیسے کمرہ کی دیوار دونوں کمروں سے تعلق رکھتی ہے۔ تجلی اول یا مراتب الٰھیہ میں ''وحدت'' برزخ ہے جس کا ایک رخ احدیت کی جانب ہے اور دوسرا واحدیت کی طرف۔

تجلی ثانی یعنی مراتب کونیہ میں عالمِ ناسوت برزخ ہے عالمِ مثال اور جامع مرتبہ

انسان کے درمیان۔ پہلے برزخ کو حقیقت محمدیؐ اور دوسرے برزخ کو حقیقتِ انسانی کہتے ہیں۔ حقیقت انسانیہ دراصل پرتو ہے حقیقت محمدیؐ کا۔ ''برزخ'' حق اور خلق کے درمیان ایسا پردہ ہے جو دونوں سے ملحق ہے۔ دونوں کوئی مختلف چیزیں نہیں ہیں۔

اس مثنوی میں مرتبہ ''احدیت'' کی طرف خاص توجہ کی گئی ہے۔ یہ مقام ''لاتعین'' ہے۔ یہاں ذات کو استغراق کلی، غلوئے تامہ ہے۔ یہاں وہ تمام قیود و تعینات سے منزہ اور صفات و اعتبارات سے مقدس ہے۔ محض ذات صرفہ و سادہ ہے حتیٰ کہ قید اطلاق سے بھی مبرا ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے دوات میں سیاہی یعنی جب تک دوات میں سیاہی ہے کسی حرف کا ظہور نہیں ہوا ہے۔ تمام حروف دوات کی سیاہی میں پوشیدہ ہیں۔ یا جیسے کسی تخم میں پورا درخت مع برگ و ثمر گل و غنچہ، شاخ و تنا پوشیدہ رہتا ہے۔ اسی طرح ذات میں تمام کائنات مستتر ہے جو بعد کُن ظہور میں آئی۔ اس مرتبہ کے کئی دیگر نام بھی ہیں۔

شعر ۴۴ سے تا آخر تعینات کا ذکر ہے۔ تعینات کی موجودگی میں اشیاء غیر ذات نظر آتی ہیں۔ لیکن بحیثیت اصل وہ ذات سے الگ نہیں ہیں۔ جس طرح موج و حباب، برف و شبنم، ابر و باراں سب حقیقتاً پانی کی ہی شکلیں ہیں لیکن ہر تعین کی خاصیت مختلف ہے۔ پھول اور کانٹا بحیثیت اصل تخم ہی کی شکلیں ہیں لیکن تعین کے اختلاف سے ان کے آثار بھی مختلف ہوتے ہیں اور حکم آثار پر ہی لگتا ہے۔ پھول کی خاصیت خوشبو ہے۔ کانٹا اذیت دیتا ہے۔ حالانکہ دونوں کی اصل تخم ہے۔ کھولتا پانی جلانے کی خاصیت رکھتا ہے۔ برف ٹھنڈک پہنچاتا ہے حالانکہ دونوں کی اصل ایک ہی پانی ہے۔ اسی طرح وہ ذات کہیں رحیم ہے کہیں قہار۔ کہیں رحمٰن ہے کہیں جبار۔ کہیں المضل ہے کہیں الہادی۔ ان تعینات کے اختلاف سے اس ذات میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔

اس میں آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ذات مطلق گلاب کے پھول کی طرح ہے جس کی خوشبو ہر دماغ کو معطر کرتی ہے۔ اسکے پاس خار بھی ہے۔ تم جسے چاہو لے لو۔ اسی طرح ذات مطلق مبدء فیض جز وکل ہے۔ اسمیں کانٹے بھی ہیں پھول بھی ہیں جو چاہو بن جاؤ۔ اور جسے چاہو حاصل کرو۔ ضروری امر یہ ہے کہ یہ نہ بھولو کہ خار وگل میں تمیز کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ وہ ایک ہی گلشن سے تعلق رکھتے ہیں۔ اردو کا ایک شعر تعین کے حوالے سے ہے۔ فرماتے ہیں:۔

اس تعین کی گرفتاری سے اے دل چھوٹ چھوٹ آحباب آسا بدریائے حقیقت پھوٹ پھوٹ

حضور قبلہؒ کی یہ مثنوی ایک شاہکار ہے۔ تمام تعلیمات کا خلاصہ جس میں توحید حقیقی کو بہت خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ سلوک و معرفت کے اعلیٰ مسائل اسمیں شامل ہیں۔ جس سے حقیقت آشنا طبائع وجد میں آ جاتی ہیں۔ قلب کو جلا اور روح کو ایک کیف و سرور حاصل ہوتا ہے گویا ایک کوزہ میں سمندر کو بند کیا گیا ہے۔ محاسن شعری کے لحاظ سے بھی اور معنوی لحاظ سے بھی یہ مثنوی اپنی مثال آپ ہے۔ ہر سلسلہ کے صوفیا اس مثنوی کو معتبر اور مستند سمجھتے رہے۔ اسکے اشعار کو حوالہ کے طور پر جگہ جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ ہمارے سلسلہ کے بزرگ اسکو بار بار سنتے اور بار بار پڑھتے رہے۔

میں نے اپنے مرشد گرامی حضرت شاہ مرتضیٰ حسینؒ کو جو حضرت شاہ محی الدین احمد نیازیؒ جانشین دوئم حضرت قطب عالم مدار اعظم حضرت نیاز بے نیازؒ کے خلیفہ تھے، دیکھا کہ اکثر اس کا ورد کرتے۔ بستر مرگ پر آپ اس قابل نہیں تھے کہ پڑھ سکتے۔ دوسروں سے پڑھوا کر سنتے۔ سن کر آپ پر ایک وجد و کیف کی سی حالت طاری رہتی۔ فارسی میں جو اسکا حسن ہے یقیناً اردو ترجمہ میں وہ بات نہیں آ سکتی بہرحال مفہوم کو ادا کرنے کی ممکن حد تک کوشش کی گئی ہے۔

حمد

ای غنی ذاتِ تو از اقرار و از انکارِ ما　　بے نیاز از ماواز پیدائی و اظہارِ ما

اے اللہ تیری ذات ہمارے اقرار و انکار سے مستغنی ہے اور ہم سے اور ہمارے اظہار و بیان سے بے نیاز ہے۔

نی بہارت ہستیِ مانی خزانت نیستی　　ای بہارت بی تعلق از گل و از خارِ ما

نہ تیری بہار میری ہستی ہے اور نہ تیری خزاں میری نیستی ہے۔ تیری بہار میرے پھولوں اور کانٹوں سے بے تعلق ہے (یعنی میرے ہونے یا نہ ہونے سے اور زندگی کی خوشیوں اور غموں سے تو بے نیاز ہے)۔

کنزِ مخفی بود اندر غیب مطلق ذات تو　　نامِ ما آنجا کجا بود و کجا آثارِ ما

تیری ذات غیب مطلق میں ''کنزِ مخفی'' (چھپا ہوا خزانہ) تھی۔ وہاں ہمارا نام یا ہمارے آثار کچھ نہیں تھے۔

(اشارہ حدیث قدسی کی طرف ہے۔ ''کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق'' یعنی میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے پیدا کیا خلق کو۔ عالمِ اطلاق میں وہ ذات تمام آثار وصفات سے مبرّا تھی۔ جب اس کو خود اپنی معرفت، خود اپنی پہچان کی خواہش ہوئی تو اس نے ''کُن'' کہہ کر عالم کو وجود بخشا اور وہ عالمِ اطلاق سے عالم تقید میں ظاہر ہوا۔ تقیدات اور تعینات اس عالم کا نام ہے)۔

رنگ بیرنگیست اصل رنگہای رنگ رنگ　　نور بیرنگی بہ از نیرنگی انوارِ ما

رنگہائے رنگ رنگ کی اصل بے رنگی کا رنگ ہے۔ ہماری روشنیوں کے رنگوں سے تیری بے رنگی کا نور زیادہ بہتر ہے۔

(عالمِ اطلاق میں وہ بے رنگ ہے۔ یہ کائنات رنگینیوں سے بھری ہوئی ہے لیکن اسکی بے رنگی ہی کائنات کے رنگوں کی اصل ہے۔ اسی بے رنگی سے یہ سب رنگ وجود میں آئے)۔

ہستیت خود بحر مواجیست نا پیدا کنار　　قطرہ باشد یا نمے زاں بحر ایں انہار ما

تیری ہستی ایک نا پیدا کنار سمندر ہے۔ ہم نہروں کی طرح ہیں جو اس سمندر کی محض نمی یا ایک قطرہ ہے۔ (یعنی ہمارا وجود تیرے سامنے ایسا ہے جیسے سمندر میں نمی یا قطرہ)۔

ما کہ باشیم از خودی در حضرت دم برزنیم　　ای کم از کم رو برویت اینهمہ بسیار ما

ہم اپنی خودی کے ساتھ تیرے حضور دم نہیں مار سکتے۔ ہمارا یہ تمام ''بہت'' تیرے سامنے ''کم سے کم'' ہے۔ (جب تک ہماری خودی باقی ہے تجھ کو نہیں پا سکتے۔ جس کو ہم بہت زیادہ سمجھتے ہیں وہ تیرے مقابلے میں کچھ نہیں ہے)۔

عین ہستی خود توئی پس از تو چوں منکر شویم　　حجتِ ہستی تست ایں ہستی انکار ما

تو خود عین ''ہستی'' ہے۔ تجھ سے ہم کس طرح منکر ہو سکتے ہیں۔ ہمارے وجود کی نفی تیری ہستی کی دلیل ہے۔

کی رسد شاہینِ فکر اندر ہوای اوج تو　　بے پروبالست آنجا طائرِ طیّارِ ما

ہماری طائرِ فکر کی پرواز تیری بلندی تک کیونکر پہنچ سکتی ہے۔ اس جگہ ہمارا طائرِ فکر بے پر و بال ہے (یا اسکے پر کٹے ہوئے ہیں)۔ (یعنی ہم محدود ہیں وہ لا محدود ہے۔ محدود دماغ لا محدود کا تصور بھی نہیں کر سکتا)۔

از چہ رو دستِ نگہ تا پایۂ کنہت رسد　　تاب دیدارت ندارد دیدۂ ابصارِ ما

تیری کنہ یا اصل تک ہماری نگاہ کا ہاتھ اگر پہنچ بھی جائے تو ہماری بصارت کی آنکھوں کو اسکے دیدار کی تاب نہیں۔

(قرآن پاک کا ارشاد ہے ''لا تدرکہ الابصار'' یعنی ہماری آنکھ اسکو نہیں دیکھ سکتی۔ ہماری مقید آنکھ اس وجود مطلق کو ان مادّی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتی)۔

کی رسائی یابد اندر حضرتِ تو چون و چند　　گرچہ زینہار ونقست وگرمیِ بازارِ ما

تیرے حضور ''کیوں اور کیسے'' کی رسائی کس طرح ہو سکتی ہے حالانکہ ہماری رونقیں اور زندگی کی ہماھمی سب اس وجہ سے ہے۔ (یعنی وہاں منطق و استدلال، دلائل و براہین کام نہیں آتے)۔

فرض کردم کہ حجابِ نور و ظلمت دور شد　　درحریم قدسِ تو ممکن نباشد بارِ ما

بفرضِ محال یہ روشنی و تاریکی کا حجاب دور بھی ہو جائے تو بھی تیرے حریمِ ناز میں پہنچنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔

خارج از عقل و قیاس و فہم جملہ خاص و عام　　دور از حدیکہ باشد حیطۂ افکارِ ما

تو تمام خاص و عام کی عقل و فہم اور قیاس سے بالا تر ہے۔ جہاں تک ہمارے افکار کا احاطہ ہو سکتا

ہے ان کی حدود سے تو بہت دور ہے۔

نے یکی گنجد درآنجا نے دوئی گفتن روا　　　بسکہ ہست عالی ز اطلاق کم و بسیار ما

اس جگہ کوئی ایک نہیں سما سکتا۔ نہ وہاں دوئی کا ذکر جائز ہے۔ یہاں وہ کم وبیش کے اطلاق سے بہت بلند ہے۔ (مقام لاتعین میں وہ ہر اطلاق سے بالا ہے۔ یہاں نہ اسکو ایک کہہ سکتے ہیں نہ دو۔ نہ کم کہہ سکتے ہیں نہ زیادہ۔ یہاں وہ ہر چیز سے ہر نام سے ہر صفت سے مبرا و منزہ ہے)۔

نسبتِ تنزیہہ و تشبیہش نمودن ناسزاست　　　کی سزد ایں قید ہا در ذاتِ بحت یار ما

یہاں اسکو "تنزیہہ و تشبیہہ" سے نسبت دینا نا مناسب ہے۔ میرا محبوب ذاتِ بحت (بحت معنی خالص) ان قیود کا سزاوار نہیں (کیونکہ تنزیہہ اور تشبیہہ بھی ایک قسم کی قید ہے اور اسکو اس مقام پر کسی بھی صفت میں مقید نہیں کیا جا سکتا)۔

("تنزیہہ اور تشبیہہ" تصوف کی خاص اصطلاحات ہیں جس کا مفہوم سمجھے بغیر توحید حقیقی کا ادراک ممکن نہیں۔ وہ ذات تنزیہہ اور تشبیہہ کی جامع ہے۔ محض تنزیہہ پر نظر رکھنا اسکو محدود کرنا ہے اور شان تنزیہہ کو فراموش کر کے صرف تشبیہہ کو دیکھنا گویا صرف تعینات کو دیکھنا ہے۔ ان کے اندر حق کو نہیں دیکھا گیا یہ شرک و کفر ہے۔ تنزیہہ اور تشبیہہ کو سمجھنے کے لئے یہ مثال دی جا سکتی ہے جیسے جب کوئی خیال ہمارے ذہن میں آتا ہے تو اسکی کوئی شکل وصورت نہیں ہوتی نہ اسکی کوئی زبان ہوتی ہے کہ دوسروں کیلئے قابلِ فہم ہو سکے۔ اس خیال کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے ہمیں الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ الفاظ گویا خیال کی صورت ہیں۔ چنانچہ خیال تنزیہہ اور الفاظ تشبیہہ ہیں)۔

اعتبارات و اضافاتیکہ آید برزباں　　　نیست درہستی ساذج کو بود دلدار ما

زبان پر جو اعتبارات اور اضافات آتے ہیں وہ اس ہستی ساذج میں نہیں ہیں جو میرا محبوب ہے (ساذج معنی سادہ)۔ (یعنی وہ تمام اعتبارات و اضافات سے بے نیاز ہے۔ مراد یہ ہے کہ تمام صفات جو ہم اس سے منسوب کرتے ہیں اور طرح طرح کے صفاتی ناموں سے اسے موصوف کرتے ہیں۔ اس مقام پر وہ ان سب سے مستغنی ہے۔ یہاں نہ اسکا کوئی نام ہے نہ صفت)۔

عین ادراک است عاجز ماندن از ادراک او　　　کار با عجزست آخر کار در سرکار ما

اسکو سمجھنے میں عاجز رہنا ہی عین اس کو سمجھنا ہے۔ ہمارے محبوب کے متعلق تمام گفتگو اور کاروبار میں سوائے عجز و بیچارگی کے کچھ نہیں۔ (یعنی اس مقام پر وہ ذات فہم و ادراک سے بالا ہے اور

بندہ اسکے سمجھنے میں قطعی عاجز اور بے بس ہے)۔

حیرت اندر حیرت آمد حیرت اندر حیرتست　　ہست با حیرت زسرتاپای کاروبارِ ما

حیرت کے اندر حیرت ہوئی اور حیرت میں حیرت ہے۔ ہمارا سارا کاروبار سر سے پیر تک حیرت ہے۔

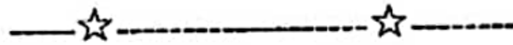
گنگ میگرد و زبان اہلِ عرفاں زیں مقام　　ما عَرفنا گفت اینجا سیدِ ابرارِ ما

اس مقام پر اہل عرفان کی زبان گونگی ہو جاتی ہے اور یہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ماعرفناک حق معرفتک'' فرمایا۔

(اشارہ حدیث کی طرف ہے۔حضورؐ نے فرمایا ''ماعرفناک حق معرفتک'' یعنی میں نے حق کو نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے)۔

دادہ ام از ذاتِ احدیت نشانت اے نیاز　　چشمِ دل بکشاو بنگر معنی اشعارِ ما

اے نیاز میں نے تجھے ذات احدیت کی نشانی بتا دی۔اپنے دل کی آنکھ کھول اور میرے اشعار کے معانی سمجھ۔



مثنوی کی طرح اس غزل میں بھی ذات کے مرتبہ لاتعین ''یا احدیت'' کی طرف اشارات ہیں۔جیسا کہ مقطع میں آپ نے خود فرما دیا ہے۔جہاں وہ ذات بے نام و بے صفت بے چون و بے چگون تمام اعتبارات سے منزہ و مبرا ہے اسکے لئے ''مراتب ذات'' کو سمجھنا ضروری ہے۔

حمد

ای نہاں در کنجِ غیب از دیدۂ ابصار ما　　نیست جز تو کس عیاں در کوچہ و بازار ما

اے وہ جو ہماری آنکھوں سے تو غیب کے گوشوں میں چھپا ہوا ہے۔لیکن اس کے باوجود ہمارے کوچہ و بازار میں سوائے تیرے کوئی ظاہر نہیں ہے (یعنی ہماری نظروں سے تو پوشیدہ ہے لیکن اگر حقیقت بیں نظروں سے دیکھا جائے تو ہر جگہ تُو موجود ہے)۔

خود نقاب روی او مائیم دیگر ہیچ نیست　　گر براندازد زرویش گم شود آثار ما

اسکے چہرہ پر نقاب خود ہم ہیں دوسری کوئی چیز نہیں۔ اگر اسکے چہرہ سے یہ نقاب اٹھا دیا جائے تو خود ہمارے آثار گم ہو جائیں۔(یعنی ہمارے اور اسکے درمیان سب سے بڑا حجاب خود ہمارا وجود ہے۔ اگر درمیان سے یہ حجاب اٹھا دیا جائے یعنی یہ خودی دور کر دی جائے تو ''ہم'' کہیں نہیں رہیں گے صرف ''وہ'' باقی رہ جائے گا)۔

گر بھفتاد و دو ملّت جام وحدت دردہد　　دور گردد اختلاف و ایں ہمہ تکرار ما

اگر تمام ۷۲ فرقوں کو جامِ وحدت پلا دیا جائے تو ہمارے سب اختلافات اور سب جھگڑے فساد دور ہو جائیں۔

در مقامی کونماید روی خود بے پردۂ　　کے بماند دین و کفر و سبحہ و زنار ما

اگر کسی موقع پر وہ اپنا چہرہ بے نقاب دکھا دے تو ہمارا دین و کفر اور تسبیح و زنار کہاں رہ سکتا ہے۔

برلبِ جوی جہاں باساز و برگے تازۂ　　ہر زماں آید خراماں سروخوش رفتار ما

دنیا کی نہر کے کنارے وہ خوش رفتار سروقد محبوب ہر لمحہ نغمہ و ساز اور بہاروں کی تازگی کے ساتھ خراماں خراماں آتا ہے۔(یعنی ہر لمحہ وہ کائنات میں اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ موجود ہے اگر ہماری حق بیں نظریں کھلی ہوں)۔

چشم ما رایک نگہہ بر نرگس مستش فتاد　　بیخود و دیوانہ شد فرزانہ و ہشیار ما

ہماری ایک نظر ان مست نرگسی آنکھوں پر پڑی۔۔سب ہوشیار اور فرزانے بے خود اور دیوانے ہو گئے۔

چوں بگوش آمد صدای نغمۂ قول الست　　میزند بانگِ بلیٰ ہر ریشۂ و ہر تار ما

جونہی ہمارے کان میں قول ''الست'' کے نغمہ کی آواز آئی۔ ہمارے ہر رگ و ریشہ نے ''بلیٰ'' کی

صدا لگائی۔

(اشارہ قرآن پاک کی آیت ''الست بربکم قالو بلیٰ'' کی طرف ہے۔ روز ازل بموجب قرآن پاک تمام روحوں سے اللہ تعالیٰ نے خطاب کیا ''الست بربکم'' (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) ''قالو بلیٰ'' (سب روحوں نے جواب دیا بے شک تو ہمارا خدا ہے)۔

درشناسائی چساں آید رُخ زیبائی اُو　　　تاب دیگر میدہد ہر لحظہ بر انظار ما

اسکا رخ زیبا محبت میں اس طرح نظروں کے سامنے آتا ہے کہ ہر لحظہ ہماری نظریں اس سے روشنی پاتی ہیں۔(اَنظار = نظر کی جمع۔نظریں۔نگاہیں۔　　انظار = دکھلانا)

روی خود یکروست گوبینم اُو را صد ہزار　　　موجب کثرت بود آئینہ بسیار ما

اس کا چہرہ ایک ہی ہے لیکن ہم اس کو سو ہزار شکلوں میں دیکھتے ہیں۔اس کثرت کا سبب ہمارے بے شمار آئینے ہیں۔(یعنی کائنات کی ہر شے گویا ایک آئینہ ہے۔ یہ پوری کائنات ایک آئینہ خانہ ہے۔ دیکھنے والا ایک ہی ہوتا ہے لیکن ہر آئینہ میں وہی ایک شکل نظر آتی ہے۔ آئینہ کے رنگ اور اسکی شکل وھئیت کے مطابق شکل مختلف ہوسکتی ہے لیکن ہوتی ایک ہی شکل ہے۔ اس طرح ہزاروں شکلیں مختلف خدو خال کی بظاہر نظر آتی ہیں لیکن فی الحقیقت ایک ہی فرد ہے جو وہاں موجود ہے۔ اسی طرح وہ ذات مختلف تعینات کی وجہ سے لا تعداد شکلوں میں نظر آتی ہے۔حق بیں نظریں جانتی ہیں کہ یہ تمام شکلیں ذاتِ واحد کی ہیں۔ کائنات اسی کے اسماء وصفات کا نام ہے۔ ہر اسم اسی کا ہے ہر صفت اسی کی ہے)۔

خود حضرت قبلہؒ عکس و آئینہ کے متعلق فرماتے ہیں:

''ہم نے لفظ عکس آئینہ کی مناسبت سے اختیار کیا ہے۔ ورنہ ذاتِ حق بنفسہ عالم میں جلوہ گر ہے نہ کہ اس کا عکس۔ دوسری بات یہ ہے کہ عالم میں ظہورِ حق اسماء وصفات کی حیثیت سے ہے ذات صرفہ کی حیثیت سے نہیں۔ اس طرح عالم گویا اس کی صفات کا مظہر ہے۔ایک اور ضروری امر یہ ہے دیکھنے والے کا عکس گو دیکھنے والے کے تمام اثرات سے مشابہ ہوتا ہے لیکن پھر بھی اُس کا عین نہیں ہوتا۔ اسی طرح حق کے تمام جلوے جو عالم میں نظر آتے ہیں مثل تاثیر حق مطلق نہیں ہوتے۔

ہر چند کہ وہ ہستی مطلق جہاں بھی ظاہر ہے عین مظاہر ہے اور تمام مظاہر میں بذاتہ ظاہر ہے لیکن باوجود اس قدر عینیت کے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ ظاہر مولا ہے اور مظہر عبد۔ یہ

عینیت تمام لحاظ سے نہیں ہے۔ اطلاق اور تقید کی غیریت باقی ہے۔ اسی وجہ سے احکام و آثار میں فرق ہوتا ہے۔"

(شمس العین)

رائی و مرآت و مرئی جملگی یکذات اوست　　　عقل حیرانست در صنعت گری یار ما

دیکھنے والا، دیکھا جانے والا اور آئینہ سب ایک ہی ذات ہے۔ محبوب کی اس صنعت گری سے عقل حیران ہے۔

خود توئی ناظر توئی منظور ایجانِ جہاں　　　پس چرا باشی نہاں از دیدۂ نظار ما

اے جانِ جہاں جب تو خود ہی ناظر ہے (دیکھنے والا) اور خود ہی منظور ہے (دیکھا جانے والا)۔ تو میری نظروں سے پھر کیوں نہاں ہے۔

ہستیت ماریست بر گنج جمالش ای نیاز　　　گنج می آید بدست از کشتہ گرد و مار ما

اے نیاز تیری ہستی اسکے حسن کے خزانہ پر سانپ کی طرح ہے۔ اگر اس سانپ کو تو مار دے تو یہ خزانہ تجھے مل جائے گا۔ (یعنی ہماری ہستی، ہمارا وجود ہمارے اور اسکے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے۔ جب تک اس خودی کو مٹایا نہ جائے اسکی یافت ممکن نہیں)۔

حمد در نعت

خود تجلی کرد بر خود آں بُتِ عیّارِ ما　　　شاہد روئے خود آمد یار گلرخسار ما

ہمارے شوخ مزاج بت (محبوب) نے اپنی تجلی خود اپنے اوپر کی۔ اس گل رخسار (پھولوں جیسے رخسار والے) دوست نے اپنا جمال خود دیکھا۔ عیّار = شوخ مزاج (فرہنگ فارسی)

مقتضائے حُسن باشد جلوہ گر بودن بخود　　　مہر و مہ در آئینہ بیں شاہدِ گفتار ما

حسن کا تقاضا یہ ہے کہ خود اپنے اوپر جلوہ گر ہو۔ سورج اور چاند کو آئینہ میں دیکھو میری اس بات کی شہادت مل جائے گی۔

یارب آں رو نور تابانست یا افسون و سحر　　　کز طلسم جادوش دیوانہ شد ہشیار ما

یارب وہ چہرہ چمکتا ہوا نور ہے یا کوئی افسوں یا سحر (جادو) کہ ہمارے تمام دانشور اور فرزانہ لوگ

اسکے جادو کے اثر سے دیوانے ہو گئے۔

موئے او گیسوئے مشکینست یا دکانِ عطر　　　شُد پُر از بوئے دلاویزش سر عطارِ ما

اسکے بال خوشبو دار سیاہ گیسو ہیں یا عطر کی دکان ہے کہ اس کی دل آویز خوشبو سے خود مجھ عطر فروش کا سر مہک رہا ہے۔

حُسن خود نگذاشت تا بیند بسوئے ماسوا　　　تا بیاید سوئے ما آن یار خوش رفتار ما

اسکے حسن کو یہ گوارا نہیں تھا کہ کسی اور طرف دیکھے اور وہ خوش رفتار محبوب میری طرف آئے۔ (یعنی خود بینی اور اپنے حسن کے غرور کے سبب کسی کو خاطر میں نہیں لاتا ورنہ شاید میری طرف متوجہ ہوتا) (شانِ بے نیازی کی طرف اشارہ ہے)۔

بسکہ مجمل یک نگاہی سوئے ما ہم کردہ بود　　　گو باستشنا نکردہ رو باستحضار ما

اسنے ایک سرسری نظر ہی مجھ پر ڈالی تھی۔ خصوصی طور پر میری موجودگی پر توجہ نہیں کی تھی۔ (استحضار = حاضری چاہنا۔ یاد۔ بلانا۔)

مختفی درذاتِ او بودیم چوں روغن بشیر　　　سّرِ خود میدید و آمد بر سرِ اسرار ما

ہم اسکی ذات میں اسطرح چھپے تھے جیسے دودھ میں روغن خود اپنے سّر (راز۔بھید) کو دیکھتا تھا اور پھر ہمارے اسرار کو فاش کیا۔ (ہم اس ذات میں اس طرح چھپے تھے جیسے دودھ میں روغن۔ جب اس نے خود کو ظاہر کیا تو ہم بھی ظاہر ہو گئے۔ کیونکہ ہمارا ظہور ہی اسکا ظہور ہے)۔

در ازل چوں برق بگذشت از رہ ملکِ ظہور　　　دید بالا جمال نقد و جنس ایں بازار ما

روز ازل بجلی کی طرح ملکِ ظہور سے گزارا ہوا (یعنی بہت سرعت سے یا آنِ واحد میں ظہور ہوا) اور ہمارے بازار کی اشیاء کو بالا جمال سرسری طور پر دیکھا (یعنی ہمارا وجود بالا جمال (مختصر طور پر) یہاں تھا جس کو اس نے ملاحظہ فرمایا مراد یہ ہے محض لفظ ''کُن'' کہنے سے فوری طور پر کائنات ظہور میں آئی لیکن یہ ظہور خارجی نہیں تھا بلکہ علم الٰہی میں بالا جمال تھا۔ تفصیل ابھی موجود نہیں تھی)۔

بود شاخ و برگ و گل در تخم ذاتش مندرج　　　در تماشائے خودش شد سیرایں گلزار ما

اس تخمِ ذات (بیج) میں شاخیں۔ پتے اور پھول سب چھپے ہوئے تھے۔ خود اپنے مشاہدہ کے لئے اس نے ہمارے باغ کی خود ہی سیر کی (بلکہ خود ہی سیر بنا)۔ (یعنی جس طرح ایک بیج

میں پھول۔پتے۔شاخیں۔غنچہ۔تنا وغیرہ چھپی رہتی ہیں۔ اسی طرح ذات میں تمام کائنات مندمج تھی۔ جب اسے خود اپنی دید کی خواہش ہوئی تو کائنات کو ظاہر کیا اور خود کو اسمیں ملاحظہ فرمایا)۔

بے تعیّن بود کنز مخفی اندر گنج غیب　　　در تعیّن آمد آں گنجینۂ اسرار ما

غیب کے خزانے میں وہ ''کنزِ مخفی'' (چھپا ہوا خزانہ) بغیر تعین کے تھا (جب اسنے ظہور چاہا) تو وہ اسرار کا خزانہ تعینات کی شکل میں ظاہر ہوا۔

جلوۂ نورے نمود و نور احمدؐ نام ساخت　　　پس بود احمدؐ احد از روئے ایں گفتار ما

اپنے نور کا جلوہ اس نے ظاہر کیا اور اس کا نام ''نور احمدؐ'' رکھا۔ پس ہماری اس گفتگو کے مطابق احد اور احمد ایک ہی ہیں۔

از تعیّن اوّل و وحدت بیانے کردہ ام　　　اے نیازؔ آور بگوش این گوہر شہوار ما

۱۲۔ میں نے یہاں ''تعین اول'' اور ''وحدت'' کا بیان کیا ہے۔ اے نیاز ہمارے بادشاہوں کے قابل موتیوں کے متعلق گفتگو کو توجہ سے سن (یعنی ہمارے الفاظ ایسے موتیوں کی طرح ہیں جس کی قدر بادشاہ ہی کرسکتا ہے)۔

تشریح:۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضور قبلہؒ نے مراتب ظہور کے ہر مرتبہ کا ذکر کیا۔ چنانچہ شروع کی دو غزلوں میں خاص طور پر مرتبہ ''احدیت'' کا ذکر ہے جہاں وہ ذات تعینات سے بالاتر ہے۔ اس غزل میں جیسا کہ مقطع میں حضور قبلہؒ نے خود بیان فرمایا ہے کہ ان اشعار میں ''تعین اول'' اور ''وحدت'' کا ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں الفاظ یعنی تعین اول اور وحدت ہم معنی ہیں۔ جسے '' حقیقت محمدیؐ'' کہتے ہیں۔ ہر مرتبہ کے متعدد نام ہیں۔ مراتب ذات کا ذکر مختصراً ہو چکا ہے۔

آخر کے دو اشعار یعنی

بے تعین بود کنز مخفی اندر گنج غیب　　　در تعین آمد آں گنجینہ اسرار ما اور

جلوہ نورے نمود و نور احمدؐ نام ساخت　　　پس بود احمد احد از روئے این گفتار ما

دراصل حقیقت محمدی کے متعلق بہت بلیغ اشعار ہیں۔

اول مرتبہ لاتعین یعنی تعینات سے بالا تر ہے۔ اسکو احدیت یا ھاہوت بھی کہتے ہیں۔ یہاں وہ ذات منزہ عن الصفات۔ بے چون و بے چگون۔ بے رنگ و بے نشان ہے۔

دوسرے مرتبہ کا نام وحدت یا لاہوت ہے۔ یہ مرتبہ ذات کا تعین اول ہے جس کے جہاں دیگر نام ہیں وہاں ایک نام "حقیقت محمدی" بھی ہے۔ اسکو برزخ کبریٰ۔ عقل اول اور ظہور اول بھی کہتے ہیں۔ یہاں وہ ذات صفات کی قید میں آتی ہے۔ مقام لاتعین میں وہ ذات استغراق کلی میں محو تھی لیکن بہر حال ظہور کے لئے مضطرب۔ صفات ذات سے علیحدہ نہیں ہیں۔ اسنے خود اپنے سے یا اپنی صفات سے بقول قرآن پاک "کُن" کہہ کر خطاب کیا تو وہ ظاہر ہو گئیں۔ "فیکون" پس ہو جا۔ یہ تمام صفات یا خود اس کا ظہور پہلے ایک مختصر یا اجمالی شکل میں ہوا۔ ایک ہیولا سا ظاہر ہوا۔ یہ اجمالی ظہور بہت حسین و جمیل تھا کیونکہ وہ خود بہت جمیل ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے "اللہ جمیل ویحب الجمال" (مسلم۔ ترمذی عن ابن مسعود) یعنی اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ اس اجمالی خاکہ کا نام "محمدؐ" رکھا۔ (محمد کے معنی ہیں بے حد تعریف کیا گیا)۔ اس اجمال میں تمام کائنات پوشیدہ تھی۔ جیسے تخم میں پورا درخت موجود ہوتا ہے۔ بعد میں اس اجمال کی تفصیل "اعیان ثابتہ" کہلائی جو اسکا "تعین ثانی" ہے۔ یہ تمام تفصیل علم الٰہی میں موجود تھی۔ اسکو خارجی وجود نہیں عطا ہوا تھا۔ اسی علم الٰہی کے مطابق کائنات کا ظہور ہوا۔ مختصر طور پر یہ ذکر کیا گیا ورنہ تفصیل کیلئے کئی صفحات درکار ہیں۔

اب ان اشعار پر اس روشنی میں غور کیا جائے تو پہلے شعر میں یعنی "بے تعین بود" کا یہی مطلب ہے کہ پہلے وہ مرتبہ لاتعین میں تھا۔ دوسرے شعر میں گویا ظہور کے بعد اس کا پہلا تعین "محمدؐ" ہوا۔ اسی لئے آپ فرماتے ہیں "پس بود احمد احد" یعنی احد ہی احمدؐ ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث بیان کی جاتی ہے۔ "انا احمد' بلا میم" یعنی میں بلا میم کا احمد یعنی احد ہوں۔ جاننا چاہیئے کہ یہ حدیث "انا احمد' بلا میم" کسی مروجہ حدیث کی کتاب میں نہیں ہے۔ اسی لئے علماء اسے تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن صوفیائے کرام نے اسکے حوالے دیئے ہیں۔ اگر ایسا نہ بھی ہو تو معنوی طور سے دیگر احادیث اور بزرگانِ دین کے اقوال سے اسکی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ اسی مضمون کو آپ نے نعت کے اس شعر میں بیان کیا ہے:

حق اندر شان تشبیہی محمد نام خود خواندہ   محمدؐ غیر حق نبود بحکم ذوق عرفانی

(یعنی حق نے شان تشبیہ میں اپنا نام محمدؐ رکھا۔ اگر ذوق عرفانی ہے تو محمدؐ غیر حق نہیں ہیں)

نعت

دلا خاک رہ کوئے محمدؐ شو محمدؐ شو　　　زہر سوئے بیا سوئے محمدؐ شو محمدؐ شو

اے دل محمدؐ کے کوچہ کی خاک ہو جا۔ محمدؐ کے کوچہ کی خاک ہو جا۔ ہر سمت سے محمدؐ کی جانب آ۔ محمدؐ کی جانب آ۔

بہردم سجدۂ جاں سوئے ابروئے محمدؐ کن　　　بروئے قبلۂ روئے محمدؐ شو محمدؐ شو

ہر دم جان کا سجدہ محمدؐ کے ابرو کی طرف کر۔ اپنے قبلہ کا رخ محمدؐ کے چہرہ کی طرف کر۔ محمدؐ کے چہرہ کی طرف کر۔

تجرد پیشہ گیراز قیدِ عالم وارہاں خودرا　　　اسیر حلقۂ موئے محمدؐ شو محمدؐ شو

خلوت کو اپنا شعار بنا اور اپنے کو اس دنیا کی قید سے رہا کر دے اور محمدؐ کی زلفوں کا اسیر ہو جا۔ محمدؐ کی زلفوں کا اسیر ہو جا۔

باخلاق الٰہی متصف بودن اگر خواہی　　　سراپا سیرت و خوئے محمدؐ شو محمدؐ شو

اگر اپنے کو اخلاقِ الٰہی سے آراستہ کرنا چاہتا ہے تو مجسم محمدؐ کی سیرت اور کردار ہو جا۔ محمدؐ کی سیرت اور کردار ہو جا۔

(ارشاد ہے "تخلقو با خلاق اللہ" یعنی اپنے کو اخلاقِ الٰہی سے آراستہ کر۔ خداوند تعالٰی کی کوئی مادی صورت نہیں ہے۔ نہ اپنے بندوں سے اس کو اس قسم کا تعلق ہے کہ اخلاق و کردار کا مظاہرہ ہو سکے۔ اخلاق الٰہی دراصل اخلاق محمدیؐ کا نام ہے)۔

بکن خالی مشام از بوئے گلہائے جہاں ایدل　　　بیا دلدادہ بوئے محمدؐ شو محمدؐ شو

اے دل دنیاوی پھولوں کی خوشبو سے اپنی قوت شامہ (سونگھنے کی قوت) کو خالی کر۔ آ اور محمدؐ کی خوشبو کا دلدادہ ہو۔ محمدؐ کی خوشبو کا دلدادہ ہو۔

نیاز اندر دلت گر مہر عرفانِ خدا باشد　　　فدائے شانِ دلجوئے محمدؐ شو محمدؐ شو

نیاز اگر تیرے دل میں اللہ کے عرفان کی خواہش ہے تو محمدؐ کی دلکش شان پر فدا ہو جا۔ محمدؐ کی دلکش شان پر فدا ہو جا۔

(اس نعت کی خصوصی صفت اس کی ردیف "محمدؐ شو محمدؐ شو" (یعنی محمدؐ ہو جا محمدؐ ہو جا) کی

تکرار ہے۔ جو اہلِ دل حضرات کے لئے خصوصی دلچسپی کا باعث ہے۔ پہلی مرتبہ ''محمدؐ شو'' کسی صفت کی اضافت کے ساتھ موصوف ہے۔ مثلاً سوئے محمدؐ۔ کوئے محمدؐ۔ روئے محمدؐ۔ موئے محمدؐ وغیرہ۔ لیکن دوسری مرتبہ ''محمدؐ شو'' (محمدؐ ہو جا) خاص توجہ کا مستحق ہے۔ میں نے ترجمہ میں پہلا فقرہ ہی دہرا دیا ہے حالانکہ دوسری مرتبہ ''محمدؐ شو'' کا اس صفت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثلاً مطلع کا ترجمہ ہونا چاہیئے تھا ''محمدؐ کی جانب آ۔ محمدؐ ہو جا'' یا ''محمدؐ کی زلفوں کا اسیر ہو جا۔ محمدؐ ہو جا''۔ اس ردیف میں یہ لچک ہے کہ دونوں معنی پیدا ہوتے ہیں۔ ''محمدؐ شو'' یعنی ''محمدؐ ہو جا'' فنائیت فی الرسول کی طرف اشارہ ہے۔

مراتبِ ذات پر نظر ڈالیں تو آخری اور جامع مرتبہ حضرت انسان کا ہے۔ آخری لباس، آخری تجلی کو ''انسان کامل'' کہتے ہیں۔ وہ اپنے بطون وظہور سے تمام مراتب الٰھیہ وکونیہ کا حامل ہے۔ جمیع اسرارِ الٰھیہ حضرت انسان میں ملتے ہیں۔ ھو الاول والآخر و الظاہر و الباطن۔ انسان کامل بالذات اور بالاصل حضرت ختمی مرتبت ﷺ ہیں اور انہیں کے فیض سے ان کے ماتحت انبیاء اور پھر آپؐ کی امت کے اولیا اور صالحین ہیں۔

حقیقت محمدیؐ مراتب الوہیت و رسالت کی جامع ہے اور نورِ محمدیؐ تمام کائنات کی اصل ہے۔ کائنات کی ہر شے اپنی اصل نور محمدیؐ تک پہنچ سکتی ہے اور وصال حق کی یہی صورت ہے۔ ورنہ ذات میں فنائیت محال ہے۔ صاحب ایمان وعرفان کا محور عشق اور منزل مقصود سب کچھ نور محمدیؐ ہے۔ وصال محمدیؐ ہی دراصل فنائیت فی الحق ہے۔

اس نعت میں ''محمدؐ شو'' کی تکرار انہیں مقامات کی نشان دہی کرتی ہے۔ اس کی معنویت اور لطافت اہلِ نظر اور اہلِ دل حضرات کیلئے بڑی ہی کیف آور ہے)۔

یہ نعت ''شغل درود'' کی طرف بھی اشارہ ہے۔ جو تقریباً طریقت کے ہر سلسلہ میں کسی نہ کسی صورت میں رائج ہے۔

نعت

زہے عزوعلائے منتہائے اوجِ انسانی　　　نبیؐ یثربی و مہبط تنزیل فرقانی

مرحبا اس انتہائی معزز اور عالی مرتبت پر جو عروجِ انسانی کی انتہائی بلندی پر ہے یعنی وہ یثرب والے نبی جن پر قرآن نازل ہوا۔ (مہبط = اترنے کی جگہ)

امیرِ عالم امرے شہِ معمورہ خلقے　　　ادیب علوی وسفلی رسولؐ انسی و جانی

عالم امر کے حاکم اور عالم خلق کے بادشاہ۔ اعلیٰ اور ادنیٰ کے اتالیق (سبق دینے والے)۔ جن و انس کے رسول۔

(معمورہ = آبادی۔ بستی + علوی = فرشتہ۔ اعلیٰ درجہ کا + سفلی = پست۔ نیچے درجے کا)

(عالم خلق وہ مادّی عالم ہے جو ہمیں نظر آتا ہے۔ عالم امر وہ ہے جو آنکھوں سے اوجھل ہے۔ مراد ہے دونوں عالم یا پوری کائنات)

ظہور کامل ذات و صفات حضرت یزداں　　　حبیبیؐ سیدیؐ محبوبؐ خاص الخاص ربانی

حق کی ذات و صفات کے مظہر کامل حبیبی سیدی خاص الخاص محبوب حق تعالیٰ۔

رحیمی رحمۃ للعالمینی شافع خلقی　　　کریمی اکرم الخلقی سراپا فیض رحمانی

رحیم، رحمۃ اللعالمین شافع امت۔ کریم۔ خلق میں سب سے زیادہ مکرم سراپا فیض حق۔

درخشاں آفتاب آسمانِ حُسنِ محبوبی　　　چو شمعِ صبح در بزمش نماید ماہ کنعانی

حسن محبوبی کے آسمان کے درخشاں آفتاب جن کے بزم کی صبح کی شمع ماہِ کنعان نظر آتی ہے (ماہ کنعان سے مراد حضرت یوسفؑ بھی ہیں جن کا حسن مشہور ہے)۔ (صبح کی شمع بجھنے کے قریب ہوتی ہے اسلئے اسکی روشنی کم ہوتی ہے لیکن آپؐ کی بزم میں وہ بھی چاند سے زیادہ روشن ہے)۔

شبستانِ جہاں روشن ز نور ماہ روئے او　　　ز تاب شعلۂ حسنش کند خورشید رخشانی

دنیا کی حرم سرا ان کے چاند جیسے چہرہ کی روشنی سے منور ہے۔ ان کے حسن کے شعلہ کی چمک سے آفتاب روشنی پھیلاتا ہے۔ (آفتاب ان کے شعلۂ حسن سے روشن ہے)

کند در یک نگہہ واجب نما آئینۂ دل را　　　بیک چشمک ز واید از رخش زنگار امکانی

ایک نگاہ میں دل کے آئینہ کو اس قابل بنا دیتے ہیں کہ واجب اس میں نظر آئے ایک نگاہ سے

اس کے چہرہ سے امکان کا میل دور کر دیتے ہیں۔

(واجب : جو اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہ ہو۔یعنی حق

امکان : جو وجود میں دوسرے یعنی حق کا محتاج ہو۔حق تعالٰی واجب الوجود ہے اور مخلوق ممکن الوجود)

حق اندر شان تشبیہی محمدؐ نام خود خوانده   محمدؐ غیرِ حق نبود بحکم ذوق عرفانی

حق نے شان تشبیہی جب اختیار کی تو اپنا نام محمدؐ رکھا۔ اگر معرفت الٰہی کا صحیح ذوق ہو تو محمدؐ ہرگز غیرحق نہیں ہیں۔

(یہ شعر ''حقیقت محمدیؐ'' کی طرف واضح اشارہ ہے۔ اسی مضمون کا شعر آپ کا یہ بھی ہے۔

جلوۂ نورے نمود و نور احمدؐ نام ساخت   پس بود احمدؐ احد از روئے ایں گفتار ما

اس شعر کی تشریح میں ''حقیقت محمدیؐ'' کے متعلق کچھ اشارات ہیں۔

ملاحظہ ہو صفحہ ۴۹)

حقیقت محمدیؐ کا کچھ ذکر پچھلی نعت میں بھی کیا گیا ہے جس کا مطلع ہے ۵۱-۵۲

ولا خاک رہ کوئے محمدؐ شو محمدؐ شو   ز ہر سو نے بیا سوئے محمدؐ شو محمدؐ شو (صفحہ ▬)

ان دونوں تشریحات کو دیکھ لیا جائے۔ تکرار باعث طوالت ہوگی۔ اس کو سمجھنے کے لیے تنزیہہ اور تشبیہ کے فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ بہرحال یہ جان لینا چاہیئے کہ آپ کی دو جہتیں ہیں۔ جیسے سکہ کے دو رخ ہوتے ہیں۔ ایک جہت حقیقت سے متعلق ہے۔ دوسری جہت بشریت سے۔ آپؐ کی دونوں جہات کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ جس نے ایک جہت پر نظر کی اور دوسری جہت کو نہ پہچانا۔ اس نے گویا آپؐ کو نہیں دیکھا۔ جملہ اسماء وصفات ایک جامع اسم یعنی اسم اللہ میں مجتمع ہو کر صورت بشری میں ظاہر ہوتے ہیں اور جو دیکھنے والے ہیں انہیں موقع ملتا ہے کہ اسم اللہ کی صورت ظاہری کو وہ دیکھیں۔ بعض لوگوں کا یہ اعتراض ہے کہ وحدت الوجود کو ماننے والے ''محمدؐ'' کو اللہ مانتے ہیں۔ مگر ایسے لوگ صحیح معنوں میں نہ وحدت الوجود کو جانتے ہیں نہ ان کو حقیقت محمدیؐ کا صحیح ادراک ہے۔ حق تعالٰی کا سب سے پہلا تعین حقیقت محمدیؐ ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے'' اول ما خلق اللہ نوری''۔ یعنی پہلی چیز جو اللہ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے۔ نیز فرمایا ''میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے''۔ آپ کل موجودات سے

اسبق اور کل مخلوقات سے اکمل ہیں۔ بلحاظ تخلیق کے آپ اول اور بلحاظ ظہور کے آپ آخر ہیں۔ بلحاظ حقیقت آپ خلق اول۔ تعین اول۔ برزخ کبریٰ اور رابطہ بین الظہور و بطون ہیں۔

صوفی شعرا کے بہت اشعار اس مضمون کے ملیں گے۔ یہاں ان کو نقل کرنا ممکن نہیں۔

چہ وسعت دادۂ یا رب بظرف آں عظیم الشان　　　که انی عبدهٗ گوید بجاے قولِ سُبحانی

یا اللہ تو نے اس عظیم الشان ہستی کو کتنا وسیع ظرف دیا ہے کہ بجائے اپنے کو سبحان کہنے کے وہ انی عبدہٗ (میں بندہ ہوں) کہتا ہے۔

اس شعر کی تشریح مولانا و مرشدنا حضرت تاج الاولیا شاہ نظام الدین حسینیؒ نے اپنے غیر مطبوعہ رسالہ ''مرأۃ الحقیقت'' میں کی ہے۔ اس کا خلاصہ لکھ دینا کافی ہے۔ حضرت تاج الاولیاء حضرت شاہ نیازؒ کے خلف اکبر اور جانشین تھے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

(خلاصہ): نور محمدی اور حقیقت محمدیؐ کا محل ظہور مرتبہ وحدت (لاہوت) ہے جو مرتبہ اجمال ہے۔ اس کے بعد مرتبہ جبروت یا واحدیت ہے جو مرتبہ تفصیل ہے۔ عارفین جب مقام جبروت یا واحدیت تک پہنچتے ہیں تو اپنے کو اس میں فانی اور مستہلک پاتے ہیں۔ عام سالکین کا اتنا ظرف نہیں ہوتا۔ یہی انکا انتہائی مقام ترقی ہے اور اس مقام پر کلمات الٰھیہ مثل انی انا اللہ ان سے سرزد ہوتے ہیں۔ لیکن یہ مقام واحدیت حقیقت محمدی کیلئے تنزل کا مرتبہ ہے اس لئے آپ یہاں ''انی عبدہٗ'' فرماتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اسم اللہ کے لئے دوام و ثبات لازم ہے جبکہ لفظ ''عبداللہ'' کے لئے فنا اور استہلاک ضروری ہے۔ عارفین ہر جگہ ''عبداللہ'' سے یہی مراد لیتے ہیں۔ اس طرح ''انی عبدہٗ'' کا مطلب یہ ہوا کہ ''میں ذات میں فانی اور مستہلک ہوں''۔ اور ذات کے لئے الوھیت کا دعویٰ نہ ضروری ہے اور نہ اس کے لئے باعث فخر کیونکہ ذات اس سے مستغنیٰ ہے۔ وہ اگر اس کا اعلان کرتا ہے تو محض اظہار اور اطلاع کیلئے''۔

نیازؔ اندر دلت گر برزخِ کبراش جا گیرد　　　نہ بینی تا ابد روئے پریشانی و حیرانی

نیازؔ اگر تیرے دل میں وہ برزخ کبریٰ (یعنی حضور ختمی مرتبتؐ) جگہ کر لیتا ہے تو تا ابد کوئی پریشانی اور حیرانی تجھے نہیں ہو گی۔

برزخ کبریٰ حقیقت محمدیؐ کا دوسرا نام ہے۔ برزخ ایسے پردہ کو کہتے ہیں جو دو

چیزوں کے درمیان اسطرح ہو کہ اسکا ایک رخ ایک جہت سے وابستہ ہو اور دوسرا رخ دوسری جہت سے۔ جیسے دو کمروں کے بیچ کی دیوار۔ حقیقت محمدی ایسا نقطہ ہے جو ظہور و بطون حق و خلق کے درمیان حد فاصل بھی ہے اور حد واصل بھی۔ اسکو قاب قوسین بھی کہتے ہیں۔ اسکی ایک جہت احدیت سے واصل ہے اور دوسری واحدیت سے جو عالم کثرت ہے۔ ایک طرف تنزیہہ کی بے رنگی ہے تو دوسری طرف تشبیہہ کی رنگا رنگی۔ یہی مرتبہ وحدت ہے۔ یہ دونوں جہتیں صرف اسی ایک نقطہ یعنی حقیقت محمدی پر مل سکتی ہیں۔ اسی لئے اسے برزخ کبریٰ کہتے ہیں۔

منقبت

امیرالمومنین صدیق اکبرؓ امام المسلمین صدیق اکبرؓ

مومنوں کے امیر صدیق اکبرؓ (حضرت ابو بکر صدیقؓ جو خلیفہ اول تھے) مسلمانوں کے امام صدیق اکبرؓ۔

رئیس العاشقیں صدیق اکبرؓ انیس العارفیں صدیق اکبرؓ

عاشقوں کے رئیس صدیق اکبرؓ۔ عارفوں کے انیس صدیق اکبرؓ۔

رفیقِ مصطفیٰ در غار تاریک نبودہ غیرایں صدیق اکبرؓ

اس تاریک غار (غار ثور) میں حضور سید المرسلین ﷺ کا ساتھی سوائے حضرت صدیق اکبرؓ کے کوئی دوسرا نہیں تھا۔

(کفار کے مظالم سے تنگ آ کر حضورؐ نے جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کا قصد کیا تو آپؐ نے غار ثور میں کچھ دن پناہ لی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ حضورؐ کے ساتھ تھے)۔

نثار ما حضر بر مصطفیٰ کرد برائے کاردیں صدیق اکبرؓ

دین کی خدمت کے لئے حضرت ابو بکرؓ نے حضور پاکؐ کے ارشاد پر اپنا کل اثاثہ حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

(حضورؐ کی فہمائش پر غزوات کے اخراجات کے لئے تمام صحابہ کرام نے حضورؐ کی خدمت میں جس سے جو کچھ ہو سکا، پیش کر دیا۔ حضورؐ نے جب حضرت ابو بکرؓ سے پوچھا کہ اے ابو بکرؓ تم نے گھر میں کیا چھوڑا۔ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا صرف اللہ اور اس کا رسول۔ یعنی

آپ نے اپنا کُل اثاثہ حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ایک تنکا بھی اپنے لئے نہیں رکھا)۔

مبیں اندر کمالات نبوّت زامت بہتریں صدیق اکبرؓ

کمالات نبوّت آپ میں روشن تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ امت میں صدیق اکبرؓ سب سے بہتر تھے۔

نبیؐ را دادحق تسکیں بمعراج بآواز ہمیں صدیق اکبرؓ

حق تعالیٰ نے معراج کے موقعہ پر حضور نبی کریمؐ کو تسکین دی لیکن صدیق اکبرؓ ہی کی آواز میں (یہ تسکین تھی)۔

امام ہرکہ و مہ از صحابہؓ کہ شدای دل جزایں صدیق اکبرؓ

صحابہ کرامؓ میں سے ہر شخص کا امام بجز صدیق اکبرؓ دوسرا کوئی نہیں تھا۔

باجماع صحابہؓ شد مقرر نبیؐ را جانشیں صدیق اکبرؓ

تمام صحابہ کرامؓ کے اجماع سے حضرت صدیق اکبرؓ حضور نبی کریمؐ کے جانشین مقرر ہوئے۔

نیاز از بہرِ آں مداحش آمد کہ بودہ ست ایں چنیں صدیق اکبرؓ

نیاز نے ان کی تعریف میں یہ سب کچھ لکھا کیونکہ حضرت صدیق اکبرؓ حقیقت میں اسی قدر تعریف کے قابل تھے۔

منقبت

حضرت علیؓ

زہے عزّ وجلال بوتراب فخر انسانے علیؓ مرتضیٰ مشکلکشائے شیر یزدانے

فخر انسان حضرت بوتراب کرم اللہ وجہہ کی شان و شوکت کیا بیان کی جائے جن کا نام علی مرتضیٰ ہے۔ جو مشکل کشا اور شیرِ خدا کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔

ولی حق وصی مصطفیٰؐ دریائے فیضانے امام دو جہانے قبلۂ دینے و ایمانے

جو ولی حق وصی رسولؐ اور فیض کا ایک دریا ہیں۔ جو دونوں جہاں کے امام اور دین و ایمان کے قبلہ ہیں۔

(ولی: دوست۔ خدا کا مقرب وصی: نصیحت کرنے والا۔ سربراہ کار)

امیرِ کشور فقرے شہہ اقلیم عرفانے   خداگوئے خدادانے خدا بینے خدا شانے

فقر کی دنیا کے امیر۔عرفان کی سلطنت کے بادشاہ۔ خدا کا نام لینے والے۔ خدا کی حقیقت کو سمجھنے والے۔ خدا کو دیکھنے والے۔ خدا کی شان رکھنے والے۔

انیس محفل انسی جلیس مجلس قدسی   سرور جانِ خاصانے نشاط روح پاکانے

انسانوں کی محفل کے دوست۔ فرشتوں کی مجلس کے ساتھی۔ خاصان خدا کی جانوں کی خوشی۔ پاک لوگوں کی روح کی مسرت۔

مہِ ظلمت کشائے مشعل تاریکئ عالم   سراپا جلوۂ نورے تمامی مہر تابانے

تاریکیوں کو دور کرنے والے مہتاب۔ دنیا کے اندھیروں کو دور کرنے والی مشعل۔ سراپا مکمل جلوۂ نور۔ درخشاں آفتاب۔

براہ حق نمائی نا قہائے کاروانش را   نباشد جز ہدا اے او کسی دیگر حدی خوانے

ان کے کارواں کے اونٹ صحیح اور حق کے راستہ پر چلتے ہیں۔ قافلہ کے حدی خوانوں میں سوائے ان کی ہدایتوں کے کچھ اور نہیں ہوتا۔

پیمبر برسر منبر نشست د خواند مولایش   کہ تا مولائیش راباشد اندر خلق برہانے

حضور سید الکونین ﷺ نے منبر پر بیٹھ کر ان کو ''مولا'' کہا تا کہ ان کی ''مولائیت'' دنیا کے لئے دلیل رہے۔

(حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ''۔ یعنی میں جس کا ''مولا'' ہوں علی اس کے ''مولا'' ہیں۔ یہ آپؐ نے خطبہ میں منبر پر بیٹھ کر فرمایا تھا۔ جس کے بعد تمام صحابہ کرام نے حضرت علی کو مبارکباد دی تھی۔ جن میں حضرات شیخینؓ۔ حضرت عثمان غنیؓ اور تمام معزز صحابہ کرام بھی شامل تھے۔ یہ حدیث صوفیائے کرام کے نزدیک سند ہے جس سے حضرت علیؓ جانشینِ رسول قرار پاتے ہیں۔ خلافت کے لئے صوفیا کا عقیدہ یہ ہے کہ ظاہری خلافت بالترتیب اسی طرح ہے جیسی کہ سمجھی جاتی ہے یعنی بالترتیب حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ حضرت عمر فاروقؓ۔ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ۔ لیکن باطنی خلافت یعنی ولایت کی جانشینی متفقہ طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عطا ہوئی۔ اسی لئے طریقت کے تمام سلسلے حضرت علیؓ سے شروع ہوتے ہیں۔ اس کی مختصر بحث حضرت امام حسین کی منقبت میں کی جا چکی ہے، جس کا مطلع ہے۔

اے دل بگیر دامن سلطان اولیا　　　یعنی حسین ابن علی جان اولیا

وہیں دیکھ لیا جائے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۵۹)

عجب نبود بہار بے خزاں باغ محباں را　　　کہ میبارد بروہر لحظہ ابر فیض و احسانے

کوئی تعجب کی بات نہیں اگر محبانِ علی کے باغوں میں ایسی بہار ہو جس میں کبھی خزاں نہ ہو کیونکہ ان پر ہمیشہ ہر لحظہ فیض و احسان کے ابر سے بارش ہوتی رہتی ہے۔

نیاز اندر قیامت بیسروساماں نخواہی شد　　　کہ از حُب وتولّائے علی داری تو سامانے

نیاز قیامت کے دن کبھی بے سرو سامان نہیں ہوگا کیونکہ اس کے پاس سب سے بڑی دولت حضرت علیؓ کی الفت و محبت ہے۔

منقبت

(سید الشہداء سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ)

ای دل بگیر دامنِ سلطانِ اولیا　　　یعنی حسینؓ ابن علیؓ جانِ اولیا

اے دل سلطانِ اولیا (ولیوں کے بادشاہ) یعنی حسینؓ ابن علیؓ کا دامن تھام لے جو اولیا کی جان ہیں۔

ذوقے دگر بجام شہادت ازورسید　　　شوقے دگر بمستی عرفانِ اولیا

ان کے جام شہادت سے ایک اور ہی ذوق ہم تک پہنچا۔ اسی طرح اولیا کے عرفان کی مستی سے ہم نے ایک نیا شوق پایا (شہادت کو ایک طرف ان کی ذات سے ایک ذوق نصیب ہوا تو دوسری طرف اسی طرح اولیا کے عرفان کی مستی کو شوق حاصل ہوا)۔

چون صاحبِ مقام نبیؐ و علیست او　　　ہم فخرِ انبیا شُد و ہم شانِ اولیا

کیونکہ آپ مقام نبیؐ اور مقام علیؓ کے مالک ہیں۔ اسلئے آپ انبیاء کے لیے بھی باعث فخر ہیں اور اولیا میں بھی ایک (ممتاز) شان رکھتے ہیں۔

(حضرت امام حسینؓ نبی نہیں ہیں مگر جانشین رسول ﷺ ضرور ہیں۔ اسلئے انبیاء کے نزدیک بھی آپ کا ایک خاص مقام ہے۔ مقام نبی سے مراد نبوّت اور مقام علی سے مراد ولایت ہے۔ جانشین رسولؐ آپ اس طرح ہیں کہ نبوّت کی دو جہتیں ہوتی ہیں۔ ایک نبوّت دوسری ولایت۔ نبوّت چونکہ حضور ختمی مرتبت ﷺ پر ختم ہوگئی۔ اس لیے نبی تو اب ہو نہیں سکتا۔ لیکن حضور کی

ولایت باقی رہی ۔ نبوّت کا تقاضہ بُعد اور دوری ہے کیونکہ اشاعت دین کے لئے اسے جہد مسلسل کرنی پڑتی ہے۔ ولایت قرب و وصل کا نام ہے۔ ہر نبی لازماً ولی بھی ہوتا ہے۔ جبکہ ولی نبی نہیں ہوسکتا کیونکہ نبوّت من اللہ ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے۔ لیکن ولایت بندوں کو ریاضت اور مجاہدات کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ نبوّت کی جہت سے آپ کے جانشین خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بالترتیب ہوئے لیکن مرتبہ ولایت کے جانشین بحکم خداوندی حضرت علیؓ ہوئے۔ جن کے بعد ان کے جانشین حضرت امام حسینؓ مقرر ہوئے اور پھر یہ سلسلہ ولایت آج تک جاری ہے۔ اس بیان سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ خلفائے راشدینؓ کو ولایت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ حضرات تمام اولیاء اللہ سے افضل تھے۔ انتظام و انصرام مملکت کے لئے یہ جہت ضروری تھی لیکن کوئی کتنی ہی ترقی کر جائے وہ صحابہ کرام کی گردتک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس طرح حضرت امام حسینؓ جانشین رسول اور انبیاء کے لئے باعث فخر تھے۔

آئینہ جمالِ الٰہی ست صورتش — زانروشدہ است قبلۂ ایمانِ اولیا

ان کی صورت جمال الٰہی کا آئینہ ہے۔ اس وجہ سے وہ چہرہ اولیاء اللہ کے ایمان کا قبلہ ہے۔

تاکرد صرف حق سروسامان ہستیش — گوے سبق ربودہ زمیدانِ اولیا

چونکہ آپ نے اپنی ہستی کا سارا سروسامان یعنی خود اپنا وجود حق کی راہ پر خرچ کردیا اس لئے اولیا کے میدان میں اپنی گیند سب سے آگے لے گئے۔

روئے نکوش مطلعِ صبحِ سعادتست — سیمای اوست شمعِ شبستانِ اولیا

آپ کا خوبصورت چہرہ صبح سعادت کا مطلع ہے اور آپ کی پیشانی شبستانِ اولیا کی شمع ہے (مطلع یعنی طلوع ہونے کی جگہ۔ گویا چہرہ نیکیوں اور اقبالمندی کا عنوان ہے اور اولیاء کی محفل میں آپ شمع کی طرح روشنی بخش رہے ہیں)۔

دارد نیاز حشرِ خود امید با حسینؓ — با اولیا ست حشرِ محبانِ اولیا

نیاز کو امید ہے کہ اس کا حشر حسینؓ کے ساتھ ہوگا کیونکہ جو لوگ اولیاء اللہ سے محبت کرتے ہیں ان کا حشر بھی انہیں کے ساتھ ہوتا ہے۔

(حدیث شریف ہے ’’جو جس کے ساتھ محبت کرے گا وہ حشر میں اس کے ساتھ ہوگا‘‘)

منقبت

حضرت غوث الاعظمؒ

بدہ دستِ یقیں ای دل بدست شاہ جیلانیؒ — کہ دستِ او بود اندر حقیقت دستِ یزدانی

اے دل اپنا دستِ یقیں حضرت شاہ جیلانیؒ کے ہاتھ میں دے دے کہ ان کا ہاتھ دراصل خدا کا ہاتھ ہے۔(حدیث قرب نوافل کی رو سے بندۂ مقرب کی ہر چیز اللہ کی ہوجاتی ہے۔ ہاتھ پیر آنکھ کان غرض انسان مکمل طور پر ہر حرکت کے ساتھ اس کا ہوجاتا ہے۔ حدیث قرب نوافل یہ ہے ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندہ ہمیشہ مجھ سے قرب چاہتا ہے بذریعہ نوافل کے یہاں تک کہ میں اسے دوست بنالیتا ہوں تو میں اس کی سماعت ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ بصارت ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ ہاتھ جس سے وہ پکڑتا ہے۔ زبان جس سے وہ بولتا ہے۔ پاؤں جس سے وہ چلتا ہے...... الخ اس طرح حضور غوث پاک کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے کیونکہ وہ مقربین میں شامل ہیں۔ عام بیعت میں بھی مرشد کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ بیعت کا سلسلہ زنجیر کی طرح ہوتا ہے۔ نیچے کا سرا اگر پکڑا جائے تو وہ ایک دوسرے سے پیوست ہوکر آخر تک پہنچ جاتا ہے۔

امیرے دستگیرے غوث اعظم قطب ربانی — حبیبے سیّدِ عالم زہے محبوب سُبحانیؒ

امیر (سردار) دستگیر (مدد کرنے والے) غوث اعظم قطب ربانی۔ حضور سید الکونین ﷺ کے پیارے۔ اللہ کے محبوب۔

نشانِ شانِ بیچونی بیانِ سِرِّ مکنونی — بسیرت مثلِ پیغمبر بہ صورت مرتضیٰ ثانی

شان بے چونی کے نشان۔ اسرار باطن کے افشا کرنے والے۔ جو سیرت میں حضور سرور کونینؐ کی طرح اور صورت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مثل ہیں۔

(شان بے چونی حق تعالیٰ کا مقام احدیت ہے جہاں وہ بے نام ونشان۔ بے چون و بے چگون ہے۔ کائنات میں اس کا ظہور مختلف صورتوں میں ہوتا ہے۔ حضور غوث پاک گویا اس لاتعین کا ایک تعین ہے)۔

سراپا جلوۂ حسنے تمامی مہر تابانے — کند یعقوبیش گر باشد اینجا ماہ کنعانی

حسن کا جلوۂ مجسم۔ آفتاب عالمتاب۔ اگر ماہِ کنعان (حضرت یوسف) بھی ہوتے تو ان سے

(ان کا حسن دیکھ کر) عشق کرنے لگتے۔

(یعقوبی کردن: عشق کرنا) (یعقوبؑ اور یوسفؑ میں خاص مناسبت بھی ہے)

زپائے پاک او فخریست دوش پاکباز انرا   حیاتے تازۂ بگرفت از و دینِ مسلمانی

ان کے مقدس پیر پاکبازوں (اولیا) کے کندھوں کیلئے باعثِ فخر ہیں۔ دین اسلام کو آپ سے ایک نئی زندگی ملی ہے۔

(اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے۔ جس میں غیبی اشارہ تھا کہ آپ کا قدم تمام اولیاء اللہ کے دوش پر ہے۔ تمام اولیاء اللہ نے اپنے سر کو اس قول پر خم کر دیا)۔

شبِ بخت سیہ را ذرّۂ مہرش کند صبحے   فروز دلمعۂ لطفش رُخِ شام غریبانی

تاریک اور سیاہ قسمت کی راتوں کو اس سورج کے ایک ذرہ سے صبح نصیب ہو جاتی ہے۔ مفلسی کی شام کے چہرہ کو ان کی مہربانی کی چمک روشن کر دیتی ہے۔

بخشند ازرہ فیاضی ادنیٰ بینوائے را   گدایان درش دیہیم شاہی تخت سلطانی

اپنی سخاوت سے ایک ادنیٰ بےنوا کو بخشش سے نوازتے ہیں۔ اپنے در کے گداؤں کو شاہی اور تختِ شاہی عطا کر دیتے ہیں۔ (یا ان کے در کے گدا لوگوں کو شاہی اور تخت شاہی عطا کر دیتے ہیں)

ملائک طرّقو گویا روند اندر رکاب او   جلوداری کنند اُو را خواص انسی و جانی

فرشتے آپ کی سواری کے ساتھ ہٹ جاؤ ہٹ جاؤ کہتے ہوئے چلتے ہیں اور خواص آپ کی رکاب تھام کر چلتے ہیں۔

(طرّقو: چوبدار کی آواز۔ ہٹو بچو یا ہٹ جاؤ۔

جلودار: گھوڑا تھامنے والا۔ سائیس)

نیاز اندر جناب پاک او از قدسیاں باید   کہ آید جبرئیل از بہر کاروبار دربانی

نیاز آپ (یعنی غوث پاکؓ) کی خدمت اقدس میں فرشتے حاضری دیتے ہیں اور جبریل آپ کی دربانی کے لئے آتے ہیں۔

ملائکہ کی نمائندگی ''جبریل'' کر رہے ہیں جو ملائکہ میں سب سے افضل ہیں اور ''انسان کامل'' کی نمائندگی حضور غوث پاکؓ۔ اس شعر میں جو حقیقت بیان کی گئی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان فضیلت میں ملائکہ سے برتر ہے۔ جب ہم انسان کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد انسان کامل ہوتا ہے۔ انسان کامل بالذات ایک ہی ذات ہے اور وہ ہے حضور سیّد

کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی پاک۔ بالعرض وہ حضرات ہیں جو خدا رسی کے منازل زیر پر تو محمدیؐ طے کر کے فنا اور بقا کی منزل پر پہنچتے ہیں جنہیں اولیاء اللہ کہتے ہیں۔ جنہیں قرآن پاک نے انعام یافتہ لوگوں میں شمار کیا ہے۔ باکمال انسانیت کے انتہائی مقام پر وہی پہنچ سکتا ہے جو خلیفۃ اللہ ہونے کی اہلیت رکھتا ہے جو حدیث قرب نوافل کا مظہر ہو جس کی رو سے اس کا ہاتھ اس کا پاؤں۔ اس کی سماعت۔ بصارت کلام سب اللہ کا ہو جاتا ہے۔ اس طرح خدا انسان کامل میں تمام اسماء و صفات کی جلوہ گری فرماتا ہے اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ حضور غوث پاکؒ کا شمار ''انسان کامل'' میں ہوتا ہے۔ آپ عام انسانوں سے یقیناً بلند سطح پر تھے بلکہ اولیاء اللہ میں بھی آپ کا مقام منفرد ہے۔

انسان سے مراد دراصل حقیقت انسانیہ ہوتی ہے اور حقیقت انسانیہ پر تو ہے حقیقت محمدیؐ کا۔ حقیقت انسانیہ اور حقیقت محمدیؐ کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے چند سطریں کافی نہیں ہوسکتیں۔ ایک مبسوط مضمون کی ضرورت ہے۔

شعر ۸ میں ملائکہ کی چوبداری اور شعر ۹ میں جبرئیل کی دربانی کا ذکر محض انسان کی ملائکہ پر برتری ظاہر کرنے کا ایک شاعرانہ انداز ہے۔ حضرت علی احمد صابر کلیریؒ کا ایک شعر ہے۔

امروز شاہ شاہاں مہماں شدہ است مارا   جبرئیل با ملائک درباں شدہ است مارا

(یعنی وہ شاہ شاہاں آج ہمارا مہمان ہے۔ جبرئیل مع تمام فرشتوں کے ہماری دربانی کر رہے ہیں)۔

یعنی بلند ترین فرشتہ بھی انسان کامل کی برابری نہیں کرسکتا۔ ورنہ حقیقی واقعات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ جہاں تک میرا علم ہے ملائکہ اور جبرئیل سے آپ کا کوئی تعلق معتبر روایات سے ظاہر نہیں ہوتا۔ جبرئیل کا تعلق وحی اور اللہ کے پیغام سے تھا اور بموجب قرآن و حدیث حضور ختمی مرتبتؐ کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ اس لیے حضرت جبرئیل کا ربط بھی دنیا سے ختم ہو چکا ہے۔

انسان اشرف المخلوقات افضل الموجودات ہے۔ مخلوقات میں فرشتے بھی شامل ہیں۔ انسان عالم کا خلاصہ ہے۔ آدم باعتبار اپنے ظاہر کے خلق کی صورت ہے اور باعتبار اپنے باطن کے حق کی صورت ہے۔ اس حقیقت نے انسان کو اس قابل بنایا کہ وہ صفات و ذات کی جامعیت کی امانت کے بار کو اٹھالے اور اسی وجہ سے وہ خلافت و نیابت الٰہی کا مستحق ٹھہرا۔

فرشتے باوجود اپنی معصومیت مستحق خلافت نہیں قرار پائے۔

موجودات عالم کے ذرہ ذرہ میں اپنی استعداد کے مطابق حق تعالیٰ کا ظہور ہے لیکن ظہورِ اتم انسان میں ہے۔ بقول صاحب ''سرِ دلبراں'' جملہ صفاتِ الٰہیہ کے ساتھ مجموعی طور پر سوائے انسان کے اور کوئی فائز نہیں۔ ''وعلم آدم الاسما کلھا'' (بقر) (یعنی اور تعلیم کئے آدم کو تمام اسماء) اسی جانب اشارہ ہے کہ جملہ اسماء و صفات کا آدم علیہ السلام پر پرتو ڈالا اور انہوں نے اس پرتو کو قبول کرلیا۔ اسی صلاحیت کی بدولت انہیں فرشتوں پر فضیلت حاصل ہوئی اور وہ مسجودِ ملائک بنے۔ جس طرح اسم اللہ جملہ اسمائے الٰہی کا جامع ہے اسی طرح انسان جملہ صفات الٰہی کا جامع ہے۔ پس حقیقت انسانیہ اسم اللہ کی مظہر ہے۔ جب کائنات میں ان اسما کا ظہور ہے جن کا جامع اسم اللہ ہے تو حقائق عالم علمی اور عینی اعتبارات سے حقیقت انسانی ہی کے مظاہر ہیں۔ گویا عالم میں انسان ہی کی حقیقت ظاہر ہے۔

''فاذا سویتہٗ ونفخت فیہ من روحی فقعولہ ٗ سجدین (حجر) (یعنی جب میں تسو یہ کرلوں اس کا اور پھونک دوں اس میں اپنی روح تو گر پڑو اس کے آگے سجدہ میں) اس میں روح پھونکنے سے یہی مراد ہے کہ اپنی ذات اور صفات کا پرتو آدم پر ڈالا۔ آدم نے اس پرتو کو قبول کرلیا اور امانت الٰہی کے متحمل ہوگئے۔

حقیقت یہ ہے کہ صرف یہی ایک آیت انسان کی برتری کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ اول تو جو روح پھونکی گئی اس کو اللہ تعالیٰ نے ''روحی'' یعنی میری روح کہا۔ صرف اسی وجہ سے ملائکہ کو حکم دیا گیا کہ سجدہ میں گر پڑو۔ کیوں کہ اللہ کو شرک پسند نہیں۔ سجدہ کا حکم تمام ملائکہ کو تھا۔ اس میں کوئی استثنا قرآن پاک میں نہیں ہے خواہ وہ جبرئیل ہوں یا میکائیل یا اسرافیل۔ اس طرح آدم بلا استثنا مسجود ملائک ہیں۔ صرف ایک ابلیس نے انکار کیا تو وہ ملعون ٹھہرا۔

اولیاء اللہ زمین پر اللہ کے قائم مقام اور رسول اللہؐ کے وارث ہیں۔ کسی فرشتہ کو یہ فضیلت حاصل نہیں ہے۔ وہ بارِ امانت جس کا بوجھ اٹھانے کی صلاحیت آسمان و زمین میں کسی کو نہ تھی۔ بقول قرآن پاک صرف انسان اسے اٹھاسکا (سورۂ احزاب) اس لیے کہ وہ ظہورِ وجود ہے یعنی ظہورِ ذات مع اسماء و صفات کا حامل صرف انسان کامل ہے۔ کوئی فرشتہ نہیں۔ صرف انسان میں تمام اسمائے الٰہی جلوہ فرما ہیں۔

قرآن پاک کا انسان کو "ظلومی جہولی" یعنی ظالم اور جاہل کہنا انسانی نقص کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ کمال انسانی کی طرف اشارہ ہے۔ ملائکہ میں ذم کا پہلو پیدا ہی نہیں کیا۔ وہ اپنی سرشت سے مجبور ہیں کہ برائی نہ کریں۔ اس لیے یہ ان کی خوبی نہیں ہے۔ شر کا پہلو رکھنے کے باوجود خیر کی طرف توجہ اصل کمال ہے۔ شفاف شیشہ میں اپنی صورت نہیں دیکھی جاسکتی نہ کسی دیوار میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ صرف اس وقت ممکن ہے جب شیشہ میں ایک طرف زنگار ہو۔ ملائکہ مثل شفاف شیشہ کے ہیں اور دیگر موجودات مثل دیوار کے۔ دونوں میں شکل دیکھنا ممکن نہیں۔ انسان کے ایک طرف لطافت ملکوتی ہے۔ دوسری طرف کثافت حیوانی کا زنگار۔ یہی اس کا کمال ہے جس کی وجہ سے صرف انسان خلافت و نیابت الٰہی کا مستحق ٹھہرا۔

ظلومی و جہولی ضد نوراند	ولیکن مظہر عین ظہور اند
چو پشت آئینہ باشد مکدر	نماید روئے شخص از عکس دیگر
تو بودی عکس معبود ملائک	وزاں گشتی تو مسجود ملائک (گلشن راز)

ترجمہ: ظلومی اور جہولی نور کی ضدیں ہیں لیکن ظہور کا عین مظہر ہیں جب آئینہ کے پیچھے زنگار لگایا جاتا ہے تو اس میں شخص کی صورت دکھائی دیتی ہے۔ تو معبود کا عکس ہے۔ اس لئے مسجود ملائک ہے۔

جبرئیل کی برتری عام طور سے اس لیے بھی سمجھی جاتی ہے کہ انہیں نبی اکرمؐ کا معلم قرار دیا جاتا ہے۔

ثبوت میں سورۂ نجم کی آیت "علمہ شدید القویٰ" (اس کو بڑی طاقت والا اور بڑی عقل والا تعلیم دیتا ہے) پیش کی جاتی ہے لیکن یہ قطعی بعید از عقل اور خلاف حقیقت ہے۔ وہ ذات مطلق ہی آپ کو تعلیم دے سکتی ہے اور اس کے ثبوت بھی موجود ہیں۔ جبرئیل کو صرف وحی لانے کی وجہ سے معلم قرار دینا درست نہیں۔ جبرئیل کی حیثیت محض ایک ایلچی یا قاصد کی ہے۔ کسی بھی فرشتہ کا اسمائے کلیہ سے لاعلم ہونا اور آدم کا واقف ہونا قرآن پاک سے ثابت ہے وعلم آدم الاسما کلھا (بقر)۔ کوئی خادم اگر ہمیں کھانا مہیا کرتا ہے تو اس کو محض اس لیے محسن و منعم سمجھنا کہ اسی کے ذریعے سے ہمیں کھانا مل رہا ہے۔ قطعی خلاف حقیقت ہے۔ اصل محسن تو وہ ہے جو کھانا بھیجتا ہے۔ جبرئیل کا وحی پر مامور ہونا بھی ایسا ہی ہے۔ حضورؐ اس مقام پر ہیں جہاں جبرئیل کے پر جلتے ہیں۔ شدید القویٰ سے مراد اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ جبرئیل۔

ان سب کے علاوہ کئی جگہ ایسے ارشادات ہیں جس سے یہ امر ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً لقد کرمنا بنی آدم۔ فی احسن تقویم۔ خلق آدم علیٰ صورتہ۔ ہر ایک کی تشریح ممکن نہیں۔ مومن کے قلب کو عرش کہا گیا۔ بیت الرحمٰن کہا گیا۔ صرف مومن کے قلب میں اللہ کی سمائی ممکن قرار دی گئی وغیرہ۔ کسی فرشتہ کو یہ فضیلت نہیں عطا کی گئی۔

یہ سب بہت اختصار کے ساتھ لکھا گیا۔ ورنہ اس کی تائید میں کئی صفحات لکھے جاسکتے ہیں۔ اسی لیے شاید بعض حضرات کو اس مختصر تحریر سے تشفی نہ ہوسکے۔ اختصار کے مدنظر قرآنی آیات اور احادیث تفصیل سے نہیں لکھی گئیں۔ ایک جگہ آپ فرماتے ہیں۔

بس فرو ماندہ جناح ملکوت از پرواز　　　بمقامیکہ رسید ایں دلک بے پر من

فرشتوں کے پر بھی یہاں پہنچ کر پرواز سے عاجز ہیں جس مقام پر میرا بے پر دل پہنچا ہے۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

فرشتہ گرچہ دارد قربِ درگاہ　　　نگنجد در مقامِ لی مع اللہ

فرشتے کو گرچہ قرب درگاہ حاصل ہے لیکن لی مع اللہ کے مقام پر وہ نہیں پہنچ سکتا۔

یہ منقبت بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ساتھ ہی حضور غوث پاک کی علو شان کا خوبصورت بیان ہے۔ اس کے متعلق جناب پروفیسر عبدالغنیؒ مخزن الخزائن میں فرماتے ہیں: ”ان اشعار میں حضور غوث اعظمؓ کی جس عظمت و قدرت۔ جس بلندی شان اور جن اوصاف کریمانہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ نہ صرف آپ کی ولایت و سیرت کی معراج ہے بلکہ تمام عالمِ انسانیت کے لیے بھی اگر وہ آپ کے در کی گدائی اختیار کرلے۔ آپ کی نظر کرم کے ادنیٰ سے اشارہ پر نعمت خدارسی کے حاصل کرلینے کی ضمانت کی خوش خبری سنائی جارہی ہے۔“

اس منقبت کو قبولیت عامہ حاصل ہے اور کثرت سے پڑھی اور سنی جاتی ہے۔ صوری و معنوی محاسن سے آراستہ یہ منقبت اس عقیدت اور نسبت کی مظہر ہے جو حضرت شاہ نیازؒ کو حضور غوث پاکؓ سے تھی۔ حضرت عبداللہ بغدادیؒ کے ذریعے سے آپ کو قادری سلسلے میں اجازت حاصل تھی۔ جو حضرت غوث اعظمؓ کے حکم پر بغداد سے خاص طور پر حضرت شاہ نیازؒ کو بیعت کرنے دہلی تشریف لائے تھے۔ حضور غوث پاکؓ سے عقیدت کا اظہار دیوان میں اور نثری تحریروں میں کئی جگہ کیا ہے۔ اپنی عظیم تالیف ”شمس العین“ جو ۹۶ خمسوں پر مشتمل ہے۔ دو خمسے صرف حضور غوث پاک کے متعلق ہیں۔ ائمہ کرام اور اہلبیت اطہار کے بعد کسی اور بزرگ کا ذکر

نہیں ہے۔ اسی طرح دیوان کی ابتدا میں جو مناجات ہے اس میں بھی حمد ونعت ائمہ اطہار اور اہلبیت کرام کے ناموں کے علاوہ اولیائے کرام میں صرف حضور غوث پاکؓ سے التجائیں کی گئی ہیں۔ کسی دیگر بزرگ کا نام نہیں ہے۔ اسی طرح خاندانی وظیفہ اور تعویزات میں حضور غوث پاکؓ کا اسم گرامی کئی موقعوں میں شامل ہے۔ مناجات میں آپ اس طرح فرماتے ہیں۔

بحق شہنشاہ دیں غوث پاکؓ ‏ ‏ نوازندہ از سمک تا سماک

بحق شہنشاہ ایں بارگاہ ‏ ‏ کہ ہر فرد فرداست عالم پناہ

اپنی منفرد نسبت کو آپ نے ایک جگہ یوں بیان کیا ہے۔

فیضیاب از بارگاہ شیخ عبدالقادرم ‏ ‏ زیں جہت مارا براہِ فقر شانے دیگرست

ایک جگہ فرماتے ہیں ۔

ہم مرشد کل گشتہ بشکل شہ جیلاں ‏ ‏ بر روئے نیازؔ ائی وارشاد نمائی

ایک مستزاد میں فرماتے ہیں۔

خود بود کہ اورفت زجیلاں سوئے بغداد......شیخ ہمہ عالم ‏ ‏ خود گفت نیازؔ و چوں

مریدانہ برآمد......از معتقداں شد

زیادہ تر اشغال واذکار آپ کو قادریہ سلسلہ کے عطا کردہ ہیں۔ خود آپ فرماتے ہیں:

''حضرت غوث پاکؓ تمام اغواث سے برتر اور تمام اقطاب کے قطب ہیں۔ آپ کے فضائل لاتعداد و بے شمار ہیں کہ میں مورِ ضیعف (چیونٹی جیسا کمزور) ان کا شمار بھی نہیں کرسکتا میں اتنا جانتا ہوں کہ آپ صحابہ کے ہم پلّہ تھے۔

''یا غوث اعظمؒ آپ پر میری روح اور میرا قلب اور میرے ماں باپ قربان ہوں۔ میری تمنا ہے کہ میں جیوں تو آپ کی محبت میں مروں تو آپ کی محبت میں اور آپ ہی کی محبت میں میرا حشر ہو۔ ان تمام حضرات کے صدقہ میں میری عرض سن لیجیے۔'' (یہاں آپ نے سلسلے کے تمام بزرگوں کے نام حضرت عبداللہ بغدادیؒ سے لے کر حضور رسول پاکؐ تک تحریر فرمائے ہیں)۔ پھر آپ فرماتے ہیں۔

''بیشتر اشغال واکساب مجھے قادریہ بزرگوں کے عطا کردہ ہیں۔ بعض مخصوص اشغال چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں سے پائے ہیں۔'' (شمس العین)

''کرامات نظامیہ'' اور ''مخزن الخزائن'' میں اشغال واذکار کی تفصیل دی گئی ہے جس

کو یہاں لکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اکثریت قادریہ سلسلہ کے اشغال و اذکار کی ہے۔ ''شمس العین'' میں جو حضور قبلہؒ کی ایک عظیم اور ضخیم تالیف ہے سب تفصیلات موجود ہیں۔

خاندان قادریہ اور چشتیہ میں آپ کی بیعت اور خلافت یہ سب تفصیلی تذکروں میں موجود ہے یہ چوں کہ حضور قبلہؒ کا تذکرہ یا سوانح حیات نہیں ہے اس لیے یہ تمام تفصیلات یہاں بے محل ہیں۔ نہ یہ تاریخی دستاویز ہے کہ میں واقعات کی چھان بین کروں۔ ''کرامات نظامیہ'' اور ''مخزن الخزائن'' میں واضح طور پر درج ہے ''حضرت شاہ نیاز بلحاظ بیعت و کمالات پہلے قادری ہیں پھر چشتی''۔ ثبوت میں کئی صفحات لکھے ہیں اور کافی تفصیلی بحث کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی سلسلہ ہو۔ تعلیمات سب کی ایک ہیں۔ کچھ فروعی اختلافات تو ہو سکتے ہیں لیکن بنیادی اور اصولی طور پر کہیں اختلاف یا تضاد نہیں ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ سب کا ماخذ و منبع حضور سید المرسلینؐ کی ذات پاک ہے۔ قرآن و سنت سے الگ جو بھی چیز ہے وہ زندقہ اور گمراہی ہے۔ یہ ضرور ہوا ہے کہ صحبت مرشد کی کمی یا بعض کم علم لوگوں کی تشریحات و توضیحات سے تعلیمات کی اصل صورت مسخ ہوگئی ہے یا بدل گئی ہے۔ جس سے بعض غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں۔ بہرحال صوفیائے کرام کا مسلک صلح کل ہے۔ افتراق و انتشار اس مشرب کے خلاف ہے۔

منقبت

(خواجہ غریب نواز حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ)

خواجۂ خواجگاں معین الدینؒ ۔۔۔ فخر کون و مکاں معین الدینؒ

خواجگان کے خواجہ معین الدینؒ۔ کون و مکان کے فخر معین الدینؒ۔

سِرِّ حق را بیاں معین الدینؒ ۔۔۔ بے نشاں را نشاں معین الدینؒ

اسرار حق کے بیان معین الدینؒ۔ بے نشان کے نشان معین الدینؒ۔

مظہر و جلوہ گاہ نورِ قِدم ۔۔۔ آفتابِ جہاں معین الدینؒ

نورِ قِدم (نورِ ذات احدیت) کی جلوہ گاہ اور مظہر۔ دنیا کے آفتاب معین الدینؒ۔

مرشد و رہنمائے اہلِ جہاں　　ہادی انس و جاں معین الدینؒ

دنیا والوں کے مرشد و رہنما۔ جن و انس کے ھادی معین الدینؒ۔

عاشقاں را دلیلِ راہِ یقیں　　سدِ راہِ گماں معین الدینؒ

عاشقوں کیلئے راہِ یقین کی دلیل۔ وھم وگمان کے راستہ کی رکاوٹ معین الدینؒ۔

خواجۂ لامکان و قدس مقام　　آسماں آستاں معین الدینؒ

لا مکان کے خواجہ بارگاہ الٰہی میں قرب رکھنے والے (قدس مقام)۔ جن کی چوکھٹ آسمان ہے وہ معین الدینؒ۔

قربِ حق ای نیاؔز اگر خواہی　　سازورد زباں معین الدینؒ

اے نیاؔز اگر اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہو تو معین الدینؒ کا ورد زبان پر ہمیشہ رکھو۔

اس منقبت کے ترجمہ کی خاص ضرورت نہیں تھی ۔ یہ تمام الفاظ اردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ خاص طور پر تصوف کی زبان میں یہ الفاظ رائج ہیں۔ جن کا صحیح ترجمہ ممکن نہیں اور نہ ترجمہ میں وہ مفہوم آسکتا ہے۔

اتنی چھوٹی بحر میں یہ منقبت اپنا جواب آپ ہے۔ دو دو لفظوں میں معانی کا ایک سمندر ہے اس کے علاوہ جتنی بھی منقبتیں آپ نے لکھی ہیں وہ لاجواب ہیں۔ اس لیے صوفیا کی کوئی محفل ہو یہ منقبتیں بہت مقبول ہیں اور ہر جگہ بہت شوق سے سنی جاتی ہیں۔

چشتیہ سلسلہ میں آپ کو فخرِ جہاں حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ کی وساطت سے اجازت حاصل تھی۔ چشتیہ تعلیمات کو بھی آپ نے بہت نمایاں طریقہ سے بیان کیا ہے اور کئی جگہ اس کا ذکر ہے۔ چشتیہ بزرگوں کے متعلق منقبتیں بھی بہت اعلیٰ ہیں چشتی مسلک کے متعلق آپ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

دمی کہ صانع تقدیر طینتم بسرشت　　سرشت خاک مرا با شراب صافی چشت

ایک اور جگہ ارشاد ہے

خانقاہ چشت میں جس نے قدم پہلا رکھا　　دوسرا اس کا قدم پھر عرش کے بالا ہوا

یہ پوری غزل خاندان چشت کی تعریف میں ہے۔ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

سرزمین چشت کی آب و ہوا کچھ اور ہے　　دین و دنیا سے نرالا اور ہی کچھ طور ہے

یہ غزل بھی پوری خاندان چشتیہ کے متعلق ہے

خلفاء کو عام طور سے آپ انہیں دونوں سلسلوں یعنی قادریہ اور چشتیہ میں اجازت عطا فرماتے تھے۔ شجرے جو متوسلین کو دیے جاتے تھے وہ انہیں دونوں خاندانوں کے ہوتے تھے اور خاندان نیازیہ کی خانقاہوں میں اب بھی یہی طریقہ ہے۔

لیکن آپ ہمیشہ یہی فرماتے تھے کہ میں قادری پہلے ہوں چشتی بعد میں۔ اس کی مفصل بحث ''مخزن الخزائن'' میں موجود ہے اور پوری ایک فصل کئی صفحات پر مشتمل لکھی گئی ہے۔ یہ اس کی تفصیلی گفتگو کا موقع نہیں ہے۔ بہر حال اس بحث میں الجھنا کہ پہلے آپ قادری تھے یا چشتی محض تضیع اوقات ہے۔ اس سے آپ کی عظمت و بزرگی اور مرتبۂ ولایت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ''مخزن الخزائن'' سے ایک اقتباس پیش ہے:۔

''خلاصہ نامکمل رہے گا اگر ہم اس امر کا اعادہ نہ کریں کہ بلحاظ حقائق آپ کو سلسلۂ قادریہ میں پہلے بیعت وحصول فیضان کا شرف حاصل ہے۔ ہر چند کہ اس امر سے کہ آپ پہلے قادری ہیں یا چشتی آپ کی اصل منزلت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تاہم سوانح حیات میں واقعاتی پہلو کا ذکر ضروری ہے۔ لہٰذا اس امر کو اس نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیے نہ کہ کوئی ناگوار صورت بحث میں نکالی جائے اور خواہ مخواہ ایک سلسلے کی برتری اور دوسرے کی کمتری کا پہلو پیدا کیا جائے۔ اس ناگوار صورتِ حال سے پرہیز لازم ہے۔ قادریہ سلوک ہو یا چشتیہ دونوں کا مقصد خدا رسی ہے اور مقام وصل کے اسرار سربستہ ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک بات اور واضح کرتا چلوں کہ سلسلہ نیازیہ میں اکثر اذکار و اشغال سلسلہ قادریہ کے رائج ہیں۔ بیعت بھی اسی میں لی جاتی ہے اور چشتیہ نیازیہ میں طلب ہے۔'' (مخزن الخزائن)

منقبت

حضرت محبوبِ الٰہیؒ

ولا دستِ طلب بکشا بدرگاہ شہنشاہے نظام الدین والملۃ علیہ رحمۃ اللّٰہے

اے دل اس شہنشاہ کی درگاہ میں اپنا دستِ طلب دراز کر جن کا نام نظام الدین و الملّت علیہ الرحمۃ ہے۔

امیرِ عالم آرائے ظہیر دین و دنیائے شہنشاہے علی جاہے نبیؐ شانے حق آگاہے

دین و دنیا کے مددگار دنیا کو زینت بخشنے والے امیر۔شہنشاہ۔علیؓ کی سی عظمت والے۔نبیوں کی سی شان والے۔حق وحقیقت سے آگاہی رکھنے والے۔(ظہیر = مددگار۔دوست)

محیطِ فیضِ وارشادے بعلم فقر استادے سراپا حسنِ جاں بخشے ہمہ جانانِ دل خواہے

فیض وارشاد (ہدایت) پر محیط۔علم فقر کے استاد۔سراپا جاں بخش حسن۔دلوں کے محبوب۔

دُر دریائے تجریدے گلِ بُستانِ تفریدے بہ شکل وصورتِ انساں نمایاں ذات اللّٰہے

دریائے تجرید کے موتی۔تفرید کے باغ کے پھول۔انسان کی شکل میں ذات الٰہی نمایاں۔

(تجرید کے لغوی معنی: تنہائی، خلوت، عریانی۔تفرید: کسی بات میں منفرد ہونا۔اکیلا ہونا۔تنہائی۔طریقت میں قلب کو ما سوا اللہ سے خالی کرنا، تجرید کہلاتا ہے۔معاوضہ۔اجرت اور انعام کی تمنا سے اپنے باطن کو بچانا بھی تجرید میں شامل ہے۔حضرت امیر خسروؒ فرماتے ہیں۔

خرد وضمیر وہوش ودل وجان وچشم من شد زھمہ خیال خالی بجز از خیال رویت

یعنی میری عقل، ضمیر، ہوش، دل، جان وچشم سوائے تیرے چہرہ کے خیال کے تمام خیالوں سے خالی ہے۔

تفرید یہ ہے کہ تعینات واعتبارات کے لباس کو اتار کر حقیقت واحدہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

تجرید خلائق وعلائق سے بے تعلقی کا نام ہے اور تفرید خودی سے بے تعلق ہونے کو کہتے ہیں۔

توز تو گم شو کہ تفرید ایں بود گم شدن گم کن کہ تجرید ایں بود

یعنی تو خود اپنے سے گم ہو جا کہ یہ تفرید ہے اور اپنے گم ہونے کا احساس بھی گم کر

دے، یہ تجرید ہے)۔

شبستانِ جہاں شد ہمچو روز روشنے روشن　　　　که طالع گشته از آفاق عالم ایں چنیں ماہے

یہ دنیا کا شبستان (محل سرائے جہاں رات بسر کی جائے) روز روشن کی طرح روشن ہو گیا جب عالم کے افق سے ایسا چاند طلوع ہوا۔

گرفته صورت قالی بیزمش سیرت حالی　　　　زبانِ شمع شد درمدحِ او مرغ سحر گاہے

ان کی محفل میں ''قال'' کی صورت ''حال'' کی سیرت میں بدل گئی۔ ان کی تعریف میں صبح کا مرغ شمع کی زبان ہو گیا۔

(''قال'' یعنی صرف زبانی باتیں جس کا عمل سے کوئی تعلق نہیں۔ ''حال'' عمل کی دنیا ہے)۔

بخاشاکِ وجودم زد نگاه گرم او آتشِ　　　　بروں از آسمان شد شعلۂ مُشتے پر کاہے

ان کی گرم نگاہوں نے میرے وجود کی خاشاک (گھانس پھونس) کو آگ لگا دی اور اس مٹھی بھر گھاس کا شعلہ آسمان سے بھی اوپر چلا گیا۔

اس شعر کا بھی ایک پس منظر ہے۔ ایک مرتبہ شاہ نیازؒ کی والدہ ماجدہ نے جو خود بھی ایک ولیہ تھیں حضرت شاہ نیازؒ سے پوچھا کہ تم نے حضرت محبوب الٰہیؒ کے متعلق کچھ لکھا ہے۔ آپ نے یہ شعر پڑھ کر سنایا۔

بخاشاک وجودم زد نگاه گرم او آتش　　　　بروں از آسماں شد شعله مشت پر کاہے

خود حضرت شاہ نیازؒ نے اس شعر کے متعلق فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ عالم مثال میں حضرت محبوب الٰہیؒ کو دیکھا آپ نے میری جانب گرم نگاہ سے دیکھا۔ میں نے جب اپنے وجود پر نظر ڈالی تو مثل ایک گھاس کے گٹھے کے دیکھا اور حضرت کی ایک نگاہ نے اس میں آگ لگا دی اور میں جلنے لگا اور میرا شعلہ آسمان کو پہنچا۔ اول آسمان تک مجھے علم رہا پھر مجھے علم نہیں۔ دو چار دن کے بعد والدہ ماجدہ نے پھر بلایا اور دست مبارکہ میرے سامنے کیا اور پوچھا یہ کیا ہے۔ آپ نے جواباً عرض کیا آپ کا ہاتھ ہے۔ والدہ ماجدہ نے کہا غور سے دیکھو یہ ید بیضا ہے۔ پھر میں نے جو دیکھا تو والدہ ماجدہ کی پانچوں انگلیاں مثل مشعل روشن ہیں اور اپنے کو مثل روئی کے دیکھا۔ اس شعلہ نے اس روئی کو آگ لگا دی اس حال کے طاری ہونے پر آپ نے یہ شعر فرمایا۔

لاگ کی آگ لگتے ہی پنبہ نمط میں جل گیا　　　　رختِ وجودِ جان وتن کچھ نہ بچا جو ہو سو ہو

(پنبہ نمط یعنی مثل روئی)　　　　(کرامات نظامیہ)

زشوقِ عشقِ محبوبؒ الٰہی آنچناں گشتم　　　　که تصویرم مصور در کشد بر صورت آہے

محبوب الٰہی (حضرت نظام الدین اولیا) کے عشق کے شوق میں میں ایسا ہو گیا کہ مصور میری تصویر "آہ" کی صورت پر کھینچتا ہے۔

چہ غم داری نیازؔ از رفتن تنہا ازیں عالم　　　　که سلطانؒ المشائخ یار جاں تست وہمراہے

اے نیازؔ اس دنیا سے اکیلے جانے کا تجھے کیوں غم ہو کہ سلطان المشائخ تیری جان کے دوست ہیں اور تیرے ہمراہ ہیں۔

یہ منقبت بھی پچھلی منقبتوں کی طرح بہت خوبصورت ہے اسکو مقبولیت عامہ حاصل ہے۔ ہر جگہ ہر محفل میں بہت ذوق وشوق سے پڑھی اور سنی جاتی ہے۔ چشتیہ سلسلہ میں آپ کو صابریہ سلسلہ میں بھی اجازت حاصل ہے۔لیکن آپ کو حضرت محبوب الٰہیؒ سے خصوصی نسبت تھی جو اس منقبت سے ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ بھی دیوان میں کئی جگہ آپ کا ذکر ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

فیض محبوب الٰہیست کہ در خطہ ہند　　　　خسروانِ دو جہان اند گدایانے چند

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

حضور خسرو ہندوستاں نظام الدین　　　　نیازؔ جان و دل خویش را نثار آورد

منقبت

(فخر جہاں حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ)

مرید پیر مغانم　دگر　نمیدانم　　　　خراب بادۂ آنم دگر نمیدانم

میں اپنے میخانہ کے پیر کا مرید ہوں اور کچھ میں نہیں جانتا۔ اسی کی شراب کے نشہ میں مست ہوں اور کچھ نہیں جانتا۔

ہمیں کہ پیر مغانست پیرو مرشد من　　　　بس است نام و نشانم دگر نمیدانم

یہ جانتا ہوں کہ میخانہ کا پیر میرا پیرو مرشد ہے۔ میرے لئے صرف یہی نام ونشان کافی ہے اور کچھ نہیں جانتا۔

بدل چو زمزمۂ عشق نائیم بدمید   چونے بشور و فغانم دگر نمیدانم

دل کی گہرائیوں سے جب عشق کا راگ میں نے بانسری پر چھیڑا تو میں خود ہی بانسری کی طرح الاپنے لگا۔ اسکے علاوہ مجھے کچھ نہیں معلوم۔

شرارِ حسنِ رخِ دوست آتشم زدہ است   حریق سوختہ جانم دگر نمیدانم

چہرہ محبوب کے حسن کی چنگاریوں نے میرے جسم کو آگ لگا دی۔ (میں فقط یہ جانتا ہوں) کہ میں دوست کا جلایا ہوا ہوں اور کچھ نہیں جانتا۔

قبول ہدیہ نما شاہ حُسن یا منما   فدایت ای دل و جانم دگر نمیدانم

اے بادشاہِ حسن تو میرے ہدیہ کو قبول کرے یا نہ کرے (ہر حال میں) میں تجھ پر اپنی جان و دل فدا کرتا ہوں باقی میں کچھ نہیں جانتا۔

درونِ آئینہ خویش تا خدادیدم   بسوی خودنگرانم دگر نمیدانم

جب میں نے خود کے آئینہ میں خدا کو دیکھا تو اس وقت سے میں صرف اپنے ہی کو دیکھتا ہوں۔ اسکے علاوہ مجھے کچھ نہیں معلوم۔

زراز دہر چگو یم کہ خود گم یاراں   جزایں کہ ہیچ ندانم دگر نمیدانم

اے یارو میں دنیا کا راز کیا بتاؤں کہ میں خود ہی گم ہوں۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں کچھ نہیں جانتا۔

خداپرستی من تا خدائیم برساند   فزون زحصر و بیانم دگر نمیدانم

میری خدا پرستی نے جب مجھے میرے خدا تک پہنچایا تو وہ بیان و اظہار سے کہیں زیادہ ہے۔ اسکے علاوہ مجھے کچھ نہیں معلوم۔

بیار محو شدم چوں حباب در دریا   زچشم خلق نہانم دگر نمیدانم

میں اپنے یار میں اتنا کھو گیا ہوں (اتنا فنا ہو گیا ہوں)۔ جیسے حباب دریا میں ہو جاتا ہے اور اب خلق کی آنکھوں سے اوجھل ہوں۔ اسکے علاوہ مجھے کچھ نہیں معلوم۔

شنیدۂ اگر از من صلائے سُبحانی   تو گفتہء بزبانم دگر نمیدانم

اگر تو نے مجھ سے حق کی آواز سنی ہے تو دراصل حق نے ہی میری زبان سے گفتگو کی ہے۔ اسکے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔

کمال فقر شداست ازظہور فخر الدینؒ   فدای او دل و جانم دگر نمیدانم

(حضرت مولانا) فخر الدینؒ کے ظہور سے فقر کو کمال نصیب ہوا۔ میرا دل اور میری جان ان پر فدا

ہو۔ اسکے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔

ز بے نیازی خود میدہم خبر بہ نیآز کہ جانِ جانِ جہانم دگر نمیدانم

میں نیآز کو اپنی بے نیازی کی خبر دیتا ہوں کہ میں اپنے جان جہاں (محبوب) کی جان ہوں۔ اسکے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔

غزل

بہ بُستانِ تجمل گلعزارے کردہ ام پیدا سراپا دلکشے رنگیں نگارے کردہ ام پیدا

عظمت و وقار کے باغ میں ایک گلعذار (پھولوں ایسے رخساروں والا) کو میں نے منتخب کیا جو سراپا دلکش اور رنگین محبوب ہے۔

قیامت قامتے بالا بلائے آفت جانے بُتے غارتگردیں سحرکارے کردہ ام پیدا

اس کا قد و قامت قیامت، بلائے آفتِ جاں ہے۔ ایک بت غارت گر ایمان و دیں، جادوگر جس کے سحر میں میں مبتلا ہوا۔

نگاریں کافرے زاہد فریبے عشوہ پردازے عجائب دلربائے طرفہ یارے کردہ ام پیدا

محبوبِ کافر، زاہد فریب، عشوہ پرداز (نا ز وانداز والا) جس کی دلربائیاں عجب، غرض عجیب محبوب ہے۔ جسے میں نے پسند کیا ہے۔

جوانے نکتہ دانے طبع موزونے سخن سنجے سر دیوان حُسنے خوش شعارے کردہ ام پیدا

ایک پُر شباب نکتہ داں، موزوں طبع، سخن سنج (جوان۔ باریکیوں کو سمجھنے والا۔ طبعیت میں موزونیت۔ بات کو سمجھنے والا)۔ جس کے دیوانِ حسن کا عنوان میں نے خوش اطوار تجویز کیا۔

بیا جاناں تماشا کن چراغانِ تنِ سوزاں بداغستان دل رنگیں بہارے کردہ ام پیدا

میرے محبوب آ اور میرے جلتے ہوئے جسم کے چراغاں کا منظر دیکھ۔ دل کے داغوں سے میں نے رنگین بہار پیدا کی ہے۔

جگر آتش دل آتش سینہ آتش دیدہا آتش بایں ہرچار آتش کاروبارے کردہ ام پیدا

میرا جگر آگ ہے، دل آگ ہے، سینہ آگ ہے، آنکھیں آگ ہیں۔ ان چار قسم کی آگ سے میں اپنا کاروبار کر رہا ہوں (زندگی گزار رہا ہوں)۔

گذار کاروانِ لختِ دل از سینہ می جستم   رہش اندیدۂ خونبار بارے کردہ ام پیدا

لختِ دل کے کارواں کا گزر میرے سینہ سے شاید ہو (دل کے ٹکڑوں کے قافلہ کا گزر میرے سینے سے شاید ہو) تو اس کے اس راستہ کو میں نے اپنے دیدۂ خونبار (خون بہاتی ہوئی آنکھوں) سے سجا رکھا ہے۔

دل و جاں را عزیز از بہر آں دارم کہ اینہارا   بگردردی جاناں جاں نثارے کردہ ام پیدا

میں نے اپنے دل و جان کو اسلئے عزیز رکھا ہوا ہے کہ یہ محبوب کے چہرہ کے گرد طواف کر کے اپنی جان نثار کر سکیں۔

سروسامانم از عجز و نیازّ و بیخورد خوابیست   بزور ناتوانی حال زارے کردہ ام پیدا

میرے سرو سامان کو عجز و نیاز کے باعث نہ نیند نصیب ہے نہ غذا۔ اس ناتوانی اور کمزوری کی وجہ سے میری حالت بہت خراب ہے۔

غزل

بملک ہستی خود شہر یارے کردہ ام پیدا   درونِ گردتن من شہسوارے کردہ ام پیدا

اپنی ہستی کے ملک میں میں نے ایک بادشاہ بنا رکھا ہے۔ اپنے جسم کے غبار کے اندر ایک شہسوار مقرر کیا ہوا ہے (یعنی اپنے خاکی وجود میں وہ ہستی حقیقی موجود ہے)۔

برافگندم نقاب از رُخ رہا کردم تعین را   بزورِ بیخودی یک اختیارے کردہ ام پیدا

اپنے چہرہ سے میں نے نقاب الٹ دیا اور اس تعین سے نجات حاصل کر لی اور اپنی بے خودی کی قوت سے ایک اختیار حاصل کر لیا۔

(خود اپنا تعین اسکی یافت یا اسکو پانے میں سب سے بڑا حجاب ہے۔ جب یہ خودی کا پردہ اٹھتا ہے تو انسان میں ایک کیف و بے خودی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی بے خودی سب سے بڑی قوت بن جاتی ہے)۔

بلغزش بودم از برپائی پائے تن خاکی   زبی پائیش پائے استوارے کردہ ام پیدا

یہ خاکی جسم جن پیروں پر قائم تھا۔ اسمیں لغزش آ گئی اور اس بے پائی (یعنی پیروں کی عدم موجودگی) سے میرے پیروں میں مضبوطی آ گئی (اس شعر میں لفظ ''پا'' یعنی پیروں کا ذکر بڑی

خوبصورتی سے کیا گیا ہے۔ لفظ "پا" کی تکرار ہی اسکا حسن ہے)۔

زدم صد چاک بر کوہِ دلم از تیشۂ محنت   بہ تنہائی نشینی طرفہ غارے کردہ ام پیدا

اپنے محنت کے تیشہ سے اپنے کوہِ دل میں سینکڑوں چاک ڈالے (سینکڑوں دراڑیں ڈالیں یہاں تک کہ غار بن گئے)۔ یہ غار میری خلوت نشینی کے کام آئے (یعنی تزکیہ اور تصفیہ سے دل کو اتنی یکسوئی حاصل ہوگئی کہ زندگی کے ہنگاموں کے باوجود مجھے خلوت نصیب ہے اور قلب ہمہ وقت یاد اللہ میں مصروف ہے)۔

بمعیارِ ریاضت نقد ہمت رانکو دیدہ   پسندِ خاطر دلہا عیارے کردہ ام پیدا

اپنی ریاضت کی کسوٹی پر اپنی نقد ھمت کو بہت بلند اور اچھا پایا۔ اور ایسا کھرا ہو گیا جو تمام لوگوں کے دلوں کو پسند ہے۔ (معیار = کسوٹی۔ معنی سونے چاندی تولنے کا کانٹا۔ کھرا کھوٹا پن۔ مراد یہ ہے کہ ریاضات اور مجاہدوں کی بھٹی سے کندن بن کر نکلا)۔

پُر از دُرہائے شہوار ست وامانم بحمداللہ   چنیں دولت زچشم اشکبارے کردہ ام پیدا

اللہ کا شکر ہے میرا دامن قیمتی موتیوں سے بھرا ہوا ہے۔ میری آنکھ کے آنسوؤں سے یہ دولت مجھے حاصل ہوئی (گویا میرے آنسو قیمتی موتیوں کی طرح ہیں)۔

بصیدِ ما سوا شاہین ہمت کی فرود آرم   باوجِ قدس بہر اوشکارے کردہ ام پیدا

ما سوا کے شکار کیلئے ہمت کا شاہین کب نیچی سطح تک آ سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے اسکے لئے پاکیزگی کی انتہائی بلندیوں پر ایک شکار ڈھونڈا ہے۔ (یعنی اسکو پانے کے لئے کم ہمتی سے کام نہیں چلتا۔ انتہائی تقویٰ اور پاکیزگی کی ضرورت ہے)۔

مکاں در لامکاں دارم نشانم بی نشانیہاست   بروں از چرخِ دائرمن دیارے کردہ ام پیدا

میرا مکان لا مکاں میں ہے۔ میرا نشان بے نشانی ہے۔ چنانچہ میں نے اس کائنات سے الگ اپنا مقام بنا لیا ہے۔ (فنا فی الحق ہونے کے بعد بندہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے پھر کائنات کی وسعتیں اسکے لئے کافی نہیں ہوتیں۔ وہ ہر وقت ہر جگہ موجود رہتا ہے۔ نہ یہاں اسکا کوئی نام ہے نہ نشان)۔

شناور ماندم اندر بحر جست وجوی یک عمرے   رسید ستم بخود بارے کنارے کردہ ام پیدا

ایک زمانہ تک اسکی جستجو کے سمندر میں تیرتا رہا (یعنی اسکو تلاش کرتا رہا) آخر کار مجھے کنارا مل گیا اور وہ کنارا میں خود تھا۔

(حدیث شریف ہے ''من عرف نفسہ فقد عرف ربہ'' یعنی جس نے خود کو پہچانا اس نے حق کو پہچانا۔ انسان خود اپنی حقیقت کو سمجھ لے اور خود کو پا لے یہی اللہ کو پانا ہے۔ انسان ذات کا مظہر اتم ہے۔ آدم کی حقیقت خود ذات ہے۔ اس طرح اگر انسان خود کو سمجھ لے کہ وہ غیر ذات نہیں ہے بلکہ ذات ہی کا جزو ہے تو یہی حقیقت کی یافت ہے۔ انسان کا تعینِ اسکا بہترین تعین ہے اور جس حد تک ذات انسان میں ظاہر ہے کسی دیگر شے میں نہیں۔ اسی لئے حضرت فرماتے ہیں کہ بعد جستجو ہم نے اسکو پایا۔ جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ہم ہی تھے)۔

شنا کردن درونِ بحر بیحد سخت مشکل بود　　　ببازوئے نیاز و عجز کارے کردہ ام پیدا

اس سمندر میں تیرنا بہت مشکل تھا لیکن نیاز نے اس کمزوری اور بے چارگی کے باوجود یہ بڑا کام کر ہی لیا۔ یا نیاز و عجز کی قوت سے میں نے یہ کام کر ہی لیا۔

غزل

اس غزل سے متعلق اگر ایک واقعہ یہاں بیان کر دیا جائے تو نا مناسب نہ ہوگا۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ دہلوی ایک مشہور مجددی بزرگ تھے اور ایک بلند پایہ شاعر بھی۔ حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاںؒ کے ہم عصر تھے۔ حضرت شاہ نیازؒ کا نو عمری کا زمانہ تھا۔ حضرت فخر پاکؒ حضرت شاہ نیازؒ کے مرشد بھی تھے اور استاد بھی۔ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ نے سنا کہ ایک نوعمر بچہ جس کا نام نیاز احمدؒ ہے کافی مشہور ہو رہا ہے اور اچھے شعر کہتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے کچھ توجہ نہیں فرمائی۔ ایک دن مولانا فخر پاکؒ نے حضرت شاہ نیازؒ سے فرمایا کہ تم اپنی کوئی غزل مرزا صاحب کو سنا آؤ۔ بہ تعمیل ارشاد حضرت شاہ نیازؒ نے یہی غزل حضرت مرزا صاحب کو سنائی۔ جس کا مطلع ہے،

امشب آنست کہ زد حلقہ جہاں بردر ما　　　نیر نورِ خدا کرد طلوع از بر ما

پہلے ہی مصرعہ پر حضرت مرزا صاحبؒ کی یہ کیفیت ہوئی کہ آپ جب ''زد حلقہ'' کہتے تو خود بھی شعر کی تکرار کرتے اور سر جھک کر زمین پر لگ جاتا۔ بار بار آپ نے سنا اور بہت تعریف فرمائی (کرامات نظامیہ)۔

امشب آنست کہ زد حلقہ جہاں بردر ما　　　　نیّرِ نور خُدا کرد طلوع ازبرِ ما

آج وہ رات ہے کہ تمام دنیا میرے دروازہ پر جمع ہے۔آج نورِ خدا کا سورج میرے بغل یا سینے سے طلوع ہوا ہے۔(بَر = پَر۔بغل۔سینہ۔بلند۔پھل)

در شبستانِ جہاں بر نمط شمعِ سحر　　　　بے فروغست مہِ چاردہ با اخترِ ما

دنیا کے اس شبستان میں صبح کی بجھتی ہوئی شمع کی طرح ہمارے ستارہ کے آگے چودھویں کا چاند بھی بے نور تھا۔(نمط = مثل۔مانند)

چکدازابرِ مجازم رشحات تحقیق　　　　قلزم دید حقیقت شدہ چشم ترِ ما

میرے ابرِ مجاز سے تحقیق کی بوندیں ٹپک رہی ہیں (یعنی مجاز کی حیثیت ہونے کے باوجود حقیقت کی گفتگو کرتا ہوں)۔ ہماری چشمِ تر گویا حقائق کا سمندر ہوگئی ہے (''چشمِ تر'' اور'' قلزم دید'' خوبصورت رعایت لفظی ہے۔اسکے ساتھ ہی ''ابر مجاز'' اور ''بوندیں'' سب کا تعلق پانی اور تری سے ہے)۔(رشحات = بوندیں)

زاہدا جام طہور از پیِ فردا بردار　　　　جرعۂ نوش کن ایں دم زمئے ساغرِ ما

اے زاہد جامِ طہور (جس کا وعدہ جنت میں کیا گیا ہے) کو کل کیلئے رکھدے۔آج ہمارے ساغر کی شراب کا ایک گھونٹ پی لے۔

نظرِ حضرت عشق ست بسوی فقرا　　　　کہ نہاد افسر شاہی جہاں بر سرِ ما

حضرت عشق کی نظر فقیروں پر ہے کیونکہ دنیا کے بادشاہوں کی سرداری مجھے بخش دی گئی ہے۔

اوج گیرائیِ مابیں کہ فضای ملکوت　　　　جملہ درسایہ شد اندر تہ بال و پرِ ما

میری گرفت کی بلندی دیکھ کہ ملکوت کی فضا بھی میرے بال و پر کے سایہ کے نیچے ہے۔

فکرِ ہرکس نرسد مغزِ سخن را اے دل　　　　نگہ شیشہ گراں کوو کُجا گوہرِ ما

اے دل ہر شخص کی سوچ میری گفتگو کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکتی۔کہاں ہمارا موتی اور کہاں کانچ کو دیکھنے والی آنکھ۔

تا نیاز از خودی خودنرہی سوزاں باش　　　　ہمچو اسپند بآتشکدۂ مجمرِ ما

اے نیاز جب تک اپنی خودی سے تجھے چھٹکارا نہیں ملتا تو جلتا رہے گا جیسے ''مجمر'' میں ''اسپند''

جلتے ہیں۔ (''مجمر'' عوددان کو کہتے ہیں۔ ''اسپند'' ایک قسم کے دانے ہوتے ہیں کہ ان کو جب جلایا جاتا ہے تو دھواں ہوتا ہے ان کو ہرمل کے دانے بھی کہا جاتا ہے۔ نظر اتارتے وقت عام طور سے یہ دانے جلائے جاتے ہیں)۔

بقول صاحب ''کرامات نظامیہ'' یہ غزل آپ نے ایک خاص حال اور کیفیت کے تحت لکھی تھی۔

غزل

دے پائے بندِ دین مجازی بدیم ما　　　　ایندم قدم بکفر حقیقی زدیم ما

کل ہمارے پیروں میں دین مجازی کی بیڑیاں پڑی تھیں۔ اس کے نتیجے میں اب ہمارے قدم کفر حقیقی نے پکڑ لئے (دین مجازی یہ ہے کہ ہم حقیقت کو چھوڑ کر ظاہری رسوم عبادات میں مصروف رہیں روح کو چھوڑ کر صرف جسم کو دیکھیں یا مغز کو چھوڑ کر صرف چھلکے پر اکتفا کر لیں۔ دینِ حقیقی حق کو محض حق سمجھنا ہے۔ تعینات کے پردوں کو نظر انداز کر کے اس کے اندر حق کو دیکھنا دینِ حقیقی ہے۔ اسکے بر خلاف عمل کفر　　ہے یعنی محض تعینات پر نظر رکھنا۔ اسکے پردہ میں حقیقت کو نہ دیکھنا کفر　　ہے۔

کفر حقیقی سالک

کا ذات کو عین صفات اور صفات کو عین ذات جاننا۔ ذات حق کو ہر جگہ دیکھنا۔ بجز ذات حق کے کسی چیز کو موجود نہ جاننا۔ وحدت میں یک رنگ ہو کر ماسویٰ سے پاک ہو جانا سمجھا جاتا ہے''
(سّرِ دلبراں)

(کفر مجازی ناشکری ذاتِ حق اور گمراہی کو کہتے ہیں)۔

اسلام را گزاشتہ در عشق آں صنم　　　　مسجد خراب کردہ بدیر آمدیم ما

اس بت کے عشق میں ہم نے اسلام کو چھوڑ دیا۔ مسجد کو خراب کر کے بت خانہ میں آ گئے۔ (بت کے معنی کہیں اور تفصیلاً مذکور ہیں۔ بت سے مراد معشوق حقیقی ہے۔ اسلام سے مراد نمائشی اور بناوٹی اسلام ہے۔ جس میں حقیقت کا شائبہ نہ ہو۔ جو عشق سے خالی ہو۔ جہاں سے مصنوعی اسلام کے ارکان ادا کیے جائیں وہ صحیح مسجد نہیں ہے۔ ایسی مسجد کو چھوڑ کر میں بتخانہ میں آ گیا۔ جہاں ہر سمت حق جلوہ نما ہے۔ بت سے مراد جیسا کہ مذکور ہوا معشوق حقیقی ہے۔

ازتابہائے اشعۂ حُسن و جمال یار　　　ازپائے تا بسر ہمہ آتش شدیم ما

محبوب کے حسن و جمال کی شعاعوں کی چمک سے سر سے پاؤں تک ہم مجسم آگ ہو گئے ہیں۔

صد شیشۂ توہّم کثرت شکستہ ایم　　　تا گشتہ در معارف حق اوحدیم ما

توہم کی کثرت کے سینکڑوں شیشے ہم نے توڑے تا کہ معرفت حق کی حدود میں پہنچ جائیں (عالم کی یہ کثرت دراصل ہمارے وہم کی پیداوار ہے۔ حق کی معرفت یہ ہے کہ اس کثرت میں ہم وحدت کو دیکھ سکیں۔ ذات ایک ہی ہے بوجہ تعینات کثیرہ سینکڑوں ہزاروں شکلیں نظر آتی ہیں۔ اگر کسی جگہ سینکڑوں آئینے رکھے ہوں اور ہم وہاں کھڑے ہو کر اپنے کو دیکھیں تو ہم تعداد میں سینکڑوں نظر آئیں گے حالانکہ ہم ایک ہی ہیں اگر سب آئینے توڑ دیئے جائیں تو فقط ہم رہ جائیں گے)۔

ذات وصفات ماہمہ منسوب سوئے اوست　　　از ہر جہت بہر جہتش مسندیم ما

ہماری ذات اور صفات سب محبوب سے منسوب ہیں۔ ہر سمت اور ہر جہت سے ہمارا رخ اسی کی جانب ہوتا ہے (یعنی ہماری ذات و صفات سب اسی کا عکس ہیں)۔

پیداست سرِ عشق ز بطن بطونِ من　　　از بہر طفل معرفتش والدیم ما

میرے بطون کے بطن سے سرِ عشق پیدا ہوا ہے۔ اسکی معرفت کے بچہ کی گویا ہم ماں ہیں (یعنی جس طرح ماں کے بطن سے بچہ پیدا ہوتا ہے اسی طرح اسرارِ عشق و معرفت میرے بطون سے ظاہر ہوئے ہیں)۔

بیباک گشتہ ایم ز شور جہاں نیاز　　　دست از خودی فشاندہ ز خود بیخودیم ما

اے نیاز اب ہم دنیا کے شور وغل یا ہما ہمی سے بےتعلق ہو گئے ہیں۔ اپنی خودی سے ہاتھ جھاڑ کر اب ہم خود سے بےخود ہو گئے ہیں۔

غزل

دینِ مغاں گرفتہ و خوش کافریم ما　　　مستیم و میکشیم ز خود مدبریم ما

مے فروش کا دین میں نے اختیار کیا اور بہت اچھا کافر[1] بنا۔ اب مست ہوں۔ میکش ہوں اور خود سے میں نے چھٹکارا پا لیا ہے (مغاں مغ کی جمع ہے۔ مغ شراب بیچنے والے کو بھی کہتے ہیں

اور آتش پرست کو بھی۔ مُد بر یعنی واپس آنے یا جانے والا۔ جو پیٹھ پھیر لے۔ بدنصیب کو بھی کہتے ہیں۔ مے فروش اصطلاحاً مرشد کو کہا جاتا ہے۔ شراب مرشد کی تعلیمات ہیں۔ جو گھونٹ گھونٹ پلائی جاتی ہے۔ ان تعلیمات پر عمل کرنے سے ایک قسم کا نشہ یا بے خودی پیدا ہوتی ہے جس سے خودی مٹ جاتی ہے)۔

از فرقہائے تفرقہ بس منکریم ما　　　باجمع اہل جمع موافق تریم ما

میں تفرقہ کے فرقوں سے انکار کرتا ہوں (مجھ کو پسند نہیں)۔ اہل جمع سے مجھے اُلفت ہے۔ (اہل تفرقہ وہ لوگ ہیں جو صرف خلق کو دیکھتے ہیں اس میں حق کو نہیں دیکھتے۔ اہل جمع وہ ہیں جو خلق میں حق کو دیکھتے ہیں۔)

دانا کشیم و دشمن عقلیم بالیقین　　　گردن زنِ تن و دل و جاں پروریم ما

میں نے اپنی دانائی کو مار دیا ہے اور بالیقین اپنی عقل کا دشمن ہوں کہ جس نے میرے تن۔ دل اور جان کو قتل کیا اسی کی میں پرورش کرتا ہوں۔ (یعنی محبوب کہ جس کے غمزوں اور اداؤں نے مجھے مارا اسی پر جان دیتا ہوں) (گردن زن = معنی جلاد۔ گردن اڑانے والا)۔

رندیم و بیخودیم و ز خود آشنانہ ایم　　　وزخطرہای وہم صفا خاطریم ما

ہم رند ہیں۔ بے خود ہیں اور خود اپنے کو بھی نہیں جانتے۔ وہم کے خطروں سے ہمارا دل اب صاف ہے۔

از جلوہ ہائے حُسن بچشمِ نگاہ دل　　　در سخت حیرتیم و بلاششدریم ما

دل کی آنکھوں سے جب تیرے حسن کے جلووں کو دیکھا تو سخت حیران و ششدر ہو گیا۔

از تابشِ شعاعِ جمال و جلال یار　　　آتش گرفتہ از کف پا تا سریم ما

یار کے جلال و جمال کی شعاعوں کی تپش سے سر سے پاؤں تک آگ لگ گئی۔

باکے زپُرسرانِ خیالم نیاز نیست　　　جاں را بکف نہادہ وخوش بے سریم ما

میرے خیالوں کے سرکس سے بھرے ہوئے ہیں۔ وہ نیاز نہیں ہے اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھے ہوں اور خوش ہوں کہ بے سر ہوں۔ (یعنی وسواس و خطرات سروں میں یعنی خیالات میں بھرے ہوتے ہیں۔ لیکن الحمدللہ کہ وہ سر میرے پاس ہے ہی نہیں جسمیں یہ وساوس بھرے ہوں)۔

لے: کافر سے وہ سالک مراد ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ ذات

کی صفات عین ذات ہیں۔ ذات سے الگ نہیں۔ ذاتِ حق ہر جگہ ہے۔ ذاتِ حق کے سوا کوئی شے موجود نہیں جو وحدت میں رنگ کر ماسوا سے پاک ہو جاتا ہے۔ یہی مرشد کا دین ہے۔ کفر کے معنی چھپانا کے بھی ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ مرشد کے دین کو میں چھپانے والا ہوں کیونکہ یہ اسرار و رموز ہوتے ہیں۔ نام و نمود کا دین جس میں بناوٹ ہو، کفر سے بدتر ہے۔ عبادت میں اگر عشق و محبت کا عنصر نہیں تو وہ دین نہیں۔ امیر خسرو فرماتے ہیں۔

کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست　　　ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست

(یعنی میں عشق کا کافر ہوں مجھے مسلمانی نہیں چاہیئے۔ میری ہر رگ دھاگا بن گئی ہے اسلئے زنار کی ضرورت نہیں)۔

خود حضور قبلہؒ فرماتے ہیں۔

کافرِ عشق ہوں میں بندۂ اسلام نہیں　　　بت پرستی کے سوا اور مجھے کام نہیں

مطلب یہ کہ میں عشق کا چھپانے والا ہوں یعنی عاشق صادق۔ بندۂ اسلام سے مراد بے عشق اسلام ہے جس میں زہد و تقویٰ محض نمائشی ہوتا ہے۔ ریا کاری اسلام نہیں ہے۔ بت پرستی سے مراد حسنِ حقیقی کی پرستش ہے جو ذرہ ذرہ میں جلوہ گر ہے۔

غزل

بمرآت جہاں بنمود جاناں روئے زیبارا　　　برنگ دیگر و شانِ دگر ہر پیر و برنارا

میرے محبوب نے اپنا خوبصورت چہرہ اس کائنات کے آئینہ میں دکھایا۔ ہر ضعیف و جوان کو الگ رنگ اور الگ شان میں نظارہ کرایا۔

(ذات عالمِ تنزیہہ میں غیر مرئی ہے یعنی علیٰ حالہ اسے دیکھا نہیں جا سکتا۔ صرف شانِ تشبیہہ میں وہ لائقِ دید ہے۔ عالمِ تشبیہہ یہی کائنات ہے۔ کائنات اسکے اسماء و صفات کا نام ہے۔ ہر شکل اسی کی ہے۔ ہر صفت اسی کی ہے۔ ہر نام اسی کا ہے۔ تعینات کے باعث وہ مختلف شانوں میں نظر آتا ہے۔ یہ پوری کائنات گویا آئینہ خانہ ہے۔ ہر شکل ایک آئینہ ہے۔ ناظر صرف وہی ہے۔ لیکن ہر شکل ایک دوسرے سے رنگ و روپ میں ایک دوسرے سے مختلف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آئینہ کے مختلف رنگوں اور مختلف شکلوں کی وجہ سے ہر آئینہ میں شکل مختلف نظر

آتی ہے لیکن حقیقت بیں نظریں جانتی ہیں کہ فرد صرف ایک ہی ہے)۔

اعیسِ اہلِ ایماں ہم شدو ہم یار بیدنیاں　　　　بنائے کعبہ راہم ساخت ہم دیر وکلیسارا

میں اہلِ ایمان کا ساتھی بھی ہوں اور بے دینوں کا دوست بھی۔ کعبہ کی بھی بنیاد رکھی تو بت خانہ اور کلیسا کی بھی بنیاد رکھی۔

بہ پشتِ پارسایاں بارِتقویٰ برنہادست او　　　　بجانِ میکشاں انداخت مہر جام وصہبارا

زہد وتقویٰ کا بوجھ اس نے متقی اور پارسا لوگوں کی پیٹھ پر رکھا اور میکشوں کی خاطر تواضع جام و شراب سے کی۔

بنور آفتاب روئے اوہر ذرہ تابانست　　　　نہ تنہا ماہ کنعانے کہ بنمودہ زلیخارا

اس آفتاب جیسے چہرہ کی روشنی سے ہر ذرہ روشن ہے۔ وہ کوئی ماہ کنعان نہیں کہ صرف زلیخا دیکھ سکیں۔ (کوئی ایک فرد نہیں بلکہ سب اسے دیکھ سکتے ہیں کیونکہ وہ ہر جگہ موجود ہے۔ کسی واحد جگہ وہ مقید نہیں ہے۔ بلکہ کائنات کے ہر ذرہ میں وہ جلوہ گر ہے)۔ (ماہ کنعان = حضرت یوسفؑ)

بقومی فقر فخری خاکساری کردہ ارزانے　　　　بجمعی تاج فغفوری و جاہ وحشمتِ دارا

کہیں ایک گروہ کو "الفقر فخری" کے مطابق خاکساری عطا کرتا ہے تو کہیں ایک طبقہ شان و شوکت اور تخت وتاج کا علمبردار ہے۔

بہر ملکے دگر راہے و رسمے دیگرے دارد　　　　بہر طرفے معیّن ساختہ افواجِ اسمارا

ہر ملک میں الگ الگ اسکے طریقے اور رسم ورواج ہیں۔ "اسما" کی فوج ہر طرف مقرر ہے۔ (اسما کی فوج سے مراد یہ ہے کہ کائنات میں ہر اسم اسی کا ہے۔ اتنے وسیع جہاں میں ناموں کا کوئی شمار نہیں۔ اسطرح ناموں کی گویا فوج ہے جس کا مسمیٰ صرف وہی ہے ہر جگہ وہ مختلف ھیئتوں اور مختلف حالتوں میں نظر آتا ہے۔ کوئی ملک ہو۔ کوئی جگہ ہو۔ کوئی رسم ہو۔ کوئی رواج ہو سب اسی کی شانیں ہیں)۔

نیاؔز ازفیضِ جود اوست پر معمورۂ عالم　　　　کہ ازتحت الثریٰ بنواخت تافوق الثریارا

نیاز پورا عالم اسکے فیوض وعنایات سے بھرا ہوا ہے۔ تحت الثریٰ سے ثریا (یعنی انتہائی بلندیوں) تک اسکی نوازشیں ہیں۔

غزل

الایا أیُّها السَّاقی بنوشان جام می مارا   کہ نشناسم زمدہوشی سرازپاوز سرپارا

اے ساقی اٹھ اور ہمیں شراب کا جام پلا کہ مدہوشی میں سرکو پیر سے اور پیر کو سر سے نہ پہچان سکیں (یعنی اتنا مدہوش ہو جاؤں کہ خود اپنے کو بھی نہ پہچان سکوں)۔

سراپا بیخودم گرداں زقیدِ ہستیم برہاں   چہ دربندِ خودی خود یافتم جملہ بلاہارا

مجھے سراپا بے خود بنا دے اور اپنی ہستی کی قید سے رہائی دلا کیونکہ اپنی خودی کی قید سے ہی میں نے اپنے کو تمام بلاؤں میں گرفتار پایا۔

بلائے بند ہستی سخت عقد مشکلے دارد   کہ مشکل مینماید حل اوہر پیر و برنارا

اپنی ہستی کی قید بہت مشکل مرحلہ ہے کہ اس کا حل ہر پیر و جوان کے لئے مشکل نظر آتا ہے۔

درین مشکل کشائی بازوے حکمت چہ کارآید   نمی بینم توانائیش اِلَّا جام صہبارا

اس مشکل کو حل کرنے کیلئے کوئی ہوشیاری یا عقلمندی کام نہیں آتی صرف شراب کا ایک جام توانائی بخشتا ہے۔

بیاو جلوہ گر شوبردلم ای راحتِ جانم   دگرمپسند برمن وعدۂ امروز و فردارا

اے راحتِ جاں (محبوب) آ اور میرے دل پر جلوہ گر ہو۔ آج اور کل کے وعدہ پر اس کو نہ ٹال۔

سریردل بملکِ تن مہیّا دارم ولیکن   گزیرے نیست گرنا ید پسند آں شاہ زیبارا

جسم کے ملک کے لئے دل کا تخت موجود ہے۔ اس بادشاہ حسن وخوبی کیلئے اب کوئی عذر نہیں کہ وہ اسے ناپسند کرے۔

پروایم چہ پروائیست آنکس را کہ بی پرواست   نہ بارم در جناب اوست نہ بارست پروارا

جو شخص خود بے پروا ہو وہ ہماری پروا کی کب پروا کرے گا۔ نہ انکی جناب میں مجھے حاضری کی اجازت ہے نہ میری پروا کو اجازت ہے (یعنی اس کو میری کوئی پروا نہیں) (''پروا'' کی تکرار رعایت لفظی کا حسن ہے)۔

نہادی داغ اندر سینۂ مہتاب شب افروز   براَفگندی زعارض چوں نقاب زلفِ دوتارا

رات کو روشن کرنے والے چاند کے سینہ پر تو نے داغ رکھ دیا جب تو نے اپنے چہرہ سے اپنی

زلف کی نقاب اٹھا دی (تیرے چہرہ کی روشنی دیکھ کر چاند میں بھی داغ لگ گیا)۔

چہ بے صبریست یارب ویں چہ بیتابی کہ من دارم　　　مبادا این حالتم ہرگز بقسمت گبروترسا را

یا رب مجھے کیوں بے صبری اور کیوں یہ بے تابی ہے کہ گبروترسا (یعنی کفار) کی قسمت میں بھی یہ حالت نہیں۔

بشبہای فراق تو و در روزانِ مہجوری　　　اگر بیند مراصد پارہ گردوسینۂ خارا

اگر میری جدائی کی راتوں اور فراق کے دنوں کو سخت پتھر بھی دیکھ لے تو پارہ پارہ ہو جائے۔

نیاز و انکسار و عجز و من ازحد گزرکردہ　　　بدہ یک ذرّہ بارے بدرگاہِ خودم یارا

نیاز اور عجز و انکساری اب حد سے بڑھ گئی ہے۔ اے دوست اپنی درگاہ میں ایک ذرہ برابر حاضری کی اجازت دے دے۔

غزل

بیا ای ساقیِ زیبا و پُر کن جام صہبارا　　　پیاپی دہ بما و بیخبر گردان زما مارا

اے حسین ساقی آ اور میرا جامِ شراب بھر دے۔ مجھے جام پر جام دے تاکہ میں خود اپنے سے بھی بے خبر ہو جاؤں۔

جمال حُسنِ روی خود بمشتاقان خود بنما　　　برافگن ازرخ وعارض نقاب زلف دوتارا

اپنے عاشقوں کو اپنے چہرہ کے حسن کا جمال دکھا اپنے چہرہ سے اپنی زلفوں کی نقاب الٹ دے۔(زلفوں کی نقاب یعنی تعینات کے پردے)

گداؤ بینوایم بیسرو برگیست سامانم　　　نخواہم ملکِ اسکندر نہ جاہ وحشمتِ دارا

میں گدا اور بے نوا ہوں، بے سرو سامان ہوں۔ مجھے نہ تخت سکندری (بادشاہت) چاہیے نہ (کسی قسم) دارا کی شان وشوکت۔

غمِ ہجراں مراکشت و قیامت برسرم آورد　　　بیا بنگر بحال ماوبنشاں فتنہ برپارا

جدائی کی راتوں نے مجھے مارا اور میرے سر پر قیامت گزر گئی۔ آ اور میرا حال دیکھ اور جو فتنہ تو نے برپا کیا ہے اس کو بھی دیکھ۔

شب انگور آمد اندر چشم من درحال مخموری　　　بجیب آسماں دیدیم چوں عقد ثریارا

میری آنکھوں میں انگور کی رات اتر آئی (گویا بہت شراب پی لی کہ آنکھوں میں خمار اتر آیا) اور اس حالت مخموری (نشہ کی زیادتی) میں آسمان کی جیب (دامن یا پیراہن) میں عقد ثریا (ستاروں کا جھرمٹ) کو دیکھا۔ (''جیب'' زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی کیسہ یا پاکٹ یا دامن کے ہوتے ہیں اور اگر زبر کے ساتھ پڑھا جائے یعنی ''جَیب'' تو گریبان۔سینہ یا پیراہن معنی ہوتے ہیں۔مراد یہ ہے کہ نشہ کی زیادتی میں آسمان کی بلندیوں سے بھی اوپر پہنچ گیا۔)

بگوشم کے کند جا وعظ و پندواعظ و ناصح　　　کہ درمستان بنا شد قدروعزت مردداناارا

ناصح کے وعظ اور اس کی نصیحتیں میرے کانوں پر کیا اثر کرسکتی ہیں کہ مستوں کے نزدیک عقلمندوں کی کوئی قدر وعزت نہیں ہوتی۔

نیاز اندر طریق خاکساری خوشروان میباش　　　شوودلدارت آخر نرم گو سخت چوں خارا

اے نیاز عجز و انکسار سے خوشیاں حاصل ہوتی ہیں کہ تیرا محبوب خواہ پتھر کی طرح سخت ہو لیکن آخر وہ نرم ہوجاتا ہے۔

غزل

بس جامۂ خوں کشتۂ شمشیر جفارا　　　پیراہن سرخست لباس شہدارا

ظلم کی شمشیر کے مارے ہوئے لوگوں کے لئے خون کا لباس کافی ہے۔شہیدوں کا لباس سرخ پیراہن ہوتا ہے۔

یک ناخنۂ دیدۂ چرخست مہِ نو　　　نظار گئی ابروی خمدار شمارا

تمھارے خمدار ابرو دیکھنے میں ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے آسمان کی آنکھ میں نیا چاند یعنی ہلال ایک ناخون کی طرح ہو۔

(ناخنہ آنکھ کی ایک بیماری کو بھی کہتے ہیں جس میں سفیدی مائل گوشت آنکھ کے کونوں میں پیدا ہوجاتا ہے۔)

اندر بغل آوردہ ام اینک دل بریاں　　　تاباسگِ کوی توکنم پیش مدارا

میں اپنا دل اپنے پہلو میں لایا ہوں تاکہ تیری گلی کے کتوں کے آگے ان کی خاطر تواضع میں پیش کروں۔

گیسوست بروی تو ویا شب برخ روز   یا اسود زنگیست بہم ترک ختارا

تیرے چہرے پر گیسو ایسے ہیں جیسے دن کے چہرے پر رات یا جیسے نہایت سیاہ حبشی کسی ختا کی حسینہ کے ساتھ ہو۔ (زنگی = حبشی۔ مراد نہایت سیاہ + ختا = چین کا ایک شہر جہاں کا حسن مشہور ہے۔)

مستِ مِی ناب تو بہوش آمدنی نیست   لا یخمر من کاسک من کان سُکارا

میں تیری شراب کے نشہ میں مست ہوں میرا ہوش میں آنا ممکن نہیں۔ میں کسی بھی جام سے شراب پیوں مجھے نشہ نہیں آ سکتا۔

چوں شمع سراپا بسر گریہ و آہم   من نارک قد صرت دُخانا و بخارا

مثل شمع کے میں مجسم گریہ (رونا) اور آہ ہوں۔ تیری آگ سے میں بالکل دھواں اور بھاپ ہوگیا ہوں۔

روزی بتماشای رخش جوش زدم من   اجریت من العین عیونا و بحارا

ایک دن اس کے چہرے کو دیکھنے کا مجھے جوش آیا۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

ہر قطرۂ اشکے کہ فرو ریختم از چشم   قد کان من القلب مذابا و سمنارا

ہر قطرہ جو میں نے آنکھ سے بہایا وہ بالیقین قلب سے پگھلا ہوا اور چراغ دان جیسی تپش رکھتا تھا۔

چو دید سرشکم شفقے گفت بیاراں   ہادور کنید این کس پر مکرو دغارا

اس ظالم نے جب میرے آنسوؤں کے قطرے دیکھے تو اپنے دوستوں سے کہا کہ اس مکار اور فسادی شخص کو دور کردو۔

زین پیش کسی اشک بدین رنگ ندیدہ است   دزدیدہ مگر از کفِ من رنگ حنارا

اس سے پہلے کسی نے اس رنگ کے آنسو نہیں دیکھے۔ شاید اس نے میری ہتھیلیوں سے مہندی کا رنگ چرایا ہے۔

یارب چہ کنم چارۂ خود ہیچ ندارم   ایں زندگی تلخ بمن نیست گوارا

یا اللہ میں اپنا علاج کیا کروں کہ اس کا کوئی علاج نہیں۔ یہ تلخ زندگی مجھے قطعی گوارا نہیں ہے۔

رحمی بہ نیاؔز ای شہ بیداد و ستمگر   تاکے ندہی داد بفریاد گدارا

اے ظلم وستم کے بادشاہ نیاؔز پر رحم کر۔ فقیر کی فریاد کو تو کب تک انصاف نہیں دے گا۔

غزل

عشقت آنست کز د نام و نشانم باقیست　　　　گرچہ فانی شدہ ام ذکر و بیانم باقیست

میرا عشق ایسا ہے کہ میرا نام و نشان اس سے باقی ہے۔ اگرچہ میں فنا ہو چکا ہوں لیکن (عشق کی بدولت) میرا ذکر و بیان باقی ہے (عشاق کی محفل میں میرا ذکر ہوتا رہتا ہے)۔

گوہر ہستی من گرچہ حباب آسا ہست　　　　ذاتِ حق کان من و بحر روانم باقیست

میری ہستی کا موتی اگرچہ حباب کی طرح ہے (جو مٹ جانے والا ہے) لیکن ذات حق میری کان ہے (جہاں موتی ہمیشہ رہتا ہے) اور میں بہتے ہوئے سمندر کی طرح باقی ہوں (جس کو فنا نہیں ہے)۔

محفل ساغروی مطرب و نی آخر گشت　　　　مستی و وجدِ دل رقص کنانم باقیست

ساغر۔ شراب۔ مطرب (گانے والا)۔ ساز کی محفل ختم ہوگئی لیکن رقص کناں دل کی مستی و وجد باقی ہے۔

شعلۂ نور قِدم بردل طورم تابید　　　　سوختم خاک شدم سوزشِ جانم باقیست

نورِ قِدم کا شعلہ میرے دل کے طور پر چمکا (جس کے نتیجہ میں) میں جل گیا، خاک ہوگیا (کہ میرا وجود بھی نہیں رہا) لیکن دل کا سوز بدستور باقی ہے۔

(نورِ قِدم کا مطلب ہے ہمیشہ رہنے والا نور یعنی نورِ ذات احدیت جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ حق تعالیٰ کے وجود کا حکم مخلوقات کے وجود پر متقدم ہونا ''قِدم'' ہے۔ اسکی ضد ''حدوث'' ہے یعنی مخلوقات اپنے وجود اور ایجاد کے لئے کسی موجد کی محتاج ہے۔
اسی نور کی تجلی حضرت موسیٰ نے کوہ طور پر دیکھی تھی۔ میرا دل گویا کوہ طور کی طرح تھا جس پر وہ نورِ قِدم چمکا)۔

گر نماندیم درین دیرچہ باکست نیآز　　　　کز ازل تا بہ ابد جانِ جہانم باقیست

اے نیآز اگر میں اس بتکدہ میں نہ بھی رہا (دنیا میں نہ بھی رہا) تو کیا پروا ہے۔ میرا جان جہاں (محبوب) ازل سے ابد تک باقی ہے (اسکو فنا نہیں ہے) یا میرے جہان یعنی میری کائنات کی جان (روح) ازل سے ابد تک باقی رہنے والی ہے۔

غزل

رفتم اندر تہِ خاک اُنسِ بتانم باقیست　　　عشق جانم بربود آفتِ جانم باقیست

میں خاک کے نیچے چلا گیا لیکن بتوں کی محبت باقی ہے۔عشق نے میری جان لے لی لیکن میرا آفتِ جان باقی ہے۔

(بت بہت وسیع المعانی لفظ ہے۔تفصیل یہاں ممکن نہیں۔صوفیا کے کلام میں یہ لفظ کافی استعمال ہوتا ہے اور اس سے متعلق بہت سے الفاظ اور ان کے مرکبات مثلاً بُت خانہ، بتکدہ، بت پرست وغیرہ مستعمل ہیں۔پتھر سے تراشی ہوئی مورتی جو بُت کہلاتی ہے یقیناً مقصود نہیں ہے۔صوفیا کے نزدیک ہر شے جس پر ماسوا کا اطلاق ہو ہستی مطلق کی مظہر ہے۔ہر صنعت اپنے صانع پر اور ہر تعین اپنے متعین پر دلیل ہے۔ہر صورت کے اندر روح اور ہر مجاز کی تہہ میں حقیقت ہے ۔

درون ہر بتے جانے است پنہاں　　　بزیر کفر ایمانے ست پنہاں

(ہر بُت کے اندر جان چھپی ہوئی ہے۔ہر کفر کے نیچے ایمان پنہاں ہے)

اسلئے صوفی کے نزدیک ہر مظہر بُت ہے اور یہ کائنات ایک بتخانہ ہے جہاں ہر جگہ ایک بُت نصب ہے۔جو چیز خدا کی جانب رہنمائی کرے بُت ہے۔چونکہ کائنات کی ہر چیز واحد حقیقی کی مظہر ہے اور ہر چیز اسی کی جانب رہنمائی کرتی ہے اسلئے ہر چیز بُت ہے چنانچہ ہر مَظہر میں مُظہر کو دیکھنا بت پرستی ہے۔

مجاز میں معشوق کو بھی بُت کہتے ہیں۔صوفیا بھی اپنے مطلوب کو کبھی بُت سے تشبیہہ دیتے ہیں۔جب کائنات میں جملہ مظاہر بُت ہیں اور جملہ مظاہر کی اصل ایک ہے تو تمام بتوں کی اصل بھی لازمی طور پر ایک ہی بُت ہونا چاہیئے اسلئے بُت سے کبھی وحدت یا جمعیت وحدت ذاتیہ کی جانب اشارہ ہوتا ہے کبھی انسان کامل کی جانب)۔

سروسامان وجودم شررِ عشق بسوخت　　　زیرِ خاکسترِ دل سوزِ نہانم باقیست

میرے وجود (ہستی) کے سروسامان کو عشق کی آگ نے جلا دیا لیکن اس جلے ہوئے دل کی خاک کے نیچے سوزِ نہاں (چھپی ہوئی جلن) باقی ہے۔

کاروانم ہمہ بگوشت زمیدانِ شہود　　　ہمچونقشِ کفِ پانام و نشانم باقیست

تمام قافلہ ”میدان شہود“ (یعنی اس موجود دنیا) سے گزر گیا لیکن کفِ پا کے نشانات کی طرح

صرف میرا نام ونشان باقی ہے۔یعنی عالم کا وجود نقش کفِ پا کی طرح نام ونشان کے سوا کچھ نہیں ہے(شہود کے معنی ہیں جو حاضر ہے موجود ہے) عالم شہود یہ دنیا کہلاتی ہے جہاں اشیاء اپنے مادّے اور مقدار کے ساتھ موجود ہیں۔

ہستیم جملہ خیالست بتمثال سراب　　　بالیقین من نیم و وہم وگمانم باقیست

میری ہستی تمام تر خیال ہے۔ بالکل سراب کی طرح۔حق یہ ہے کہ میرا خود کا کوئی وجود نہیں صرف وہم وگمان باقی ہے۔

(ہمیں کائنات میں جو کچھ نظر آرہا ہے وہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے جیسا دکھائی دیتا ہے بلکہ اس کی حقیقت کچھ اور ہے۔ جیسے سراب بظاہر پانی معلوم ہوتا ہے لیکن پانی ہوتا نہیں۔ یہ محض فریب نظر ہے۔کائنات میں ایسی مثالیں بہت ہیں۔ چاند ستارے چمکتے نظر آتے ہیں لیکن حقیقتاً وہ ٹھوس اور جامد اجسام ہیں۔ پانی بظاہر مائع نظر آتا ہے لیکن وہ دراصل دو گیسوں کا مرکّب ہے۔ سورج کی روشنی سات رنگوں سے مل کر بنی ہے۔قوس قزح کا بھی اپنا وجود کچھ نہیں ہے۔ زمین قائم نظر آتی ہے اور سورج متحرک معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت اسکے برعکس ہے۔ایسی مثالوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔یہی حال ہمارے وجود اور کائنات کا ہے۔کائنات کی حقیقت حق ہے۔اسی کے تعینات ہیں جو ہمیں بظاہر نظر آتے ہیں لیکن اسکی اصل ذات ہے۔مختلف مظاہر میں وہی جلوہ فرما ہے۔ یہ فریب نظر ہے جو ہم کسی ''شے'' کو ''شے'' سمجھتے ہیں)۔

طمع فاتحہ از خلق ندارم اے نیازؔ　　　عشقِ من در پسِ من فاتحہ خوانم باقیست

اے نیازؔ مجھے قطعی اسکی لالچ نہیں کہ لوگ مجھ پر فاتحہ پڑھیں۔ اسلئے کہ خود میرا عشق مجھ پر فاتحہ خوانی کے لئے موجود ہے جو ہمیشہ مجھ پر فاتحہ پڑھتا رہے گا۔

غزل

خیال دوست دردل آنچنانست　　　کہ عالم جملہ از چشم نہانست

محبوب کا خیال دل میں اس قدر بسا ہوا ہے کہ تمام عالم میری نظروں سے نہاں ہے (سوائے اسکے کوئی دوسرا خیال ہی نہیں آتا)۔

اگر خواہم کہ بینم خویشتن را ہمیں بینم کہ جانانم عیانست

اگر میں خود اپنے کو بھی دیکھنا چاہوں تو میں یہی دیکھتا ہوں کہ میرا محبوب ہی مجھ میں بھی عیاں ہے۔

بہیں در صورتم باچشم تحقیق حقیقت را مجازم نردبانست

میری صورت کو غور اور تحقیق سے دیکھو۔ یہی مجاز حقیقت کی سیڑھی ہے (حقیقت تک پہنچنے کے لئے مجاز ہی ذریعہ ہے)۔

حدیث ہے "خلق آدم علیٰ صورتہٖ" (مسلم بروایت ابو ہریرہؓ) یعنی آدم کو اس نے اپنی صورت پر پیدا کیا۔ گویا انسان کی یہی مجازی صورت اگر چشم حق بیں سے دیکھی جائے تو اللہ کی صورت ہے)۔

وجود الکُلِ عندی فی خیالٍ نمودِ ماسوا وہم و گمانست

میرا پورا وجود صرف خیال میں ہے۔ ماسوا کی نمود (نظر آنا) صرف وہم وگمان ہے۔

بلائی ہستیت ایں عالم آشوب عدم شہریست کودارالامانست

یہ عالم آشوب (پریشانیوں، دکھوں اور شوروغل کی دنیا) تیرے لئے بلائے جان ہے۔ صرف عدم (فنا) کی دنیا تیرے لئے دار الامان (امان کی جگہ) ہے۔

اگروانی کہ ہر شی ہست لاشے بداں کہ ہر مکان ہم لا مکانست

اگر تو جانتا ہے کہ ہر شے لا شے ہے (یعنی ہر چیز "کچھ نہیں" ہے) تو یہ بھی سمجھ لے ہر "مکان" "لا مکان" ہے۔

دلا سّرِ حقیقت کس نداند مگر صاحب دلے کو رمزدانست

اے دل حقیقت کا راز کوئی نہیں جانتا۔ صرف وہی صاحب دل جانتا ہے جو اسرار کا جاننے والا ہے۔

باین و آں نشانِ او مجوئید کہ بیروں ذات اوازِ این و آنست

اسکا نشان "این و آں" میں مت ڈھونڈو کہ وہ ذات "این و آں" سے کہیں بلند ہے (این و آں سے مراد استدلال و براہین، بحث و مباحثہ ہے)۔

نیاز این گفتگو ازمن مپندار کہ نے گفتار نائے را زبانست

نیاز اس گفتگو کو میری جانب سے مت سمجھ کہ بانسری کی آواز خود ہی نَے نواز کا کلام اور اسکی زبان ہوتی ہے۔

سازوں میں سب سے زیادہ ذکر صوفیا نے نے کا کیا ہے۔ چند خصوصیات نۓ یعنی بانسری میں ایسی ہیں جو دوسرے سازوں میں نہیں۔ (۱) ایک تو یہ کہ وہ اندر سے خالی ہوتی ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ اس کے سینہ میں سوراخ ہوتے ہیں۔ (۳) تیسری سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ نۓ میں بذاتِ خود کوئی آواز نہیں ہوتی نۓ نواز کی آواز ہوتی ہے جو خوبصورت نغموں میں ڈھل کر نکلتی ہے خود حضرت شاہ نیاز فرماتے ہیں۔

بشنو از من کہ ہر مثال نیم　　نالہ سوز و سازی نالم
نائیم بانگ می زند ہر دم　　ہر چہ گوید بر آید از دہنم

یعنی مجھ سے سنو کہ میں نۓ کی مثل ہوں سوز و ساز کے نغمے مجھ سے نکلتے رہتے ہیں۔ نۓ نواز کی آواز ہر دم آتی ہے جو کچھ وہ کہتا ہے وہ میرے (یعنی بانسری کے) منھ سے نکلتا ہے۔ یعنی آواز نۓ نواز کی ہوتی ہے لیکن وہ آواز بانسری سے نکلتی ہے اس کی تشریح میں آپ فرماتے ہیں کہ میں جو حقائق و معارف بیان کرتا ہوں وہ دراصل میرے بیان کردہ نہیں ہیں بلکہ بیان کسی اور کا ہے۔ اُس کا جو ہر جگہ ہے۔ بانسری کے نغمات خود بانسری کی آواز نہیں ہوتی بلکہ بانسری نواز کی آواز ہوتی ہے۔ بذاتِ خود بانسری کا نہ کوئی نام و نشاں ہے۔ نہ کوئی حکایت و بیاں ہے۔ نے کی ایک جہت اسم ہے اور ایک جہت ذات۔ اسم کی جہت یہ ہے کہ نے کے معنی بعض موقعوں پر نفی کے ہوتے ہیں۔ یعنی اپنے وجودِ عارضی و وہمی کی نفی۔ ذات کی جہت یہ ہے کہ نۓ خود خالی ہوتی ہے۔ جو کچھ نغمات و الحان اس سے منسوب ہوتا ہے وہ دراصل نۓ نواز سے صادر ہوتے ہیں۔ سالک بھی خود سے خالی اور دوست سے پُر ہوتا ہے۔ افعال و اخلاق اوصاف سب حق کے ہوتے ہیں۔ جو اس کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ مولانا روم اپنی مثنوی اس طرح شروع کرتے ہیں۔

بشنو از نۓ چوں حکایت می کند
وز جدائیہا شکایت می کند

(شمس العین)

اس طرح نۓ یعنی بانسری انسانِ کامل۔ صاحب حال درویش۔ و اصلانِ حق کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جو از خود تہی اور از حق باقی ہیں۔ جن سے خود کوئی آواز نہیں نکلتی بلکہ نۓ نواز کی آواز ہوتی ہے۔

نئے سے مراد قلم بھی ہے۔ جس سے باطن ظہور میں آتا ہے۔ قلم حقیقتِ محمدیؐ ہے جس کے ذریعہ سے ذات کا ظہور ہوا۔ مولانا جامی فرماتے ہیں۔

کیست نےَ آں کس کہ گوید دم بہ دم
من نیم جز موجِ دریائے قدم

(یعنی نئے کون ہے وہ شخص جو دم بدم کہتا ہے کہ میں خود کچھ نہیں ہوں سوائے دریائے قدم کی موج کے)

غزل

یار مارا ہر زماں نام ونشانے دیگراست　　　　کُلّ یومٍ صورتش در شکل وشانے دیگراست

ہر زمانہ اور وقت میں میرے محبوب کا نام ونشان مختلف ہوتا ہے اور ہر روز (ہر لحہ) اسکی صورت مختلف شکل وشان میں ہوتی ہے (قرآن پاک کا ارشاد ہے "کل یوم ھو فی شان")۔

در طلسمِ خلق بر گنجِ رخش گیسوئے اُو　　　　ہر طرف مارسیاہے پاسبانے دیگراست

اس کائنات کے طلسم خانہ میں اسکے چہرہ کے خزانہ پر اسکے گیسو مار سیاہ (کالے سانپ) کی طرح نگہبانی مختلف طریقوں سے کرتے رہتے ہیں۔

راہِ اُو از طالب دنیا و دِین کے سرشود　　　　طَی راہ عشق کار کاروانے دیگراست

اس کا راستہ اس دنیائے دوں (ذلیل دنیا) کے چاہنے والوں سے کب سر ہوسکتا ہے۔ عشق کا راستہ طے کرنے کے لئے کوئی اور ہی کارواں چاہیئے۔

من نہ تنہا جانفشانی پیش جاناں کردہ ام　　　　بر سرِ ہر تار مویش جانفشانے دیگراست

صرف تنہا میں نے ہی محبوب کے سامنے اپنی جان نہیں پیش کی ہے بلکہ اسکے گیسوؤں کے ہر تار پر ایک الگ جان دینے والا موجود ہے۔

از اسیران ہوائے حور جنّت نیستم　　　　بلبل عشقم مکانم آشیانے دیگراست

میں جنّت کی حور کی خواہش مندوں میں نہیں ہوں بلکہ میں عشق کا بلبل ہوں۔ میرا ٹھکانہ کوئی دوسرا ہی آشیاں ہے (جنّت، حور وقصور میری منزل نہیں ہے)۔

فارغ ازسودوزیانِ دین و دنیا گشتہ ام عاشقِ غمدیدہ راسودوزیانے دیگراست

میں نے دین و دنیا کے نفع نقصان سے چھٹکارا حاصل کر لیا ہے۔ایک غمزدہ عاشق کا نفع نقصان کچھ اور ہی ہوتا ہے (جس کا تعلق صرف محبوب سے ہے)۔

دیدہ بردیدار جانانست مارا دمبدم سینہ ام مجروح ہردم ازسنانے دیگراست

میری آنکھیں محبوب کے دیدار میں ہر لحہ لگی رہتی ہیں۔ (اسطرح) میرا سینہ ہر لحہ ایک نئے تیر سے زخمی ہوتا رہتا ہے(جب اسکو دیکھتا ہوں زخم تازہ ہو جاتا ہے)۔

بندۂ عشقم ندارم آرزوئے نام و ننگ آرزوہائی چنیں کارکسانے دیگراست

عشق کا بندہ ہوں۔ننگ و نام کی مجھے قطعی آرزو نہیں۔اور ہی قسم کے لوگ ہیں جو اس قسم کی (یعنی ننگ و نام کی) تمنا کرتے ہیں۔

مُرغ جانم کے فرود آید بہ بستانِ ارم مرغزارِ مرغِ جانم بوستانے دیگراست

میری جان کے مرغ کو جنت کے باغ سے کب سکون ملتا ہے۔اس مرغِ جان کا چمن دوسرے ہی قسم کا باغ ہے (جنت سے قطعی مختلف)۔

من جہانے غیرازیں ہردو جہاں بگزیدہ ام خارج زہر دو جہاں مارا جہانے دیگراست

میں نے اس دو جہاں کے علاوہ الگ اپنی دنیا منتخب کی ہے۔ ہماری دنیا ان دونوں جہانوں سے قطعی مختلف ہے۔

جسم و جانِ کاملاں نبود مثال ناقصاں عاشقان و عارفاں راجسم و جانے دیگراست

کامل لوگوں کا جسم و جان ناقص لوگوں کی طرح نہیں ہوتا ۔ عاشقوں اور عارفوں کا جسم و جان الگ ہوتا ہے۔

فیضیاب ازبارگاہ شیخ عبدالقادرؒ زین جہت مارا براہ فقرشانے دیگراست

میں نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے دربار سے فیض حاصل کیا ہے۔اسلئے فقر میں میری شان الگ (منفرد) ہے۔

سّرِ عشقش دربیان کس نیاید اے نیازؔ این چنین اسرار راشرح بیانے دیگراست

اے نیازؔ اسکے عشق کے راز کو کسی سے بھی بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اسرار ایسے ہیں کہ اسکی شرح کا بیان بالکل مختلف ہے (دوسروں کی فہم سے بالاتر ہے)۔

ل یہ اشارہ دراصل ''تجدد امثال'' کی طرف ہے۔ تجلی الٰہی آن واحد میں مکان واحد میں سکونت اور ترک سکونت کے عمل میں پیہم مصروف ہے۔ جیسے بجلی کا چمکنا اور چھپ جانا ایک تجلی آتی ہے اور پلک جھپکنے میں چلی جاتی ہے۔ دوسری وارد ہوتی ہے اور معاً غائب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تجلیات کا ظہور تواتر کے ساتھ اتنا سریع ہوتا ہے کہ تجلیات کے خفا کا ادراک دشوار ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تجلی ہی تجلی ہے خفا ہے ہی نہیں۔

مثال کے طور پر ریل اپنی پوری رفتار سے جا رہی ہے لیکن اس سفر میں ہر درجہ پر نقطہ پر ریل ساکن بھی رہی ہے اگرچہ نقطہ سکون بدلتا رہتا ہے۔ دریا اپنی جگہ قائم نظر آتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ پانی ایک آن بھی ایک جگہ قائم نہیں رہتا۔ ایک لہر آتی ہے اور چلی جاتی ہے اور یہ اس قدر تواتر کے ساتھ ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کو اسکا احساس بھی نہیں ہونے پاتا۔ وہ لہر پھر لوٹ کر اسی جگہ نہیں جاتی۔ اگر ایک پتھر پھینکا جائے تو وہ ہر آن ایک نئی جگہ ہوتا ہے اور پلٹ کر پھر اسی جگہ واپس نہیں ہوتا۔ جو لمحہ جاتا ہے پھر واپس نہیں آتا۔ اسطرح پوری کائنات ہر آن نئی نویلی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت حق سبحانہ ہر آن ہر لحظہ ایک نئی شان کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ اسکی اس تجلی میں تکرار نہیں ہے۔ یہی معنیٰ ''کل یوم ھو فی شان'' کے ہیں۔ جس کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے۔ اسکو'' کمون و بروز'' اور'' آمد و شد'' بھی کہتے ہیں۔

غزل

دمی کہ صانعِ تقدیر طینتم بسرشت   **سرشت خاکِ مرا با شراب صافی چشت**

جب تقدیر بنانے والے نے میری فطرت کو خلق کیا تو چشت کی صاف شراب کو میری خاک کی سرشت میں شامل کر دیا۔

بلوحِ طالع ہر کس نوشت کردارے   **بسر نوشتِ من بندہ نقش عشق نوشت**

ہر شخص کی تقدیر کی تختی پر اسکا کردار لکھا ہوا ہے۔ میری تقدیر کی تختی پر عشق کا نقش لکھا ہے (یعنی میری قسمت میں ''عشق'' لکھا)۔

درونِ سینۂ من رہ بسوی خود آراست   **نہ راہِ کعبہ روم نے کلیسا و نہ کنشت**

اپنے سینے کے اندر اس راستے کو آراستہ کیا جو خود میری طرف جاتا ہے۔ نہ میں کعبہ کی طرف گیا

نہ کلیسا کی طرف اور نہ کنشت کی طرف (کنشت یعنی یہودیوں کی عبادت گاہ)۔

بنور آتشِ مہرش دلم فروزان شد   برنگِ لعل بر آمد بسوختن انکشت

اس سورج کی آگ کی روشنی سے میرا دل روشن ہو گیا اور جب میرے دل کی کھیتی جلی تو اسکے جلنے سے (میرا دل) لعل کی طرح بر آمد ہوا۔

ز رنج و راحت ہستی گزشتہ در جائے   رسیدہ ام کہ در آنجا نہ دوزخست و بہشت

زندگی کے رنج و راحت سے گزر کر میں ایسی جگہ پہنچ گیا ہوں جہاں نہ دوزخ ہے نہ جنّت۔

نیاز را بمقامی کہ حق عطا فرمود   برابرست دُرِ بے بہا بریزۂ خشت

حق تعالیٰ نے نیازؔ کو جو مقام عطا فرمایا ہے وہ ایسا ہے کہ وہاں نہایت قیمتی موتی بھی خاک کے ایک ذرّہ کے برابر ہے۔

غزل

رقصم از نغمۂ ترانۂ اوست   مستیم از مئے مغانۂ اوست

اس کے ترانہ کے نغمہ سے میں محو رقص ہوں اور اس مے فروش کی شراب سے میں مست ہوں۔

شعلہ زن در متاعِ جان و دلم   آتشِ حُسنِ صد زبانۂ اوست

اسکے حسن کی آگ کا جھلسا دینے والا شعلہ میری متاعِ جان و دل کو جلا رہا ہے (زبانہ معنی شعلہ۔ صد زبانہ یعنی بہت تیز شعلہ)۔

مدت ہستیش چہ میپرسی   کز ازل تا ابد زمانۂ اوست

اس کی زندگی کی مدت کیا پوچھتے ہو۔ ازل سے ابد تک اسی کا زمانہ ہے (یعنی وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا)۔

آنکہ در دو جہاں نمی گنجد   دردلِ دردمند خانۂ اوست

وہ جس کی سمائی دونوں جہان میں نہیں ہوتی۔ دردمند کا دل اس کا گھر ہے۔

(اشارہ اس حدیث کی طرف ہے جس سے قلب کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ قلب لغوی طور سے تو اس عضلاتی حصہ کو کہتے ہیں جو صنوبری شکل میں پسلیوں کے درمیان آویزاں

ہے۔لیکن یہ اس کی ظاہری حیثیت ہے۔معنوی طور سے ''قلب'' بہت وسیع المعانی لفظ ہے اور قرآن پاک میں اصطلاحاً کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔حدیث قدسی ہے:

''لا یسعنی ارض ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدالمومن''

(یعنی مجھے زمین و آسمان کی وسعتیں اپنے اندر نہیں سما سکتیں لیکن میں بندہ مومن کے قلب میں سما جاتا ہوں)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا ہے'' میں ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہوں مجھے وہاں تلاش کرو''۔حقیقت یہ ہے کہ قلب کی وسعت عقلِ انسانی سے ماورا ہے۔جب ہی وہ محل الٰہی ہوسکتا ہے کیونکہ قلب کو عرش الٰہی بھی کہا گیا ہے۔بیت الرحمٰن بھی کہا گیا ہے۔حقیقتاً قلب سے مراد وہ علوم و معارف اور مبصرات و مدرکات ہیں جو قلب مومن کا خاصہ ہیں جس کی کوئی انتہا نہیں۔قلب وہ قوت خفیہ ہے جو حقائق الٰھیہ کا ادراک کرتی ہے۔قلب کو عرش یا بیت الرحمٰن سمجھنا جبھی ممکن ہے جب قلب کو لامحدود سمجھا جائے۔ایسا قلب جس میں حق تعالیٰ سما سکتا ہو اسی کا ہوسکتا ہے جس کو جمیع تجلیات ذاتِ الٰھیہ اسمائیہ حاصل ہوں۔حقیقتاً قلب سے مراد انسان کی وہ جہت ہے جہاں وہ ذات کا مظہر جامع ہے)۔

مولانا روم فرماتے ہیں ؎

حق نہ گنجد در زمین و آسماں ۔۔۔ در دل مومن بگنجد این و آں

(یعنی حق آسمان و زمین میں نہیں سماتا لیکن مومن کے دل میں سما جاتا ہے)

شاخ و برگ و شگوفہ و گل و خار ۔۔۔ جملہ روئیدگیِ دانۂ اوست

شاخیں، پتے، کلیاں، پھول اور کانٹے سب صرف ایک دانہ کی پیداوار ہیں۔

(شاخیں، پھول، پتے اور پورا درخت جو ہمیں نظر آتا ہے اگر غور کیا جائے تو یہ سب ایک بیج میں پوشیدہ تھے۔بظاہر ہمیں ہر چیز مختلف نظر آتی ہے۔اسی طرح یہ کائنات علم الٰہی میں موجود تھی۔گویا کائنات اسی کے مختلف اسماء و صفات کا نام ہے۔حقیقت سب کی ایک ہی ذات ہے جو مختلف صورتوں میں ظاہر ہے)۔

جز خدا نیست دیگرے موجود ۔۔۔ من و تو حیلہ و بہانۂ اوست

سوائے خدا کے دوسرا کوئی موجود نہیں۔''میں'' اور ''تو'' تو صرف (اُسکے اظہار) کا بہانہ ہے۔

باطن و ظاہر اوّل و آخر ! قبلۂ جانم آستانہ اوست

باطن وظاہر اول و آخر (سب وہی ہے)۔اس کا آستانہ میری جان کا قبلہ ہے۔

(اشارہ قرآن پاک کی اس آیت کی طرف ہے۔"ھوالاول والآخر والظاہر والباطن" یعنی وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن۔ایک باطنی اشارہ یہ بھی ہے کہ میرا قبلہ وہ ذات ہے اور وہ ذات اول و آخر ظاہر و باطن سب پر محیط ہے۔کسی ایک جگہ وہ مقید نہیں ہے)۔

خلق و عالم ز ماہ تا ماہی ! موجۂ بحرِ بیکرانہ اوست

یہ تمام خلق و عالم ماہ سے ماہی تک اس بحرِ بے کراں کی ایک موج کی طرح ہے۔

(ایک اشارہ تو یہ ہے کہ یہ تمام کائنات اسکے مقابلے میں ایسی ہے جیسے سمندر میں محض ایک لہر۔دوسرا اشارہ یہ ہے کہ موج سمندر ہی کا ایک حصہ ہے۔غور کیا جائے تو موج عین سمندر ہے۔اس طرح یہ تمام کائنات کی مختلف صورتیں عین ذات ہیں)۔

ماہ سے ماہی تک:۔خود حضرت شاہ نیاز اپنے ایک خمسہ کے مصرعہ" کوست با ماز ماہ تا ماہی" (یعنی کہ ماہ سے ماہی تک وہ ہمارے ساتھ ہے) کی تشریح میں فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ماہ سے ماہی ایک عمومی بیان ہے۔ ورنہ وہ ذراتِ عالم کے ہر ذرّہ میں موجود ہے چاہے وہ علوی ہوں یا سفلی۔عرش سے فرش اور ماہ سے ماہی تک اس کی معیت ایسی نہیں ہے کہ کہیں ہے اور کہیں نہیں ہے۔ بلکہ ہر ذرّہ کی قرب و معیت حق تعالیٰ کے ساتھ ہر طرح ہے۔ایسی معیت ہے جیسے بیج کو درخت کے ساتھ ہوتی ہے۔دوسرے لفظوں میں حق تعالیٰ ہمارے ساتھ ہر جگہ ہے۔ یعنی ہر مرتبہ میں خواہ وہ مرتبہ اعیانِ ثابتہ ہو یا اعیانِ خارجیہ۔ ماہ سے مراد مرتبہ کی بلندی ہے جو ماہ کی خصوصیت ہے اور یہ اشارہ مرتبہ اعیان ثابتہ کی طرف ہے اور ماہی سے مراد مرتبہ کی پستی ہے جو ماہی کی خصوصیت ہے اور یہ اشارہ اعیانِ خارجیہ کی طرف ہے یعنی بلند ترین سے پست ترین تک۔

(شمس العین)

صدفِ چشمِ دل کہ تابانست ! اثرِ گوہرِ یگانہ اوست

میرے دل کی آنکھ کا صدف جو روشن نظر آتا ہے۔ یہ اس گوہر یگانہ (بے مثل موتی) ہی کا اثر ہے۔

(صدف سیپی کو کہتے ہیں۔ موتی ہمیشہ سیپی میں پرورش پاتا ہے اور وہیں سے چمک دمک پاتا ہے۔ حضور قبلہؒ نے ایک خوبصورت مثال سے سمجھایا ہے کہ دل گویا صدف یا سیپی ہے۔ اس میں محبوب کی موجودگی موتی کی طرح ہے جس سے اس کو روشنی ملتی ہے)۔

روز و شب رشتۂ امید نیاز بستۂ ہمتِ شہانۂ اوست

اے نیاز دن رات اپنی امید کا رشتہ اس کی ہمت شہانہ (بادشاہوں کی سی ہمت) سے باندھا ہوا ہے۔

غزل

حُسن روئے ہر پریرو عکسِ حسنِ روئے اوست رنگ و بوئے گلشن خوبی ز رنگ و بوئے اوست

ہر حسین چہرہ کا حسن اسی کے چہرے کے حسن کا عکس ہے اور حسن و خوبی کے گلشن کے تمام رنگ و بو اسی کے رنگ و بو سے ہیں۔

ہر دل اندر ہر بدن در فکر جستِ و جوئے اوست ہر زباں در ہر دہن در فکر گفت و گوئے اوست

ہر بدن کا ہر دل اس کی جستجو میں سرگرداں ہے اور ہر دہن کی ہر زبان اس سے گفتگو کی خواہش مند ہے۔

منزلِ ہر مشرب و مذہب سرائے کوئے اوست انتہائے راہ ہفتاد و دو ملت سوئے اوست

ہر مشرب و مذہب کی منزل اس کی سرائے کی گلی ہے۔ تمام ۷۲ فرقوں کی انتہا اسی کی جانب ہے۔

در حریم کعبہ و دیر و کلیساؤ کنشت ! قبلۂ جان جہاں طاق خم ابروئے اوست

حریم کعبہ ہو، بتخانہ ہو، کلیسا ہو یا کنشت۔ تمام دنیا کا قبلہ اس کی خم ابرو کی محراب ہے (کلیسا: عیسائیوں کی عبادتگاہ۔ کنشت: یہودیوں کی عبادت گاہ)۔

برلبِ ہر جوئبارے در گلستان وجود رونق افزائے چمن سرو قد دلجوئے اوست

اس گلشن ہستی کی ہر جوئبار (نہر) کے کنارے اسی حسین کا سرو جیسا قد چمن کی رونق بڑھا رہا ہے۔

فتنۂ آشوب جان و شورش و غوغائے دل غلغل و شورد و عالم جملہ ہاؤ ہوئے اوست

جان کا فتنہ و فساد اور دل کا شور و غل بلکہ تمام دنیا کا شور و شغب دراصل اسی کی ہائے ہو ہے۔

بر نیاز ای دوستان از بے نیازی شکوہ نیست　　زانکہ در خویشم سراپا راہ و رسمِ خوئے اوست

اے دوستو نیاز کی بے نیازی سے کوئی شکوہ شکایت نہیں۔ کیونکہ نیاز میں تمام عادتیں اور طور طریقے اسی بے نیاز کے ہیں (بے نیازی کیونکہ اس کی (حق کی) شان ہے اسلئے اس میں (نیاز میں) بھی یہ شانِ بے نیازی آ گئی ہے)۔

غزل

جانِ عالم در کمند حلقہ گیسوئے اوست　　عالمِ جاں پائے بندِ پیچ و تاب موئے اوست

دنیا کی جان اسکے گیسوؤں کے حلقوں کی کمند میں ہے۔ جان یا زندگی کا عالم اسکے بالوں کے پیچ و خم میں گرفتار ہے۔

شاہدِ اہلِ نظر حسن و جمال روئے اوست　　قبلۂ اربابِ دل طاق خمِ ابروئے اوست

اہلِ نظر کا محبوب اسکے چہرہ کا حسن و جمال ہے اور صاحبانِ دل کا قبلہ اسکے ابروؤں کا خم ہے۔

آنکہ صیادِ غزالان دل و جاں بودہ است　　ناوک اندازِ نگاہِ دیدۂ جادوئے اوست

جو غزالانِ دل و جاں (دل و جان کے ہرن) کا شکاری ہے وہ دراصل اس کی جادو بھری آنکھوں کا تیر ہے۔

رہزنِ ایمان و دیں غارتگرے صبر و شکیب　　عشوہ و نازو ادا و غمزۂ جادوی اوست

اسکے عشوہ و ناز۔ اسکی ادائیں، اسکے غمزے ایسا جادو ہیں جنہوں نے میرے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالا اور صبر و تحمل کو غارت کیا۔

کے خوش آید در سرم بوی گلِ بستانِ دہر　　سالہا شد کیں دماغم پر مشام از بوئے اوست

زمانہ کے گلشن کی خوشبو مجھے کیوں کر اچھی لگ سکتی ہے۔ مدت ہوئی کہ میرا دماغ اس (محبوب) کی خوشبو سے معطر ہے۔

بردلم اے دوستاں از کفرِ عشقش شکوہ نیست　　زانکہ او زنار دار طرہ ہندوئے اوست

اے دوستو مجھے اپنے دل کے کفرِ عشق سے کوئی شکایت نہیں کیونکہ وہ (دل) محبوب کے زلفوں کی لٹ کا زنار پہنے ہوئے ہے (زنار اس دھاگے کو کہتے ہیں جو ہندو گلے اور بغل میں ڈالے رکھتے

ہیں اور عیسائی اور مجوسی کمر میں باندھتے ہیں۔ ہندو خال سیاہ کو بھی کہتے ہیں اور زلف معشوق کو بھی۔ طرّہ معنی زلف۔ کاکل۔ سر کے بالوں کی لٹ۔ پگڑی کے اوپر کا سرا جو اٹھا رہتا ہے۔ پگڑی کے اوپر کا پھندنا۔ کوئی پیچدار چیز۔ کوڑا۔ تازیانہ۔ انوکھا۔ عجیب۔ غالب۔ بڑھ کر۔ کسی چیز کا بہترین حصہ۔ ایک قسم کا سرخ اور زرد پھول۔ زنار اور ہندو دراصل رعایت لفظی ہے کیونکہ پہلے مصرعہ میں کفر کا بھی ذکر ہے۔ طریقت میں زنار راہ یقین میں استقامت۔ خدمت و اطاعت۔ سالک کی یک رنگی و یک جہتی کو کہتے ہیں)۔

عشقبازانِ حقیقت بی سرانند اے نیاز — چون سرا ینہاز چوگانش بجائے گوئے اوست

اے نیاز جو لوگ حقیقت سے عشق کرتے ہیں (عاشقانِ حقیقی) وہ بے سر ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے سر اسکے میدان میں بجائے گیند استعمال ہوتے ہیں (بے سر کے معنی بے نظیر اور لاجواب کے بھی ہوتے ہیں۔)

غزل

ذاتِ حق خورشید وایں اعیانِ ما ذرات اوست — تابشِ ذرات ما از عکس اشراقات اوست

ذات حق آفتاب ہے اور یہ تمام مظاہر ذرات کی طرح ہیں۔ ہمارے ان ذرات کی چمک اس طلوع شمس کا عکس (نتیجہ) ہے (سورج کی روشنی سے جیسے ذرات چمکتے ہیں۔ اشراق طلوع آفتاب کو کہتے ہیں)۔

از رُخِ ہر ذرہ تاباں نورِ خورشید دیست — صورت اعیانِ عالم مظہر ومرآت اوست

ہر ذرے کا چہرہ اسی سورج کی روشنی سے تاباں و درخشاں ہے۔ تمام مظاہر کائنات اسی کا مظہر اور آئینہ ہیں (جس میں اسی کی صورت نظر آتی ہے)۔

ذاتِ خورشیدست فی الواقع بہر ذرّہ محیط — در صفات وذات ایں پیدا و پنہاں ذات اوست

فی الحقیقت ہر ذرہ پر آفتاب کی ذات محیط ہے۔ ان کی صفات و ذات میں وہی ذات ظاہر اور پوشیدہ ہے۔

(قرآن پاک کا ارشاد ہے "وھو علیٰ کل شي محیط" (وہ ہر چیز پر محیط ہے۔ کوئی شے اسکے احاطہ سے باہر نہیں ہے)۔

درسحابِ نیستی تاباں ست برقِ ہستیش ! ظلمت آبادِ عدم روشن ز ایماضات اوست

"نیستی" کے بادلوں میں اس کی "ہستی" کی بجلی چمک رہی ہے (یعنی یہ عالم بالذات کوئی وجود نہیں رکھتا۔ اسی ذات کی نمود ہر جگہ ہے)۔ اسی کی تجلیات سے یہ عدم کا ظلمت کدہ روشن ہے (یعنی بالذات یہ کائنات "عدم" ہے۔ لیکن اس کے ظہور کی روشنی ہر جگہ ہے)۔

امتدادِ نقطہ اش نقشِ جہاں رانقشِ بست ! دفترِ آفاق و انفس نسخۂ آیاتِ اوست

اسی ایک نقطہ کے پھیلاؤ سے کائنات کے تمام نقوش بنے ہیں۔ یہ انفس و آفاق کا پورا دفتر اس کی نشانیوں کی کتاب ہے۔

(نقطہ اس کو کہتے ہیں جس کا کوئی طول و عرض نہیں ہوتا۔ لیکن نقطے آپس میں ایک دوسرے سے مل کر کوئی شکل بناتے ہیں۔ ایک نقطہ دوسرے نقطے سے واصل ہوتا جاتا ہے۔ اس طرح ایک حرف وجود میں آتا ہے۔ انہیں حروف سے الفاظ پھر جملے اور جملوں سے ایک ضخیم کتاب بنتی ہے۔ یعنی کوئی بھی کتاب نقطہ سے باہر نہیں۔ پوری کتاب جو ہمیں بشکل حروف و الفاظ نظر آ رہی ہے اسی ایک نقطہ کی جلوہ گری ہے۔ غور کیا جائے تو حقیقی وجود صرف ایک نقطہ ہے۔ باقی تمام شکلیں اضافی ہیں۔ اسی طرح وہ نقطۂ حقیقی ذات مطلق اپنی جگہ ہے۔ لیکن اسماء و افعال۔ شیون و صفات کا ظہور بے شمار شکلوں میں ہو رہا ہے۔ جس طرح کتاب کو دیکھ کر یہ اندازہ نہیں ہونے پاتا کہ یہ پوری کتاب محض ایک نقطہ کی کاریگری ہے۔ اسی طرح ہمیں یہ احساس بھی نہیں ہونے پاتا کہ ایک ہی ذات ہے جو تمام مظاہر کی اصل ہے)۔

ہم وجوب و ہم قِدم ہم وصفِ امکان و حدوث در نگاہِ دیدۂ بینا ہمہ حالات اوست

وہی وجوب بھی ہے۔ قِدم بھی اور امکان و حدوث کا وصف بھی۔ دیدہ بینا کی نظروں میں سب اسی کی کیفیات ہیں۔

(وجوب: واجب ہونا۔ واجب اسے کہتے ہیں جو اپنے وجود و بقا کیلئے کسی غیر کا محتاج نہ ہو۔ یعنی ذات حق + قِدم: حق تعالیٰ کے وجود کا حکم مخلوقات کے وجود پر متقدم ہونا قِدم ہے+ حدوث: مخلوق کا اپنی ایجاد میں موجد کا محتاج ہونا حدوث ہے+ امکان: عبودیت سے متعلق امور)۔

ملک بیچونی و چون معمور از و ہست ای نیاز در مکان و لامکاں تعمیر عمرانات اوست

اے نیازؔ ملک چونی و بے چونی اسکی تجلیات سے معمور ہیں۔ اور مکان و لا مکان میں اسی کی

آبادی کی تعبیرات ہیں۔ (یعنی چون و بے چون مکان و لا مکان ہر جگہ وہی موجود ہے۔ ہر جگہ اسی کے جلوے ہیں۔ کسی غیر کا شائبہ بھی نہیں)۔ عمران = آبادی۔

غزل

دل دستگیر حلقۂ زلفِ دوتائے اوست　　　جاں پائے بندِ قید کمند ہوائے اوست

میرا دل محبوب کی زلفِ دوتا کی زنجیروں میں گرفتار ہے۔ اور جان اس کی مرضی یا رضا کی کمند کی قید میں ہے (یعنی اس کی رضا کی پابند ہے)۔

حیرانیم زحسنِ رُخ دلربائے اوست　　　دیوانگیِ عقل سرم از بلائے اوست

اس کے رخِ دلربا کے حسن سے میں حیران ہوں۔ میری عقل وفہم کی دیوانگی اسکی بلا سے۔ (بلا = دکھ۔ آزمائش۔ امتحان۔ نعمت کو بھی کہتے ہیں) یا میری عقل وفہم کی دیوانگی اس کی طرف سے ایک نعمت ہے۔

غارتگرِ قرارِ دل و رہزنِ شکیب　　　شوخی و ناز وغمزہ وطرز ادائے اوست

میرے صبر وتحمل کا رہزن (ڈاکو) اور قرار وسکونِ دل کو غارت کرنے والی دراصل اسکی شوخی، اسکے ناز وغمزے اور اسکی ادائیں ہیں۔

شور و فغان و نالہ و سوز و گداز و آہ　　　درد وتپش بجان ودلم از برائے اوست

میرا شوروفغاں، میری نالہ وفریاد، سوز وگداز اور آہ وزاری، درد وتپش جس میں میرا دل اور میری جان مبتلا ہے محض اسکی وجہ سے ہے۔ (اس کے لئے ہے)

از نسخۂ طبیب نبا شد شفائے من　　　دردم ہر آنکہ داد علاجم لقائے اوست

کسی طبیب کا نسخہ مجھے شفا نہیں بخش سکتا بلکہ جس نے مجھے یہ درد دیا ہے اس کے چہرے کی دید ہی میرا علاج ہے۔

در رشتۂ مرادِ من افتاد صد گرہ　　　چشمِ نگہ بناخن مشکل کشائے اوست

میری آرزوؤں کے دھاگے میں سینکڑوں گرہیں پڑی ہیں۔ ان گرہوں کو کھولنے کے لئے اسکی چشم نگاہ کے ناخن کی ضرورت ہے۔

نا آشنائے عالم و بیگانہ جہانست　　اندر جہاں کسیکہ دلش آشنائے اوست

دنیا میں جس کا دل اس کا آشنا ہے وہ دنیا کا نا آشنا اور جہاں سے بے گانہ ہے۔

سازد بزیر سایۂ خود شاہ دو جہاں　　آنکس کہ زیر سایۂ بالِ ہمائے اوست

جو شخص اُس ''ھُما'' کے بالوں کے سایہ میں رہتا ہے وہ اپنے سایہ میں دونوں جہاں کے بادشاہ کو رکھتا ہے۔ (''ھُما'' ایک فرضی پرندہ ہے جو بہت مبارک خیال کیا جاتا ہے۔ جس کے سر پر وہ بیٹھ جائے وہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔ ہڈیوں پر اپنا گزارہ کرتا ہے۔ کسی دوسرے کو آزار نہیں پہنچاتا)۔

چون برنیاز جرم وفائے تو ثابتست　　جور و جفا ہر انچہ بر و شد سزائے اوست

جب نیاز پر تیری وفا کا جرم ثابت ہو گیا ہے تو جو کچھ ظلم و ستم اس پر ہوتا ہے وہ اس کی سزا ہے (وہ اس ظلم و ستم کا مستحق ہے)۔

غزل

حُسنِ جہاں زحُسنِ رُخِ دلربائے اوست　　آب روانِ گلشنش از جوئہائے اوست

کائنات کا حسن اس دلربا کے چہرہ کے حسن کی وجہ سے ہے۔ اس گلشن کا بہتا ہوا پانی اس کی نہروں کی وجہ سے ہے۔

گہہ شاخ و گاہ برگ و گہے غنچہ گاہ گُل　　بالجملہ اینہمہ ہمہ نشوونمائے اوست

کبھی شاخ، کبھی گھاس، کبھی پتے، کبھی کلیاں کبھی پھول یہ تمام چیزیں اسی کا نشوونما ہے (ان کی بہاریں سب اسی کی وجہ سے ہیں)۔

ہر چند ذرّہ ذرّہ زمہر ہست کامیاب　　تاہم بگردش از پئے مہر و ہوائے اوست

باوجود اس کے کہ (کائنات) کا ذرہ ذرہ سورج سے روشنی ہے۔ لیکن ان کی گردش اسکی خواہش اور مرضی کی خاطر ہے۔

مَن لَم لَیسعَہ وسُعَہٗ اَرضٍ وَلاَ سَمَاءٍ　　بیت المقدسِ دل بے شرک جائے اوست

وہ تمام کائنات اور آسمان و زمین میں نہیں سما سکتا۔ لیکن دل کا پاک گھر بغیر کسی شریک کے اس کا مسکن ہے۔

(اشارہ اس حدیث مبارکہ کی طرف ہے:" میں زمین و آسمان کی وسعتوں میں نہیں سما سکتا لیکن مومن کے دل میں سما جاتا ہوں)۔

ایمانِ عالم از رخِ نورانی ویست　　　کفرِ جہان زطرۂ زلفِ دوتائے اوست

عالم کا ایمان اس کے نورانی چہرہ سے ہے اور کفرِ جہاں اس کی زلفوں کے پیچ وخم سے ہے۔

(رخ روشن سے عام طور سے مراد تجلیاتِ ذاتِ حق لی جاتی ہیں۔ روشنی کے متعلق جتنے الفاظ ہیں مثلاً روز یا دن، آفتاب، ماہتاب، نجوم، جگنو، کہکشاں ان سے مراد ظہورِ حق یا جمالِ حق ہوتی ہے۔ اسی طرح اندھیرے کے متعلق الفاظ مثلاً شب یا رات، ظلمت، تاریکی استعارتاً بطون یا جلال کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ اسی سے استعارہ رخ اور زلف کا بھی ہوتا ہے۔ رخ روشنی اور زلف تاریکی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی سے استعارہ کفر و ایمان کا بھی ہوتا ہے۔ ایمان روشنی ہے اور کفر ظلمت۔

بقول صاحب سّرِ دلبراں زلف و عارض سے کبھی کفر و ایمان کی جانب کنایہ ہوتا ہے کبھی جلال و جمال کی جانب اور کبھی کثرت و وحدت کی جانب۔ زلف میں کثرت تعینات کی تاریکی و درازی ہے اور رخ و عارض میں وحدت کی چمکدار جامعیت۔ نور و ظلمت صُوری و معنوی۔ دن اور رات۔ ابر اور آفتاب۔ مؤحد و زندیق۔ مومن و کافر۔ خوف و رجا۔ قبض و بسط یہ سب کنائے زلف و عارض یا زلف و رخ میں موجود ہیں)۔

باشد زرفعِ قیدِ تعین ہموں خدا　　　آن کس کہ دراحاطۂ قیدش سوائے اوست

قیدِ تعین سے جو آزاد ہوگیا وہی خدا ہے۔ وہ شخص جس کی قید کی گرفت میں ماسوا ہے۔

چشمِ دلِ نیاز کہ تاباں ست چوں صدف　　　از آب روشنی دربے بہائے اوست

نیاز کے دل کی آنکھ جو صدف کی طرح روشن ہے دراصل اسکے قیمتی موتیوں کی روشنی کی آب و تاب کی وجہ سے ہے (اسمیں چشم۔ صدف۔ آب۔ روشن۔ دُرِّ بے بہا۔ تاباں۔ سب رعایت لفظی کی عمدہ مثال ہے)۔ قیمتی موتیوں سے مراد آنکھ کے آنسو بھی ہیں۔

غزل

کسیکہ سرِ نہانست در علن ہمہ اوست　　　عروسِ خلوت وہم شمع انجمن ہمہ اوست

جو بھی چھپا ہوا راز ہے وہ علی الاعلان سب وہی ہے۔ عروسِ خلوت (خلوت کی دلہن) بھی وہی ہے اور شمع محفل بھی تمام وہی ہے (یعنی خلوت و جلوت میں تمام وہی ہے)۔

بمصحفِ رُخِ خوباں ہمیں نمودرقم　　　کہ خطؔ و خال ورُخ وزلفِ پُرشکن ہمہ اوست

حسینوں کے مصحفِ رخ (چہرہ کی کتاب) پر لکھا ہوا ہے کہ خط و خال، رخ اور زلف پُرشکن سب وہی ہے۔

زسرِ عشق چو واقف شوی یقیں دانی　　　کہ قیس ولیلی وشیریں وکوہکن ہمہ اوست

عشق کے بھید سے اگر تو واقف ہو جائے تو یقین کر لے کہ قیس ولیلیٰ، شیریں وفرہاد سب وہی ہے۔

نظر بعیب مکن در طیور باغ وجود　　　کہ طوطیانِ چمن زاغ وہم زغن ہمہ اوست

باغِ ہستی کے طیور (چڑیوں) کی برائیوں پر نظر نہ کر کہ طوطیانِ چمن ہوں یا زاغ و زغن (کوّے اور چیلیں) سب وہی ہے۔

ہمیں صدائے بگوشم رساند بادِ صبا　　　کہ لالہ وگل ونسرین ونسترن ہمہ اوست

بادِ صبا کانوں میں یہی پیغام پہنچا رہی ہے کہ لالہ وگل، نسرین ونسترن (یعنی تمام پھول) سب وہی ہے۔

شنیدہ ام بصنم خانہ از زبانِ صنم　　　صنم پرست وصنم ہم صنم شکن ہمہ اوست

صنم خانہ (بُت خانہ) میں خود بُت کی زبان سے میں نے سنا کہ بُت پرست اور بُت اور بُت شکن سب وہی ہے۔

زساز مطرب پُرسوزایں رسید بگوش　　　کہ چوب وتار وصدائے تنن تنن ہمہ اوست

مطربِ پُرسوز (سوز سے بھری ہوئی آواز سے گانے والے) کے ساز سے کانوں میں یہی آواز پہنچی کہ (ساز کی) لکڑی، تار اور اس کی تنن تنن آواز سب وہی ہے۔

شنیدمن ہمہ صدقست و دیدمن ہمہ حق　　　کہ گوشِ من ہمہ اوہست وچشم من ہمہ اوست

جو کچھ میں نے سنا وہ سب صدق ہے اور جو کچھ دیکھا سب حق ہے۔ اسلئے کہ میرے کان بھی

وہی ہے (اسی کے ہیں) اور میری آنکھیں بھی وہی ہے (بھی اسی کی ہیں)۔

چناں ز خویش بروں رفتم و دروں گشتم — کہ دید دیدۂ جانم بجان و تن ہمہ اوست

جب میں خود اپنے سے باہر گیا اور اندر پہنچا تو دیکھا کہ میری جان کی آنکھیں میرے جسم و جان پر تمام وہی ہے۔

اگر تو دفتر اسلام و کفر پارہ کنی — یقین شود بتوکیں شیخ و برہمن ہمہ اوست

اگر تو کفر و اسلام کے دفتر کو پھاڑ دے تو تجھے یقین آئے گا کہ شیخ و برہمن سب وہی ہے۔

اگر ز قید تعین بروں شوی چو نیازؔ — نظر کنی کہ دریں زیر پیرہن ہمہ اوست

اگر نیازؔ کی طرح تو تعین کی قید سے باہر نکل آئے تو دیکھے گا کہ اس جامے کے اندر سب وہی ہے۔

نیاز نیست کہ میگوید ایں کلام اندم — قسم بحق کہ دریںوقت درسخن ہمہ اوست

اس وقت جو گفتگو کر رہا ہے وہ نیازؔ نہیں ہے۔ قسم خدا کی اس وقت تمام کلام اسی کا ہے (اس وقت سب گفتگو کرنے والا وہی ہے)۔

(''ھمہ اوست'' یعنی سب ''وہی ہے'' علامت ہے عقیدہ ''وحدت الوجود'' کی۔ یہ بحث بہت طویل ہے۔ لفظ وجود کا اطلاق صوفیائے کرام کی اصطلاح میں واجب تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ اور مراد یہ ہوتی ہے کہ صرف ذات حق تعالیٰ ہی ہے جو اپنی ذات سے قائم ہے۔ برعکس دیگر اشیاء کے جو ہستی مطلق سے قائم ہیں۔ کائنات اسی کے اسماء و صفات کا نام ہے۔ بالذات کسی شے کا وجود نہیں ہے۔ سوائے اس ذات مطلق کے۔ تمام کائنات اسی کی مختلف شانیں ہیں۔ مختلف رنگ ہیں۔ وحدت الوجود کی رُو سے وجود صرف ایک ہے۔ یہ عالم جو ہم دیکھ رہے ہیں وہ تمام کا تمام وجود واحد ہے۔ بالذات دوسرا کوئی وجود نہیں۔ اس نظریہ کے تحت ذات اور کائنات ایک دوسرے کا عین ہیں۔ کثرت اشیاء ہمارا فریب خیال ہے۔ جیسے موج و حباب برف و شبنم سب درحقیقت پانی ہی کے روپ ہیں۔ اس عقیدہ کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں ہیں۔ درحقیقت عینیت بحیثیت اصل ہے۔ تعینات کی موجودگی میں اشیاء غیر ذات ہو جاتی ہیں۔ ''ھمہ اوست'' کہنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ ہر چیز خدا ہے جیسا کہ عام لوگ سمجھتے ہیں۔ وحدت الوجود ''ھمہ اوست'' (سب وہی ہے) ہے نہ کہ ''ہر شے اوست'' (ہر چیز وہی ہے)۔ دوسری چیز ''وحدت الوجود'' اور ''اتحاد الوجود'' کا امتیاز ہے۔ یہ تفصیلی گفتگو کا موقع نہیں

ہے۔ بہر حال چونکہ حضور قبلہؒ کا مسلک ''وحدت الوجود'' ہے۔ اس لئے آپ کے کلام میں جگہ جگہ اس کی جھلک نظر آتی ہے اور آپ کے کلام کو اسی زاویہ سے دیکھنا چاہیئے ورنہ یہ کلام بعید از فہم ہے اور لوگوں کو زندقہ اور گمراہی نظر آئے گا۔

یہ جو اوپر کہا گیا کہ بلحاظ تعین عالم غیر حق ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں معناً غیریت ہوتی ہی نہیں دونوں شانیں ایک ہی شے کی شانیں ہیں۔ ان کی غیریت کی نسبت مثالاً صرف ایسی ہے جیسے بحر و امواج یا جو صاحبِ خیال اور اس کی خیالی دنیا کے مابین ہوتی ہے۔ حق کی دنیا باطل نہیں ہوسکتی۔

طویل گفتگو کی تو یہاں گنجائش نہیں لیکن اس موقع پر خود صاحب دیوان حضرت شاہ نیازؒ کا نقطۂ نظر اگر بیان کر دیا جائے تو بے محل نہ ہوگا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

''وحدت الوجود یہ ہے کہ عین وجود بمعنی ہستیِ بحت (بحت معنی خالص) عین ذات ہے۔ نہ اس سے کچھ الگ ہے نہ کچھ اسکے علاوہ ہے۔ وہی ایک ذات ہے اس کو موجود بھی کہتے ہیں اور وجود بھی۔ ظہور کے قبل وہ ذات پردۂ غیب میں پوشیدہ تھی۔ جو بے چونی و بے چگونی سے موسوم اور بے نامی اور بے نشانی سے موصوف تھی۔ جب اس نے چاہا کہ وہ جانی اور پہچانی جائے تو رنگا رنگ لباس پہن کر نہاں خانۂ غیب سے انجمنِ شہادت میں آئی۔ پس وجودِ مطلق اور ہستیِ بحت جو اس سے عبارت ہے اپنے اطلاق سے تنزل کر کے لاہوت، جبروت، ملکوت اور ناسوت میں آئی۔ اس کا غیر کوئی موجود نہیں۔ ایک ہی ذات ہے جو ہزاروں شانوں میں نظر آتی ہے''۔

(رسالہ راز و نیاز)

غزل

اے دیدہ چہ اندر نظرت آمد ورفت — کز دیدنِ او یک اثرت آمد ورفت

اے آنکھ تیری نظر میں کون آیا اور گیا کہ اس کے دیکھنے سے ایک خاص اثر ہوا اور گیا۔

دانم کہ خیالت بدِ ازان شعلۂ حسن — چوں برقِ درخشاں بسرت آمد ورفت

جانتا ہوں کہ تیرا خیال ایک شعلۂ حسن تھا کہ جیسے چمکتی بجلی مجھ پر گری اور گزر گئی۔

اے دل ز سرت رفت سرِ حُسن مجاز　　　صد شکر کہ ایں درد سرت آمد ورفت

اے دل تیرے سَر سے حسن مجاز کا سَر (خیال) اب رخصت ہوگیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ درد سر آیا اور چلا گیا (سَر کی تکرار ایک رعایت لفظی ہے)۔

اے جانِ جہاں جان من زارونزار　　　برلب شد و بہر نظرت آمدورفت

اے جانِ جہاں میری جان زار ونزار (کمزور) ہوگئی۔ جان لبوں پر آ گئی لیکن تجھے دیکھنے کی خاطر (سانس) آئی اور گئی۔

ایں مردہ تنم بہر قدمبوسی تو　　　گردے شدودر رہگزرت آمدورفت

میرا مردہ جسم تیرے قدم چومنے کے لئے خاک ہوگیا اور تیری رہ گزر پر یہ خاک تیرے دیدار کی خاطر آتی جاتی رہی۔

صد حیف ندیدست گہے روئے مراد　　　مشتاق تو چنداں بدرت آمدورفت

صد افسوس کہ روئے مراد کبھی نہ دیکھا۔ گو کہ تیرے مشتاق تیرے دروازہ پر کئی مرتبہ آئے اور گئے۔

از آمدنت دربرمانیست یقیں　　　صد بارگوشم خبرت آمدورفت

میرے پاس تیرے آنے کا مجھے یقین نہیں آتا کیونکہ سینکڑوں مرتبہ میرے کانوں تک یہ خبر پہنچی لیکن بے نتیجہ رہی (کہ تو آئے گا۔ مگر تو نہیں آیا)۔

ای بادِ صبا عرض کنش حال نیازؔ　　　باشد بجنابش اگرت آمدورفت

اے بادِ صبا اگر اس کی خدمت میں تیرا آنا جانا ہو تو نیازؔ کا حال اس سے عرض کر دینا۔

غزل

اے دیدہ ندیدی چہ برت آمدورفت　　　منظور تو اندر نظرت آمدورفت

اے آنکھ تو نے نہیں دیکھا کہ تیری جانب کون آیا اور کون گیا۔ تیرا منظور تیری نظر کے سامنے ہی آیا اور چلا گیا۔

از گردرہش سرمہ نکردی درچشم　　　حیفست چہ کحل البصرت آمدورفت

تو نے اسکے راستہ کی خاک کا سرمہ اپنی آنکھوں میں نہیں لگایا۔ افسوس کہ تیری آنکھوں کو اتنا اچھا

سرمہ لگانے کا موقع ملا اور ہاتھ سے نکل گیا (اس سے فائدہ نہیں اٹھایا)۔

چون ابر سیاہست تنت بر تو حجاب آن بدر منیرت بدرت آمدورفت

تیرے اوپر خود تیرے جسم کا حجاب سیاہ بادل کی طرح چھایا ہوا ہے۔ وہ روشن چاند تیرے دروازہ پر آیا اور چلا گیا (یعنی خود تیرا وجود تیرے اور اس کے درمیان حجاب ہے۔ جیسے بدر کامل کو بادل چھپا لیتا ہے اور اس حجاب کی وجہ سے تو اسے نہیں دیکھ سکا)۔

اے فکرتہٗ نازک و باریک خیال ورنہ بسرت مو کمرت آمدورفت

اے میری فکر اتنی نازک اور باریک خیال مت ہو ورنہ تیرے ذہن میں اس کی بال جیسی کمر کا خیال آئے گا اور چلا جائے گا۔

اے دل مگرت نیست شناسائی یار کاندربرتو سیمبرت آمدوررفت

اے دل شاید تو اپنے سیم تن (چاندی جیسے جسم والے) محبوب کو پہچانتا نہیں کہ وہ حسین تیرے پاس آیا بھی اور چلا بھی گیا (تو اسے پہچان نہیں سکا)۔ (قرآن پاک کا ارشاد ہے" وفی انفسکم افلا تبصرون" میں تیرے نفس کے اندر ہوں مگر تو مجھے نہیں دیکھتا)۔

اے سر بچہ وردی و چہ شوری وچہ وہم کارام دہِ درد و سرت آمدورفت

اے سر-اب کیوں پریشان ہے۔ کیا شور اور کیا وہم ہے کہ تیرے دردِ سر کا علاج آیا بھی اور چلا بھی گیا (تجھے خبر ہی نہیں ہوئی)۔

دانم کہ نیازم بکشد سوئے تو یار در کوچہٗ من ماند اگرت آمدورفت

میں جانتا ہوں کہ اے محبوب میرا نیاز مجھے تیری طرف کھینچ لے گا اگر تیری آمدورفت (تیرا آنا جانا) اسی طرح اسکی گلی میں ہوتی رہی۔

(نیاز = آرزو۔تمنا۔احتیاج) (تخلص کا فائدہ اٹھایا گیا ہے)

غزل

از عتابِ تو بجانم چہ بلا آمدورفت وز جفائے تو چہا برسرِ ما آمدورفت

تیرے عتاب سے میری جان پر کتنی بلائیں آئیں اور گزر گئیں اور تیری جفاؤں سے میرے سر پر

کیا کیا مصیبتیں آئیں اور گزر گئیں۔

برلبم شور فغان و بدلم شورشِ عشق نالۂ و آہ ہجرِ تو چہا آمدورفت

میرے لبوں پر آہ و فغاں کا شور اور دل میں عشق کی شورش (عشق کا ہنگامہ) نالہ اور آہ یہ سب تیرے ہجر کے غموں کی وجہ سے ہوتا ہے اور چلا جاتا ہے۔

بالیقین کردستم پیشہ ترا مہر رقیب ورنہ صد بار خیالت بوفا آمدورفت

بلا شک تجھے رقیب کی مہربانیوں نے ستم پیشہ بنا دیا۔ ورنہ سینکڑوں مرتبہ تجھے وفا کا خیال آیا لیکن (رقیب کی شہہ پر) پھر یہ خیال چلا گیا۔

جز وفائے تو دلم ہیچ نکروست گناہ کین جفا برسر آواز تو سزا آمدورفت

میرے دل نے سوائے تیرے ساتھ وفا کے کوئی گناہ نہیں کیا (تیرے ساتھ وفا ہی میرا گناہ تھا)۔ لیکن یہ جفا تیری ایک آواز پر مجھے بطور سزا ملی اور پھر بخش دی گئی۔

لنگ شد پاے خیالم بشماراہ نیافت سالہا داشتہ در کوئی شما آمدورفت

میرے خیال کے پاؤں لنگ (لنگڑے) ہو گئے تم تک رسائی نہ ہو سکی حالانکہ تمہاری گلی میں برسوں میرا آنا جانا رہا۔

عرض کن قصۂ حال دل مفتون نیاز پیش اوگر بودت بادِ صبا آمدورفت

اے بادِ صبا اگر تیرا آنا جانا اسکے پاس ہو تو نیاز کے دلِ شیدا کے حال کا قصہ اسے سنا دینا۔

غزل

دلا ربودنِ گوئے خدائی آساں نیست بدونِ ترک ازیں کو رہائی آساں نیست

اے دل خدائی کی گیند کو آگے بڑھانا (لے جانا) آسان نہیں ہے۔ اس کیلئے ترک کے سوا دوسرا راستہ اس سے رہائی کا نہیں (دنیاوی آلائشوں کا ترک خودی کا ترک ہی اس کا علاج ہے)۔

بکوئے یار زپا رفتنت نیابی راہ اگر زسرنہ کنی پارسائی آساں نیست

یار کی گلی میں اگر پیروں سے جائے گا تو کبھی راستہ نہیں پائے گا۔ اگر تو سَر کے بل نہ گیا تو اس کی گلی میں تیرے پاؤں پہنچنا آسان نہیں ہے۔

مجرد ازمن و توشوگذر ز بندِ دوئی　　　　که حق رسیدنِ ماوشمائی آساں نیست

من وتو سے مجرد ہو جا (میں اور تو کے جھگڑے کو چھوڑ دے) اور دوئی کی قید سے چھٹکارا حاصل کر لے ورنہ جب تک ''ہم'' اور'' تم'' کا قصہ باقی رہے گا حق تک رسائی آسان نہیں۔

(حق تک پہنچنے کے لئے اپنی خودی اور دوئی سے نجات ضروری ہے۔ اپنا تعین جب تک قائم ہے یعنی جب تک ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا وجود حق سے علیحدہ ہے اس تک رسائی ممکن نہیں۔ جب تک'' ہم'' ہم ہیں اور'' تم'' تم ہو ہماری دوئی موجود ہے۔ اس دوئی کو دور کئے بغیر اس تک پہنچنا محال ہے)۔

نخستِ ترکِ ہواگیر ورنہ ایدلِ خام　　　　قدم نہادنِ تو درگدائی آساں نیست

اے دلِ خام (کم ظرف دل) اول اپنی خواہشات کو ترک کر ورنہ فقر کی دنیا میں قدم رکھنا آسان نہیں ہے۔

بیا بصیقل توحید زنگِ دل بزدائے　　　　بتار آئینہ چہرہ نمائی آساں نیست

آؤ اور توحید کے صیقل (چمک) سے اپنے دل کے زنگ کو دور کرو کہ اس زنگ زدہ آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھنا آسان نہیں ہے۔

وضو بخونِ جگر کن بحکمِ مفتیِ عشق　　　　کہ از جنابتِ حدثت صفائی آساں نیست

مفتی عشق کے فتویٰ کے مطابق خونِ جگر سے وضو کر کیونکہ اس کی (دوئی کی) غلاظت سے صفائی آسان نہیں ہے۔

تہی ز خویش چونے شوز پائی تا سرِ خود　　　　وگرنہ بوسِ لبِ لعل نائی آساں نیست

سر سے پاؤں تک بانسری کی طرح خود اپنے سے خالی ہو جا ورنہ بانسری نواز کے لبوں کا بوسہ (لبوں تک پہنچنا) آسان نہیں ہے۔

(بانسری کی سریلی آواز پیدا کرنے کیلئے بانس کے ایک ٹکڑے میں سر سے پیر تک سوراخ کرنے پڑتے ہیں اور وہ اندر سے بالکل خالی ہوتی ہے۔ جب اس طرح پوری بانسری تیار ہو جاتی ہے تو بانسری نواز اسے اپنے لبوں تک لے جاتا ہے اور اس طرح سریلی آواز پیدا ہوتی ہے۔ اگر سوراخ نہ کئے جائیں تو وہ اس قابل ہی نہیں ہوگی کہ بانسری لبوں تک پہنچے اور بانسری نواز اسے بجائے۔ اسی طرح انسان جب تک خود کو ہواؤ ہوس سے پاک اور خالی خودی اور دوئی سے دور نہ کر لے محبوب تک رسائی نہیں ہوسکتی)۔ بانسری یانئے کی تشریح پہلے کی جا چکی ہے ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳۹۔

برون بر آر تو خود راز درمیاں مشمار　　　ہیچ نوع دگر خود نمائی آساں نیست

تو اپنے کو باہر نکال اور درمیان میں اپنا شمار نہ کر۔ اپنے کو دکھانے کا کوئی دوسرا طریقہ آسان نہیں ہے (اگر تو مجمع کے درمیان ہے تو کوئی تجھے نہ صحیح طریقہ سے دیکھ سکتا ہے نہ پہچان سکتا ہے۔ مجمع سے باہر نکلے گا تو تجھ پر سب کی نظر پڑے گی اور لوگ دیکھ سکیں گے)۔

ہزارگونہ بدی مندرج بہ نیکی نفس!　　　زکید و مکر و فریبش رہائی آساں نیست

نفس کی اچھائیوں پر ہزار درجہ برائیاں لکھی ہوئی ہیں۔ نفس کے دھوکے اور مکر و فریب سے رہائی آسان نہیں ہے۔

بخاک نیستی اول بیاوپست بشو　　　کہ سر بلندی در فع لوائی آساں نیست

پہلے خاک کی نیستی اختیار کر اور پست (نیچا) ہو کہ علم (جھنڈے) کی سر بلندی اور اس کی اونچائی آسان نہیں (جھنڈے کو نصب کرنے کیلئے پہلے اسے زمین میں گاڑنا پڑتا ہے۔ اسکے بعد وہ اونچا کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح انسان کو بلندی اور ارفع مقام پر پہنچنے کیلئے خاکساری اور عجز و انکساری ضروری ہے)۔

صفاتِ سمع و بصر علم رازیار بگیر　　　وگرنہ ای دل ناداں سہ پائی آساں نیست

اپنے محبوب سے سمع و بصر اور علم (سننے، دیکھنے اور جاننے) کی صفات حاصل کرو ورنہ اے دل ناداں سہ پائی (تین پاؤں) آسان نہیں۔ (تین پاؤں پر کوئی چیز قائم نہیں رہ سکتی)

(یہ دراصل شغل "سہ پایہ" کی طرف اشارہ ہے۔ شروع میں یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ اکثر حضور قبلہؒ نے اشغال و اذکار اپنے اشعار میں کنایتاً بیان فرمائے ہیں۔ یہ شغل "اللہ سمیع۔ اللہ بصیرٌ۔ اللہ علیم" صوفیا میں رائج ہے جسے شغل سہ پایہ کہتے ہیں۔ اسمیں ان تمام صفات یعنی سمع۔ بصر اور علم کو حق سے منسوب کیا جاتا ہے۔ صحیح طریقہ اور اسکے اثرات اپنے مرشد سے ہی معلوم کئے جا سکتے ہیں۔ حضور قبلہؒ نے بھی محض اشارہ کر دیا ہے)۔

بکش نیاز کنون مار ہستی خودرا　　　جزایں وسیلہ بگنجت رسائی آساں نیست

اے نیاز اب اپنی ہستی کے سانپ کو مار دے کہ سوائے اس ذریعہ کے تیرے خزانہ تک رسائی آسان نہیں ہے۔

(ذات حق گویا ایک خزانہ ہے۔ اپنی خودی اس پر سانپ کی طرح حاوی ہے۔ خزانہ تک پہنچنے کیلئے اپنی خودی کو مٹانا ضروری ہے۔ جب تک خودی قائم ہے اس تک رسائی ممکن نہیں)۔

غزل

آنکہ بردرگہش نیاز من ست   شہسوارِ سمندِ نازمن ست

اس کی درگاہ میں میرا نیاز ہی میرے سمندناز کا شہسوار ہے۔

(نیاز معنی نذر۔تحفہ۔آرزو۔انکسار۔منت۔التجا۔مسکینی+سمند معنی گھوڑا)

(ناز معنی: پیار۔غمزہ۔نخرہ۔''نیاز'' عاشق کا شیوہ ہے۔''ناز'' محبوبانہ انداز ہے)

از ازل تا ابد بحُسنِ قدیم   دیدہ واکردہ عشقباز من ست

ازل سے ابد تک حسن قدیم (جو کبھی فنا نہیں ہوتا) کو آنکھ کھول کر دیکھ رہا ہوں اور اس سے عشق کر رہا ہوں۔

آنکہ غارت نمود کشورِ دل   چشم خونخوار نیزہ بازمن ست

جس نے میرے دل کی دنیا کو برباد کیا وہ دراصل میرے نیزہ باز (محبوب) کی خونخوار آنکھیں ہیں۔

زینۂ معنیت صورت من   خود حقیقت نما مجازِ من ست

میری صورت معانی کا زینہ ہے۔ یہ میرا مجاز حقیقت کا آئینہ ہے۔

(میری صورت یعنی میرا ظاہر باطن کا عکس ہے)اسی ظاہر کے زینہ سے باطن کی منزل تک پہنچا جاسکتا ہے۔ اگر چشم حق بیں ہو تو انسان سمجھ سکتا ہے کہ انسان کا باطن حق ہے۔حق ہی ہے جو انسان کی صورت میں ظاہر ہے۔بموجب حدیث خلق آدم علٰی صورتہٖ یعنی انسان کو اللہ نے اپنی صورت پر پیدا کیا (مسلم بروایت ابو ہریرہ)اسی لئے حضورؐ نے فرمایا'' من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ'' جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے رب کو پہچانا۔ آدم کی حقیقت حق ہے۔ اس مجاز میں حقیقت پنہاں ہے)۔

گر اناالحق زنم بعید مداں   در ھم گفت حق کہ رازمن ست

اگر میں'' انا الحق'' (میں حق ہوں) کا نعرہ لگاؤں تو کوئی بعید نہیں۔ یہ حقیقت کا اظہار ہوگا۔حق ہی نے یہ کہا کہ یہ میرا راز ہے (الانسان سری و انا سرہٗ یعنی انسان میرا راز ہے اور میں انسان کا راز ہوں)۔

زاہدا کن وضو بخونِ جگر درسرت گر سر نماز من ست

اے زاہد اگر تیرے ذہن میں میرے ذہن جیسی نماز ہے تو تجھے اپنے خونِ جگر سے وضو کرنا پڑے گا۔

درمیانِ جہانِ کہنۂ ونو جانِ محمود در ایاز من ست

نئی اور پرانی دنیا کے درمیان مجھ ایاز کے اندر محمود کی جان ہے (ایاز محبوب اور محمود عاشق کی طرف اشارہ ہے)۔

از صفاتِ منست فقر و غنا سوئی خود باز چشم آز من ست

فقر وغنا میری صفات میں سے ہیں۔(اس کے حصول کے لئے) میری حریص (لالچی) آنکھیں میری ہی جانب لگی ہوئی ہیں۔

ہمچونے شوتہی ز سر تا پا گر خیالت بہ نے نواز من ست

اگر تیرا خیال میرے نئے نواز (بانسری بجانے والے) کی طرف ہے (یعنی چاہتا ہے کہ بانسری بجانے والا تیری طرف متوجہ ہو اور تجھے بطور بانسری استعمال کرے) تو بانسری کی طرح سر سے پیر تک خالی ہو جا (بانسری سر سے پیر تک بالکل خالی ہوتی ہے۔ اسی طرح تو بھی ماسوا سے خالی ہو جا تو تجھ سے بانسری کی طرح حق کی آواز نکلے گی)۔

آسمانِ بلند و پستِ زمیں از نشیبِ من و فراز من ست

آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی یہ سب میرے ہی نشیب وفراز سے ہیں۔

شمع روشن شدہ بنورِ دلم سوزِ پروانہ از گداز من ست

میرے ہی دل کی روشنی سے شمع روشن ہوتی ہے اور پروانہ کا سوز میرے ہی گداز سے ہے۔

حُسن خود عاشقست و خود معشوق بر در ناز خود نیاز من ست

حسن خود ہی عاشق ہے اور خود ہی معشوق۔ میرے ہی ناز کے در پر خود میرا ہی نیاز ہے (یعنی خود ہی ناز ہوں اور خود ہی نیاز)۔

غزل

دیدہ بازی نہ ہمیں دیدۂ حیرانم سوخت　　　گرم نظّارہ چنانم کہ دل و جانم سوخت

دیدہ بازی (اس کے دیدار کا شغل) نے نہ صرف میری حیران آنکھوں کو جلا دیا بلکہ اس کے نظارہ کی تپش اتنی ہے کہ اس نے میرے دل اور میری جان کو بھی جلا دیا۔

جلوہ کردند بتاں در حرم کعبۂ دل　　　چشم جادونگہاں مصحفِ ایمانم سوخت

بتوں نے کعبہ دل کے حرم میں جلوہ افروزی کی اور ان کی جادو اثر آنکھوں نے میرے ایمان کے قرآن کو جلا دیا (ہر ذرہ ایک بت ہے جہاں حسن حقیقی جلوہ گر ہے۔ بناوٹی اور ریا کا ایمان جلا دینے کے قابل ہے)۔

شرر آتشِ دل بود نہ اشکِ رنگیں　　　کاستین من وہم گوشۂ دامانم سوخت

دل کی آگ کی چنگاریاں کوئی رنگین آنسو نہیں تھیں (کہ جس سے دامن رنگین ہوتا ان چنگاریوں نے) میری آستین اور دامن کے کناروں کو جلا دیا۔

وائے ناکامیِ من از لب لعلت تا کے　　　حسرتِ تر لبی از چشمۂ حیوانم سوخت

مجھے اس کے سرخ ہونٹوں تک پہنچنے کی ناکامی پر افسوس ہے۔ آخر یہ ناکامی کب تک رہے گی۔ اس آبِ حیات کے چشمہ سے سیراب ہونے کی حسرت جل گئی (پوری نہ ہوسکی) (''تر لبی'' اور ''چشمۂ حیوان'' میں رعایت لفظی ہے)۔

آہ دودِ من جانسوز بروئے نرسید　　　آتشِ عشق چرا ہمچو سپندانم سوخت

افسوس کہ اس جان کو جلانے والی آگ کا دھواں اس تک نہیں پہنچا۔ عشق کی آگ نے اسپند کی مثل کیوں اس طرح جلایا (کہ دھواں اس تک نہ پہنچا)۔

(''اسپند'' ایک قسم کے دانے ہوتے ہیں جسکو جلانے سے خوشبو دار دھواں ہوتا ہے)۔

غمِ بیتابیِ دل بود ہنوزم در پیش　　　کہ دگر جلوۂ نازت سروسامانم سوخت

ابھی دل کی بے تابی کا غم تازہ ہی تھا کہ اس کے تازہ اور نئے جلوہ نے میرے سارے سروسامان (ہستی) کو جلا دیا۔

شدت محرقہ عشق تو ہیچم نگذاشت   ہم سرِ دردم وہم خواہش درمانم سوخت

عشق کی شدتِ تپش نے میرا کچھ نہیں چھوڑا۔ میرے درد سر کو بھی جلا دیا اور اس کے علاج کی خواہش کو بھی جلا دیا۔

استخواں سوزی مارا سببی پیدا نیست   ہاں پے شیر دل انجملہ نیستانم سوخت

میری ہڈیوں کے جلنے کا کوئی سبب ظاہر نہیں ہوتا۔ ہاں دل کے شیر کی خاطر (کو مارنے کیلئے) یہ پورا جنگل جلا دیا (اس دل کی آگ سے ہڈیاں بھی جلنے لگیں)۔

خواستم گرمیِ حُسنِ تو بہ تحریر آرم   ہمہ تن شعلہ نمط خامۂ حسّانم سوخت

چاہتا تھا کہ تیرے حسن کی گرمی کو احاطہ تحریر میں لاؤں (اس گرمی کو پیدا کرنے کیلئے) میں نے اپنے نفیس قلم کو مجسم شعلہ کی طرح جلا دیا (تا کہ قلم میں گرمی پیدا ہو سکے)۔ (حسّان معنی بہت اچھا۔ نفیس۔ عقلمند)۔

گرمجوشی بخموشی مکن اے شاہ نیازؔ   سر بزانو شدنت جانِ غزل خوانم سوخت

اے شاہ نیازؔ خاموشی میں گرم جوشی مت دکھا (یعنی خاموش نہ رہو)۔ تیرے اس طرح سر بزانو ہونے سے (یعنی خاموش رہنے سے) غزل خواں کی جان جل گئی (اس کی قدر و شہرت نہ ہو سکی)۔

غزل

مہر رویت نہ ہمیں دیدۂ حیرانم سوخت   گرمی شعلۂ حُسنِ تو دل و جانم سوخت

تیرے چہرہ کے سورج نے نہ صرف میری حیران آنکھوں کو جلا دیا بلکہ تیرے حسن کے شعلہ کی گرمی نے میری جان و دل کو بھی جلا دیا۔

شمع ساں برسر بزمت ہمہ عمرم میسوز   لیک یک لحظہ ہجرانِ تو نتوانم سوخت

تیری بزم میں شمع کی طرح ساری زندگی میں جلتا رہا لیکن تیرے ہجر میں جلنا ایک لمحہ کے لئے بھی ممکن نہیں۔

نیست انصاف کہ بزم تو برافروز و شمع   مہر پرور بحضورت بہ ازاں دانم سوخت

یہ کوئی انصاف نہیں کہ شمع تو تیری بزم کو روشن کئے ہوئے ہے اور میں سمجھوں کہ مہر پرور (سورج

کی سی خصوصیت رکھنے والا) تیری موجودگی میں اس سے جل جائے۔

دل مجموع من از غنچۂ لب بند خوشت　　　ہرزہ خندیدن گلہائی گلستانم سوخت

میرا مطمئن دل بند کلی سے خوش ہے (کہ اس نے) میرے گلستاں کے پھولوں کی لغو اور فضول ہنسی کو جلا دیا۔ (مجموع یعنی جس کو اطمینان قلب حاصل ہو)۔

منکہ پروانہ نمط سوزے وسازے دارم　　　غلغل و شور سحر گاہی مرغانم سوخت

میں نے کہ جسے پروانے کی طرح سوز وساز حاصل ہے، صبح کی چڑیوں کے شور وغل کو جلا دیا۔

لالہ زارِ جگرم رشکِ بہارِ ارم ست　　　نو بہار عجبے صحنِ گلستانم سوخت

میرے جگر کا لالہ زار فردوس کی بہاروں کی لئے باعث رشک ہے۔ ایک عجیب نوبہار نے میرے گلستاں کے صحن کو جلا دیا۔ (ایسی ایک نئی بہار آئی کہ میرے باغِ جگر کی بہار اس کے سامنے بے حقیقت ہوگئی)۔

دفتر دعوی تقدیس ملائک یکسر　　　شعلۂ آتش عشق دلِ انسانم سوخت

فرشتوں کی پاکی اور تقدس کے دفتر کو انسان کے دل کے شعلہ عشق نے جلا دیا۔ (قلب انسانی کا جذبہ عشق فرشتوں کے تقدس اور پاکیزگی سے کہیں بہتر ہے)۔

گذر قافلہا یک نفس آسودہ نداشت　　　غم آوارگی گرد بیابانم سوخت

قافلوں کی گزر کو ایک لمحہ بھی سکون نہیں۔ میرے صحرا کی خاک کو غم آوارگی نے جلا دیا۔

فلک افلاک بسیلاب سرشکم درچرخ　　　بود تا چشم سہیلت یم طوفانم سوخت

فلک الافلاک (تمام آسمانوں کا آسمان) میری آنکھوں کے سیلاب سے گردش میں تھا حتیٰ کہ تیری ستاروں جیسی آنکھوں نے اس سمندر کے طوفان کو جلا دیا (چرخ یعنی گردش+ سہیل ایک ستارہ کا نام+ یم یعنی سمندر)۔

بلبلم در قفس و دورز گلشن بہ بہار　　　در چمن نغمۂ مرغانِ خوش الحانم سوخت

میرا بلبل بہار کے موسم میں قفس میں ہے اور گلشن سے دور ہے۔ باغ میں خوش الحان پرندوں کے نغموں نے اُسے جلا دیا۔ (باغ میں پرندوں کے نغموں نے قفس میں مقید بلبل کے احساس تنہائی کو بڑھا دیا)۔

کاروانم ہمہ بگزشت و من و تنہائی　　　غم واماندگی از قافلہ یارانم سوخت

میرا سارا کارواں گزر گیا۔ اب میں ہوں اور تنہائی۔ دوستوں کے قافلہ سے بچھڑنے کے غم نے

مجھے جلا دیا۔

داغِ برقست قرارِ دلِ بیتاب نیآز　　　جانِ بارانِ گہر چشم در افشانم سوخت

اے نیآز برق کا داغ اب دل بیتاب کا قرار ہے (بجلی گرنے کا زخم)۔ موتیوں کی بارش نے میری موتی برساتی آنکھ کو جلا دیا (موتیوں سے مراد آنسو)۔

غزل

کافرِ عشق زرسم ورہ ایماں برگشت　　　محوِ نظارۂ جاناں زدل و جاں برگشت

کافر عشق ایمان کے رسم وراہ سے برگشتہ ہو گیا۔ جو محبوب کو دیکھنے میں محو تھا وہ اپنے دل و جان سے گیا (کافر کا مطلب پہلے کہیں بیان کیا جا چکا ہے)۔ (ایمان یعنی نمائشی ایمان)

بسکہ از چشمِ سیہ مست کسے سرمستم　　　دلم از ذوق مئے ساغرِ دوران برگشت

اب کسی کی چشم سیاہ مست سے میں سرمست ہوں۔ میرے دل کو اس لئے محفل میں گردش کرنے والے ساغر کی شراب کا قطعی ذوق نہ رہا۔

میتواں از دو جہاں از دل و جاں برگشتن　　　مگر از عہد وفائی تو کہ نتواں برگشت

یہ تو ممکن ہے کہ میری جان اور میرا دل دونوں عالم سے برگشتہ ہو جائے مگر تجھ سے وعدہ کے عہد سے بے وفائی کروں یہ ممکن نہیں۔

دوش از جلوۂ نازِ توبہ صحن گلشن　　　بلبل از نالۂ و دردِ گُلِ خنداں برگشت

کل گلشن کے صحن میں تیرے جلوۂ ناز سے بلبل اپنی آہ وزاری سے اور ہنستے ہوئے پھول کے درد سے برگشتہ ہو گیا۔ (اپنی آہ وزاری اور اپنے دردِ عشق کو جو اسے گل سے تھا بھول گیا)۔

نظرِ اہل نظر منتج کشفست و شہود　　　صوفی صافیم از حجّت و برہاں برگشت

اہل نظر کی نظروں کی بدولت مجھے کشف و شہود حاصل ہو گیا اور آخر میرے اندر کا صوفی صافی دلائل و براہین سے برگشتہ ہو گیا۔ (دلائل و براہین سے تائب ہو گیا)۔

(مرشد یا پاک باطن صوفیوں کی نظروں سے ہی کشف و شہود حاصل ہوتا ہے اور سالک اس قابل ہوتا ہے کہ کائنات میں ہر جگہ حق کا جلوہ دیکھ سکے۔ عشق کے راستہ میں دلائل و

براہین کام نہیں آتے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں   برے مولا مجھے صاحب جنوں کر)

قیدِ مذہب سببِ سلبِ تجرد تادید   دلِ بے قید زہر گبر و مسلماں برگشت

میرا تجرد جو سلب ہوا۔ اس کا سبب مذہب کی قید ہے۔ بے قید دل یعنی آزاد دل ہر گبر و مسلمان سے برگشتہ ہو گیا۔

(قلب کو ماسوا سے پاک کرنا تجرید ہے۔ سالک کا مذہب عشق ہے۔ وہ ہر شے میں حق کو دیکھتا ہے۔ مذاہب کی قیود اس کیلئے لایعنی ہیں۔ جو تنگ نظر حقیقت کو نہیں دیکھتے ان کا ایمان و اسلام بھی نمائشی ہے۔ پھر وہ کسی مذہب کا بھی ہو قابل اعتنا نہیں ہوتا)۔

ہر کہ سودائے محبت بسرِ زلفِ تو کرد   نقد جمعیت دل دادو پریشاں برگشت

جس نے تیرے زلفوں کے پیچ وخم سے محبت کا سودا کیا اس نے اپنا دل کا نقد سکون دے دیا اور پریشانیاں مول لیں۔

نگہِ لطفِ تو گر سوئے نیاز آمد نیست   روزئے از رنج وغم وغصہ تواں جاں برگشت

اگر تیری نگاہ لطف نیاز کی طرف نہ ہوئی تو ایک دن رنج وغم اور غصہ سے اسکی جان چلی جائے گی۔

غزل

مبارک بادت اے دل گشت بینا دیدۂ کورت   نمایاں شد بہر سو صورتِ یار نکو صورت

اے دل تجھے مبارک ہو کہ تیری اندھی آنکھیں اب دیدۂ بینا (دیکھنے والی آنکھیں) ہو گئی ہیں۔ اسکے نتیجہ میں حسین خدو خال والے محبوب کی صورت اب ہر طرف نظر آتی ہے۔

(قرآن پاک کا ارشاد ہے" فاینما تولو فثم وجہ اللہ" یعنی تم جہاں دیکھو اللہ کا چہرہ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر ہمیں اسکا چہرہ ہر طرف نظر نہیں آتا تو ہماری آنکھیں اندھی ہیں۔ خداوند تعالیٰ کا فرمان غلط نہیں ہو سکتا۔ مرشد کی تعلیمات اور ریاضت و مجاہدات سے سالک اس قابل ہو جاتا ہے کہ ہر جگہ ہر صورت میں اس کا جلوہ دیکھتا ہے۔ ہر جگہ وہ ہے۔ ہر اسم اسی کا ہے۔ ہر صفت اسی کی ہے۔ چشم بینا چاہیئے)۔

عجب کیفیتے دارد نگاہ ناز مخمورت — کہ در مستی و مد ہوشی در آمد جانِ مہجورت

تیری نشیلی نگاہِ ناز عجب کیفیت کی حامل ہے کہ اس مستی اور مد ہوشی میں تیرے مہجور (ہجر میں مبتلا) میں جان آ جاتی ہے۔

قیامت غلغل و غوغاست در جوش و خروش تو — کہ یکسر گوشِ عالم پُر شد از ہائے و ہوئے سویت

قیامت دراصل تیرے جوش و خروش کے شور و غل کا نام ہے کہ اس ہائے و ہو سے تمام عالم کے کان پُر ہیں۔

برآید ہر چہ از دل برزباں ہاں فاش گوایدل — کہ ہشیاراں برائے بیہشی دارند معذورت

اے دل۔ دل سے جو بات زبان پر آئے اسے کھول کر برملا بیان کر کہ ہشیاروں کو بے ہوشی کیلئے ایک عذر چاہیے۔

چو رفتی از میاں بس خود خدا گشتی اناالحق زن — کہ شد پیوندِ جانِ جان و دل حالاتِ منصورت

تو اگر درمیان سے ہٹ گیا تو خدا ہو گیا۔ اب "اناالحق" کا نعرہ لگا کہ تیری جان و دل میں منصور کی کیفیات رچ بس گئی ہیں۔

(سب سے بڑا حجاب اپنے اور حق کے درمیان خود اپنی خودی ہے۔ اگر یہ خودی ہٹ گئی تو فنا فی الحق ہو کر پھر اپنا وجود باقی نہیں رہتا۔ حق ہی حق رہ جاتا ہے۔ یہی کیفیت منصور کے ساتھ ہوئی جو انہوں نے اناالحق کا نعرہ لگایا تھا)۔

جوابِ ربّ ارنی لن ترانی نشنوی ہرگز — بعشقِ آتشیں روئے شدہ سوزاں تنِ طورت

تو "رب ارنی" (رب خود کو مجھے دکھا) کا جواب "لن ترانی" (تو مجھے نہیں دیکھ سکتا)۔ ہرگز مت سننا کہ اس آتش رو (آگ کا سا چہرہ رکھنے والا) کے عشق میں تیرا طورِ جسم جل رہا ہے (جسم کوہِ طور کی طرح ہے جس پر تجلی حق کا شعلہ روشن ہے۔ شعلہ محبوب کے حسن کا ہے)۔

(یہ تلمیح ہے حضرت موسیٰ کے واقعہ کی طرف جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ حضرت موسیٰ نے کوہ طور پر ایک شعلہ دیکھا۔ وہ چونکہ آگ کی تلاش میں تھے۔ اس آگ کی طرف گئے۔ وہ دراصل تجلی حق تھی۔ وہاں سے آواز آئی میں تمہارا رب ہوں۔ حضرت موسیٰ نے "رب ارنی" کہہ کر دیدار کی خواہش کی۔ جواب آیا "لن ترانی"۔ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ اصل یہ ہے کہ اس کا دیدار ان مادی آنکھوں سے ممکن نہیں۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے لاتدرکہ الابصار۔ وہ ایک غیر مرئی غیر مادی حقیقت ہے۔ جب تک بندہ تعینات میں گرفتار ہے۔ ان

جسمانی آنکھوں سے اسے نہیں دیکھا جا سکتا۔ دل کی آنکھیں کھلی ہوں تو وہ ہر جگہ موجود ہے)۔

نیاید درنگاہ تو بجزآں حسن بے رنگے — بہر جانب کہ بینی باشدآں دلدار منظورت

تیری نگاہ میں سوائے اس حسنِ بے رنگ کے کوئی دوسرا نہیں آتا۔ جہاں بھی دیکھتا ہے وہی محبوب نظر آتا ہے۔

چو خورشید حقیقت شد برون از مطلعِ جانت — مبدل شد بروز روشنے شبہائے دیجورت

آفتاب حقیقت جب تیرے مطلع جان سے طلوع ہوتا ہے (یعنی جب تجھ پر حقیقت غالب آ جاتی ہے) تو سیاہ راتیں روزِ روشن میں بدل جاتی ہیں۔

(آفتاب۔ مطلع۔ طلوع۔ اندھیری رات۔ روشن دن۔ یہ سب رعایت لفظی کی اچھی مثالیں ہیں)۔

شرابے خوردی از جام لب یارے شکر خوارے — سلامت یافت از تلخی ہجراں جانِ رنجورت

اس شکر خور محبوب کے لبوں کے جام سے اگر تو شراب پیے۔ تو تیری غم زدہ جان ہجر کی تلخیوں سے سلامتی پائے۔

نبا شد گر عبادت خالصاً للہ اے زاہد — بگو حاصل چہ باشد عاقبت زیں جنّت وحورت

اے زاہد اگر تیری عبادت خالصتاً اللہ کیلئے نہ ہو تو تو خود بتا کہ آخر اس جنّت اور حور سے تجھے کیا حاصل ہوگا۔

چہ تاب آرد حدوث تیرہ برروئے نیازت دل — فروغے از قِدم پیداست اندر مشعلِ نورت

اے نیاز تیرے چہرہ پر حدوث کی تاریکی چھائے دل کی یہ مجال کہاں قِدم سے اس کے اندر نور کی مشعل روشن ہے۔ جس سے روشنی ظاہر ہو رہی ہے۔

(حدوث: ایسے موجود سابق کا محتاج ہونا جس سے پہلے کوئی موجود نہیں تھا اور وہ موجود جس سے پہلے کوئی موجود نہیں، ذاتِ حق ہے۔

قِدم: حق تعالیٰ کے وجود کا مخلوقات پر متقدم ہونا)۔

غزل

انچہ با بادہ کشاں ساغر صہبا میکرد دور چشم تو بہ مخمور دل ما میکرد

جامِ شراب نے جو مے خواروں کے ساتھ کیا تھا وہی تیری آنکھوں کے پیالہ کی گردش نے میرے مخمور دل کے ساتھ کیا۔

متن حسنت کہ قضا و قدر انشا میکرد کاش با حاشیہ مہر محشیٰ میکرد

قضا و قدر نے تیرے حسن کی عبارت کو جو انشا کیا (تحریر کیا)۔ کاش وہ محبت کے تفصیلی حاشیہ کے ساتھ ہوتا (محشیٰ معنی تفصیلی)۔

جوشِ عشقت بسرم مستی صہبا میداد دل صد آبلہ ام جلوۂ مینا میکرد

یہ تیرے عشق کا جوش ہے جس نے میرے سر میں شراب کی مستی پیدا کر دی اور میرے آبلوں سے پُر دل نے مینا کا سا منظر پیش کیا۔ (آبلوں کی شکل مینا جیسی ہوتی ہے)۔

دیدہ میساخت بہر جای خیال خالت دل نادیدہ مقامش بسویدا میکرد

جہاں بھی تیرے خال سیاہ (کالے تل) کا خیال آیا وہ جگہ آنکھ بن گئی اور دل نادیدہ نے اس مقام پر سویدا کو دیکھا۔ (سویدا: وہ کالا نقطہ جو دل پر ہوتا ہے) (سیاہ تل اور سویدا میں رعایت لفظی ہے)۔

چشم نرگس بچمن راہ کہ میدید خدا گوشِ گل اید بتہای کہ اصغا میکرد

چشم نرگس چمن کی اس راہ پر لگی ہیں کہ خدا کو دیکھے گی۔ گل کے کان بھی وہاں لگے ہیں (اصغا: سننے کیلئے کان جھکانا)۔

سحر از آمدنت غنچہ خبرداد کہ گُل! نظرِ لطف سوئی بلبل شیدا میکرد

صبح نے غنچہ کو تیرے آنے کی اطلاع دی اور یہ خبر سنائی کہ گل کی نظرِ لطف آج عاشق بلبل کی طرف ہے۔

صانع جزو کل ایں جوہر فردومنت کاش میساخت ودبخش ذہنخن وا میکرد

اس صانع جزو وکل (جزو کل کو بنانے والے یعنی خدا) نے کاش تیرے دہن کے جو ہر فرد (منفرد قسم کے موتی) کو گوشہ عافیت بنایا ہوتا جو صرف گفتگو کے لئے کھلتا (درج: گوشۂ عافیت)۔

دستِ بیدادِ تو میکشت جہانرا یکسر   باز پا مالیِ ہر کشتہ کفِ پا میکرد

تیرے ظالم ہاتھوں نے دنیا کو یکسر مار دیا پھر ہر مرے ہوئے کو اپنے کفِ پا سے پامال کیا (پامالی اور کفِ پا میں رعایت لفظی ہے)۔

چرخ با اینہمہ بیمہری و بیدادگری   برسرِ کشتۂ جورِ توچہ ہیہا میکرد

آسمان باوجود اتنی بے مہری اور جوروستم کے تیرے ظلم وستم کے مارے پر کتنا ہائے ہو کرتا ہے (یعنی تیرا جوروستم آسمان کے جوروستم سے زیادہ ہے)۔

شد بفرمانِ کسے جان و دل و ایمانم   کہ مدام از سر الطاف تقاضا میکرد

کسی کے حکم پر جان و دل اور ایمان (قربان کردیا) کہ اس کی عنایات وکرم ہمیشہ یہی تقاضا کرتے تھے۔

گر شود جلوہ گر اندر نظرش یار نیازؔ   یوسفِ مصر کند انچہ زلیخا میکرد

اے نیازؔ اگر اس کی نظروں میں یار جلوہ گر ہو جائے تو یوسف مصر بھی وہی کرے جو زلیخا نے کیا تھا (زلیخا نے زبردستی یوسف کے ساتھ اظہار محبت کیا تھا)۔

غزل

دل ما انچہ ز اغیار تمنا میکرد   شب در آئینۂ خود صاف تماشا میکرد

ہمارا دل اغیار سے جو تمنا کرتا تھا شب میں وہ سب کچھ اپنے خود کے آئینہ میں ہم نے صاف دیکھا۔

بحریم حرم و دیر و کلیسا وکنشت   ہر کہ می جُست تراواٸی چہ بیجا میکرد

جو تجھے حریم کعبہ یا دیر (بُتخانہ) کلیسا اور کنشت (گرجا اور یہودیوں کی عبادت گاہ) میں ڈھونڈتے ہیں، افسوس وہ کتنا غلط کرتے ہیں۔

شیشۂ بوددلم یا کہ طلسمِ حیرت   کہ بتمثال پری جلوہ گر یہا میکرد

میرے دل کا آئینہ تھا کہ حیرت کا طلسم کدہ کہ پری کی طرح وہ اس میں طرح طرح سے اپنی جلوہ گری کر رہا تھا۔

عین دریاست حبابم بہ نگاہ تحقیق ورنہ ایں قطرہ چرا شورشِ دریا میکرد

اگر تحقیق کی نظروں سے دیکھو تو حباب عین دریا ہے۔ ورنہ یہ قطرہ دریا میں ملنے کی خاطر کیوں اتنا ہنگامہ کرتا۔ (دریا جیسا شور کیوں کرتا)

کمی قدرم و افزونیٔ جاہش باہم ہر یکے حکمتِ تکریر مثنّا میکرد

میرے قدر کی کمی اور اس کے رتبہ اور شان کی زیادتی باہم دونوں مل کر بار بار جوڑے بننے کی تدبیر کرتے ہیں۔ (تکریر= بار بار مثنا= دو دو۔ دہرا)

حاصلِ غیرت من بود پریشانیٔ دل ناخنِ شانہء زلفت چوگرہ وا میکرد

میری غیرت کا حاصل دل کی پریشانی تھی۔ تیری زلف کی کنگھی ناخن ثابت ہوئی جس نے اس گرہ کو کھول دیا۔

دربرم آبلہء بود پُر از خونابے محتسب بے سبب ایں شورش و غوغا میکرد

میرے بغل میں ایک آبلہ تھا جو خون سے بھرا ہوا تھا۔ محتسب بے سبب اتنا شور مچا رہا تھا (خون دیکھ کر یا شراب کی بوتل سمجھ کر)۔

دلِ من ہمچو سپند ان بسرِ آتش عشق در حضور نظرش لب بدعاوا میکرد

آتشِ عشق کی وجہ سے میرا دل "سپند" کی طرح جل رہا تھا۔ اس کی نظروں کے حضور دعا کے لئے میں اپنے لب کھول رہا تھا (اسپند: ایک قسم کے دانے جس کے جلانے سے خوشبو دار دھواں نکلتا ہے)۔

لبِ میگون تو میساخت مرا مست الست ساغر چشم تو سرمستی صہبا میکرد

تیرے میگوں لب (شراب آلود لب) مجھے مست الست بنا رہے تھے اور تیری آنکھوں کے ساغر شراب کی سرمستی پیدا کر رہے تھے۔

قوت شاہ نجف بیں کہ بیک نیم نگاہ میکندانچہ بصد حیلہ مسیحا میکرد

شاہ نجف (حضرت مولا علیؑ) کی قوت دیکھ کہ ایک نیم نگاہ سے وہ سب کچھ کر دیا جو مسیح سو تدبیروں سے کرتے تھے۔

اے نیاز اینہمہ اعجاز کسے میگویم کہ حقش یاد بمزمّل و طاہا میکرد

اے نیاز یہ سب میں انہیں کا اعجاز سمجھتا ہوں جس کو حق نے مزمل اور طاہا سے یاد کیا (یعنی حضور سرور کونینؐ جن کو قرآن نے "مزمل" اور "طٰہٰ" کے نام سے مخاطب کیا)۔

غزل

ای کاشکے ز تلخی ہجرم رہا کنند وز شربتِ وصال بدردم دوا کنند

اے کاش اپنی ہجر کی تلخی سے وہ مجھے رہا کردیں اور شربتِ وصال سے میرے درد کی دوا کریں۔

از بندہ پروری و نوازش بعید نیست شاہاں اگر نگاہ بسوئے گدا کنند

شاہوں کی بندہ پروری اور نوازش سے کوئی بعید نہیں کہ وہ فقیروں کی طرف نظر التفات کریں۔

آنانکہ زیر سایہء مہرت مقام شانست وردل چرا تخیّل بال ہما کنند

ان کی مہربانیوں کے سایہ میں جن کو جگہ ملی ہوئی ہے ان کے دل میں بالِ ھُما کا خیال کیوں آتا ہے (ھُما ایک فرضی پرندہ جو بہت مبارک تصور کیا جاتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ جس کے سر پر بیٹھ جاتا ہے وہ بادشاہ ہوجاتا ہے)۔

شوریدگان حُسنِ جمال و جلال یار تسکینِ دل بملکِ دو عالم کُجا کنند

جو محبوب کے جمال وجلال کے حسن میں گرفتار ہیں انکو دو عالم کی بادشاہی کیا تسکین بخش سکتی ہے۔

دیوانگانِ بادیہ پیمائے عشقِ اُو ہفت آسماں بچشم زدن زیر پا کنند

اس کے عشق کے صحرا نوردوں کے دیوانے (اتنے بلند ہمت ہوتے ہیں کہ) آن واحد میں ساتوں آسمانوں کو اپنے پیروں کے نیچے کرلیتے ہیں۔

آں چشم التفات کہ بر حالِ دیگرانست آیا بود کہ عشر عشیرش بما کنند

وہ چشمِ التفات جو دوسروں کے حال پر ہے کاش اس کا عشرِ عشیر بھی میری طرف متوجہ ہو جائے۔

بر کشتگانِ چشم و اسیرانِ دام زلف غوری براوستاد نگاہی چپا کنند

اپنی آنکھوں کے ماروں اور اپنے دامِ زلف کے اسیروں پر وہ تو غور کرتا ہے لیکن اس کی نگاہیں فریب کرتی ہیں۔ (چپا = فریب۔ مکر)

مارا برو بروگران رابیا بیا برما جفا وجور بر آنہا وفا کنند

ہم کو وہ "جا۔ جا" کہتا ہے اور دوسروں کو "آ۔آ" کہتا ہے۔ ہم پر جفا اور ان سے وفا کرتا ہے۔

وررشتہء مرادِ من افتاد صد گرہ باناخنِ مژہ مگر ایں عقدہ واکنند

میری آرزوؤں کے دھاگے میں سینکڑوں گرہیں پڑی ہوئی ہیں۔ مگر یہ گرہیں اس کے پلکوں کے

ناخن سے کھل سکتی ہیں۔

جانان بسوئی اہل نیازت گزارکن تاجان و دل نثار و فدائی شما کنند

میرے محبوب اپنے نیازمندوں کی طرف سے گزرتا کہ وہ تجھ پر جان ودل نثار اور فدا کریں۔

غزل

وای بر غلطیدۂ در خوں کہ قاتل بگذرد اوچنان ماند تپاں وین ہمچو غافل بگذرد

افسوس کی بات ہے (کہ ایک شخص تو) خون میں لت پت پڑا ہے اور قاتل (اس کے سامنے سے) گزر جائے، وہ تو تڑپ رہا ہے اور یہ لا پروائی سے گزر جائے۔

شستہ ام دستان خود از زندگی در بیدلی کار بر جاں می فتد چوں نوبت از دل بگذرد

میں نے بے دلی سے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو لئے ہیں۔ جب دل سے نوبت گزر جاتی ہے تو سارا بوجھ جان پر آن پڑتا ہے۔

جز دم شمشیر و نوک تیر آں خونخوار کیست محرم دردی کہ آں بر جان بسمل بگذرد

اس خونخوار کی تلوار کی دھار اور اس کے تیر کی نوک سے زیادہ اس درد کو کون جان سکتا ہے جو اس بسمل کی جان کو محسوس ہوتا ہے۔

نوبتم درنا توانی تا بایں حد سر کشید آہ راہم زور بازو نے کہ از دل بگذرد

میری ناتوانی اب اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ آہ کو بھی اب طاقت نہیں رہی کہ وہ دل سے گزرے۔(دل سے ''آہ'' کی آواز بھی نکل سکے)

ہمچو طوفانست پیدا از سرشکِ اشکِ من می نہ بینم کشتیم بر روئے ساحل بگذرد

میرے آنسوؤں کے قطروں سے اتنا سیلاب آ گیا ہے کہ اب مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری کشتی ساحل تک نہیں پہنچ پائے گی۔

عاشقاں را غم عجب مونس بدست اُفتادہ است غم اگر مونس نباشد سخت مشکل بگذرد

عاشقوں کا غم جو ان کا سب سے عجب رفیق تھا، ساتھ چھوڑ گیا۔ اگر یہ رفیق غم بھی ساتھ چھوڑ دے تو سخت مشکلات کا سامنا ہوگا۔

داشتم دل یادگار یار آنہم یار برد　　　کیست یار جانِ من یا رب اگر دل بگذرد

میں نے محبوب کا دل یادگار کے طور پر رکھا تھا۔ وہ بھی محبوب لے گیا۔ یا رب اگر دل بھی چلا گیا تو میری جان کا دوست کون ہوگا۔

درغم جاناں بیابا ما نشیں ای عندلیب　　　کین حیات چند روزہ حال شامل بگذرد

اے عندلیب (بلبل) آ اور غمِ جاناں (دوست کے غم) میں میرے ساتھ شریک ہو کہ یہ چند روزہ زندگی تیرے حال کے ساتھ گزر جائے۔

اہلِ دل گویند مارا آفرین باد ای نیاز　　　این نیازم گر بناز او مقابل بگذرد

اہلِ دل لوگ کہتے ہیں اے نیاز آفریں ہے تم پر۔(اہل دل لوگ اے نیاز ہمیں شاباش کہتے ہیں) اگر میرا نیاز اس کے ناز کا مقابلہ کر سکے۔

غزل

گر شبے آں ماہ تابا نے بہ محفل بگذرد　　　حیرتے بر شمع و بر پروانہ مشکل بگذرد

اگر کسی رات وہ ماہ تاباں محفل میں آ جائے تو شمع حیرت زدہ ہو جائے اور پروانہ مشکل میں پڑ جائے (شمع اس چاند جیسے محبوب کی روشنی دیکھ کر حیران ہو جائے) پروانہ مشکل میں پڑ جائے کہ وہ اپنی جان شمع پر نثار کرے یا محبوب پر کیونکہ محبوب کی روشنی شمع سے کہیں زیادہ ہے۔)

آنکہ او دل دارد ازوی حالت بیدل مپرس　　　درد بیدل را کسے داند کزو دل بگذرد

جس کے پاس دل ہے اس سے کسی بے دل کی حالت مت پوچھ۔ بے دل کے درد کو وہی سمجھ سکتا ہے جس سے اس کا دل لے لیا گیا ہو۔

عاشقاں را سوئے جاناں عشقِ کامل رہبرست　　　عاشق ار صادق بود منزل بمنزل بگذرد

عاشقوں کیلئے محبوب تک پہنچنے کے لئے عشق کامل رہبر ہے۔ اگر عاشق سچا ہے تو منزل بہ منزل راستہ طے ہو ہی جاتا ہے۔

آرزویم جز تماشائے جمالِ یار نیست　　　نیست امکاں اینکہ در دل وہم باطل بگذرد

میری آرزو اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں محبوب کا جمال دیکھوں۔ اس کا قطعی امکان نہیں کہ کوئی

باطل خیال میرے دل میں آئے۔

فکر بہبودی عبث در خاطرت داری نیازؔ   کے تواند بہ شدن زخمیکہ از دل بگذرد

اے نیازؔ تیرے دل (کے زخم) میں بہتری کا خیال عبث ہے کیونکہ جو زخم دل پر لگتا ہے وہ کب صحیح ہوسکتا ہے۔

بسنت

بسنت آمد و گلدستہء بہار آورد   نشاط و خرمی آمادہ در کنار آورد

بسنت آئی اور بہار کا گلدستہ ساتھ لائی۔ مسرت و شادمانی اپنی آغوش میں ساتھ لائی۔

ترانہائے طرب نغمہائے جاں افزا   رباب وعودودف و چنگ رابکار آورد

ساتھ میں خوشی کے ترانے اور جاں افزا نغمے لائی، عود و رباب دف اور چنگ ان سب کی نغمہ سرائیاں شروع ہوگئیں۔

فزودمستی و جوش و خروش مستاں را   ہوائے نشہ بہ شیخانِ ہوشیار آورد

مستوں کی مستی اور جوش وخروش میں اضافہ ہوگیا۔ جو ضعیف اور بوڑھے ہوش وحواس میں تھے ان کے لئے نشہ کی ہوا لائی (اور وہ بھی نشہ میں مست ہوگئے)۔

جفاکشانِ خزاں را خوشی مبارکباد   بہار آمد و گلہا بشاخسار آورد

خزاں کے جفاکشوں کو یہ خوشی مبارک ہو۔ بہار آئی اور شاخوں میں پھول کھل گئے۔

شگفت غنچہ دل از ہوائے فصلِ بہار   نہالِ خاطرِ یخ بستہ برگ و بار آورد

فصل بہار کی ہوا سے غنچۂ دل کھِل گیا اور یخ بستہ (برف آلود) دل کے پودوں میں برگ و بار (پتے اور پھل) آگئے۔

رسید باد صبا سوی بلبلِ مضطر   قدوم موسمِ گل گفت و در قرار آورد

باد صبا پریشان حال بلبل کی جانب پہنچی اور موسم بہار کی آمد کی خوش خبری دی۔ اس طرح بلبل کے لئے سامان قرار ساتھ لائی۔

حضورِ خسروِ ہندوستاں نظام الدینؒ نیازِ جان و دلِ خویش را نثار آورد

بادشاہ ھند حضرت نظام الدینؒ (محبوب الٰہیؒ) کی خدمت میں نیاز اپنی جان و دل نثار کرنے حاضر ہوا ہے۔

نوٹ:۔ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ بسنت کے تہوار میں دلچسپی لیتے تھے۔ خاص غلام بسنت لے کر آتے تھے اور سماع میں بسنت کی نسبت سے کلام سماعت فرماتے تھے۔ حضرت امیر خسروؒ اس معاملے میں پیش پیش تھے۔ چنانچہ چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی اکثر خانقاہوں میں یہ رسم تھی۔ ہولی کے متعلق بھی بزرگوں کے کلام میں اشارات ہیں۔ چنانچہ حضور قبلہؒ کے دیوان میں کئی ہولیاں پھاگ اور بسنت ھندی زبان میں موجود ہیں۔

ھندی میں ایک بسنت ہے ؎

خواجہ معین الدین کے گھر آج دھاتی ہے بسنت

کیا بن بنا اور سج سجا مجرے کو آتی ہے بسنت

ایک اور ھندی بسنت ہے ع

رنگ راچو بسنت نئی رت حضرت نبی رسول کی

اس کو کس نظر سے دیکھا جاتا تھا یہ الگ موضوع ہے۔ اس کو سمجھنے کیلئے مرشد کی تعلیمات ضروری ہیں۔ کچھ اشارے یہاں دیے گئے ہیں جس سے ان باتوں کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

بسنت: اگر یہاں بسنت کے متعلق کچھ لکھ دیا جائے تو مناسب ہے۔ چشتیہ نظامیہ سلسلہ میں یہ رسم کس طرح رائج ہوئی اور اس کا پس منظر کیا ہے۔ اس سے کچھ اندازہ ہوگا۔ تفصیل اگر لکھی جائے تو کئی صفحات درکار ہوں گے اس لیے مختصراً عرض ہے۔ دکن (ہندوستان) میں ایک ریاست تلنگانہ تھی جو موجودہ اورنگ آباد کے قریب تھی۔ وہاں کا ایک راج کمار ہر دیو حضرت نظام الدین اولیا کے حالات و واقعات سن کر ان کا بہت عقیدتمند ہوگیا تھا۔ یہ عقیدت اسے دہلی لے گئی جہاں وہ برسوں حضرت کی خدمت میں رہا۔ مسلمان ہوکر خلافت سے نوازا گیا۔ دہلی کے دورانِ قیام وہ روز نامچہ لکھا کرتا تھا۔ روز نامچہ ملفوظات یا سوانح حیات سے مختلف چیز ہے اس لئے اس میں بہت سے نجی اور ذاتی معاملات ایسے آگئے ہیں جو عام تذکروں میں نہیں ہیں۔ وہ روز نامچہ فارسی میں ''چہل روزہ'' کے نام سے محفوظ تھا جس کا ترجمہ خواجہ حسن نظامیؒ نے ''نظامی بنسری'' کے نام سے کیا تھا۔ یہ واقعہ اس میں درج ہے۔

ایک مرتبہ ہندو اپنا تہوار ''بسنت پنچمی'' منا رہے تھے جو بہار کے موسم میں ہوتا ہے، ہردیو نے دیکھا کہ لوگ سرسوں کے پھول لیے مندر کی طرف جا رہے ہیں باوجود خواہش بغیر حضرت کی اجازت کے اسے مندر جانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ دیکھا کہ حضرت امیر خسروؒ بھی سرسوں کے پھول ہاتھ میں لیے آ رہے ہیں۔ دریافت کرنے پر انہوں نے کہا کہ آج بسنت ہے میں حضرت کی خدمت میں یہ پھول نذر کرنے لایا تھا۔ پھر امیر خسروؒ حضرت کی خدمت میں ہردیو کو اور حضرت کے دو اور خلفا خواجہ محمدؒ اور خواجہ سید موسیٰؒ کو ساتھ لے کر حاضر ہوئے۔ سرسوں کے پھول قدموں میں رکھ دیے اور ہندی زبان میں کہا ''عرب یار توری بسنت منائی۔'' آج ہندو اپنے بت پر پھول چڑھانے جا رہے ہیں۔ میں بھی اپنے بت پر سرسوں کے پھول چڑھانے آیا ہوں۔

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند
آرے آرے می کنم با خلق وعالم کار نیست

(دنیا کہتی ہے کہ خسرو بت پرستی کرتا ہے ہاں ہاں بے شک کرتا ہوں مجھے دنیا اور خلق کی پروا نہیں)

اس کے بعد خسرو نے یہ فارسی شعر گانا شروع کر دیا۔ ؎

اشک ریز آمدند ابرو بہار
ساقیا گل بریز و بادہ بیار

(ابرو بہار آنسو بہاتے ہوئے آئے، اے ساقی پھول برسا اور شراب لا۔)

یہ سن کر حضرت نظام الدین اولیا پر گریہ طاری ہوا۔ پھر خواجہ سید محمدؒ اور خواجہ سید موسیٰ بھی امیر خسرو کے ساتھ گانے میں شریک ہوگئے۔ حضرتؒ پر شدید وجد کی کیفیت طاری ہوئی حضرت خود اس شعر کی تکرار کرتے اور وجد شدید تر ہوتا رہا۔ پھر وہ پھول لے کر آپ خواجہ نوحؒ کے مزار پر آئے (خواجہ نوح آپ کی بہن کے پوتے تھے اور آپ کو بہت عزیز تھے) ان کے مزار پر پھول چڑھانے کے بعد آپ نے پھر وہی شعر پڑھا:۔ اشک ریز آمدند ابرو بہار۔ حضرت کی زبانی سن کر امیر خسرو اور خواجہ سید محمد اور خواجہ سید موسیٰ نے پھر یہ شعر گانا شروع کیا۔ آپ پر دیر تک وجد کی کیفیت طاری رہی۔ کچھ دیر بعد آپ نے خانقاہ کی طرف واپس آنے کا ارادہ کیا۔ امیر خسرو سے پوچھا کہ اب تم گھر جاؤ گے یا میرے ساتھ چلو گے۔ امیر خسرو نے عرض کیا۔

نہ خفت خسرو مسکیں ازیں ہوس شبہا

کہ دیدہ برکف پایت نہد بخواب شود

(غریب خسرو کئی راتوں سے اس آرزو کے سبب نہیں سویا کہ شاید کبھی حضور کے پائے مبارک کے تلووَں پر آنکھیں رکھ کر سوجانا نصیب ہو) یہ سن کر حضرتؒ نے فرمایا۔

گر برائے ترک ترکم ارّہ بر تارک ہند

ترک تارک گیرم و ہرگز نہ گیرم ترکِ تُرک

(اگر میرے ترک (امیر خسرو) کو مجھ سے جدا کرنے کے لیے میری پیشانی پر آرہ رکھ دیا جائے تب بھی میں سر دے دوں گا لیکن اپنے تُرک کو تَرک نہ کروں گا) اس کے بعد امیر خسروؒ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی

(میں تو ہوگیا تو میں ہوگیا میں جسم ہوگیا تو جان ہوگیا)

یہ سنتے ہی امیر خسروؒ جھکے اور حضرت کے قدموں پر سر رکھ دیا اور دونوں قدم اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر دوسرا مصرعہ پڑھا،

تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

(تا کہ پھر کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں کوئی الگ ہوں اور تم الگ ہو)

حضرتؒ نے فرمایا خسرو اٹھ جب حشر کا میدان گرم ہوگا اور میرا مالک میرا اعمال نامہ دیکھنے کے بعد مجھ سے دریافت فرمائے گا نظام میرے لیے دنیا سے کیا لایا تو عرض کروں گا "خسرو کے دل کا سوز تیری نذر کے لیے لایا ہوں"۔ یہ سنتے ہی امیر خسروؒ نے چیخ ماری اور حضرتؒ کے گرد طواف کرنے لگے۔ ان پر وجد کا عالم طاری تھا۔ ہردیو لکھتا ہے کہ میں دم بخود کھڑا تھا۔ خواجہ سید محمد اور خواجہ سید موسیٰ مل کر من تو شدم گا رہے تھے اور امیر خسرو حضرت کا دیوانہ وار طواف کر رہے تھے اور کہتے جاتے تھے" او خانہ ہمی جوید و من صاحب خانہ" یعنی لوگ گھر کو ڈھونڈتے ہیں اور میں گھر والے کو ڈھونڈتا ہوں۔

خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں کہ" راجکمار ہردیو نے بسنت کا جو قصہ لکھا ہے یہ بہت اہم چیز ہے۔ کیونکہ بسنت ہندووَں کا موسمی تہوار تھا مگر مسلمانوں میں بھی اس کا رواج ہوگیا ہے اور اب تمام ہندوستان میں مسلمان بسنت میں حصہ لیتے ہیں لیکن اس واقعہ سے پہلے بسنت کا رواج

مسلمانوں میں نہیں تھا نہ کسی تاریخی کتاب میں اس کا ذکر ہے۔ آج کل بھی یہ رواج باقی ہے۔ بسنت پنچمی کے دن شام کو چار بجے درگاہ حضرت سلطان المشائخ کے پیرزادے اور دہلی کے نظامی فقرا، متوسلین اور قوال جمع ہو کر اس پتھر پر جس پر حضرت سلطان المشائخ بیٹھے تھے پہلے سرسوں کے پھول ڈالتے ہیں اور وہاں کھڑے ہو کر ''عرب یار توری بسنت منائی'' اور وہ شعر جو آپ نے اس وقت سنا تھا یعنی ؎

اشک ریز آمد ابر و بہار　　　ساقیا گل بریز و بادہ بہار

گاتے ہیں پھر یہ جلوس حضرت تقی الدین نوحؒ کے مزار پر وہاں سے حضرت سلطان المشائخ اور پھر حضرت امیر خسرو کے مزار پر آتا ہے۔ اس بسنت کے دوسرے دن دہلی کی بقیہ درگاہوں میں بسنت کے جلوس شروع ہو جاتے ہیں لیکن درگاہ حضرت خواجہ قطب اور درگاہ حضرت چراغ دہلوی صاحب میں آج ہی کی تاریخ بسنت چڑھائی جاتی ہے اور اجمیر شریف کی درگاہ میں بھی بسنت چڑھائی جاتی ہے (ختم شد بیان حضرت خواجہ حسن نظامیؒ)

وہاں اب بھی یہ دستور جاری ہے۔ اس طرح گویا یہ رسم حضرت سلطان المشائخ کے اس واقعہ کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے۔ پنجاب میں جو بسنت کا تہوار منایا جاتا ہے جس میں پتنگوں کا مقابلہ ہوتا ہے اس کی تاریخ کا مجھے علم نہیں کہ یہ اسی سلسلہ کی کڑی ہے یا اس کا ماخذ کوئی دوسرا ہے۔ بہر حال وہ بھی جشن بہاراں کی ایک صورت ہے۔

اصل یہ ہے کہ ہندوؤں کے اکثر تہوار موسم کی مناسبت سے ہوتے ہیں۔ بسنت موسم بہار کی آمد کا اعلان ہوتا ہے جشن بہاراں منانے کے انداز الگ ہیں جیسے ایران میں جشن نوروز، جشن بہاراں کا ہی ایک رخ ہے۔ یورپ امریکہ اور دیگر ممالک میں بھی بہار کی آمد کا جشن کسی نہ کسی طور پر منایا جاتا ہے۔

حضرت سلطان المشائخ کو جو محبت امیر خسروؒ سے تھی وہ سب کے علم میں ہے۔ اس واقعہ سے اس کا اظہار مزید شدت سے ہوتا ہے۔

طریقت کی رو سے بھی اس واقعہ میں بڑا کیف و سرور ہے۔ جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ مرشد سے عشق حب الٰہی کی ایک علامت ہے۔ بلکہ ضروری ہے۔ جس کے بغیر سلوک کی راہ نہیں طے کی جا سکتی۔ بسنت کا رنگ یا ہولی کا رنگ اہل طریقت قرآنی اصطلاح میں ''صبغۃ اللہ'' (اللہ کے رنگ) کے معنی میں لیتے ہیں قرآن پاک کا ارشاد ہے

''صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ ونحن لہ عٰبدون (یعنی ہم نے لیا اللہ کا رنگ اور کس کا رنگ اللہ سے بہتر ہے۔ اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں) سرسوں کے پھول بسنت میں استعمال کئے جاتے ہیں جن کا یہی رنگ ہے۔یعنی کل عالم اس بسنتی رنگ میں رنگ جاتا ہے اور خود سالک بھی یہی رنگ اختیار کرتا ہے جو توحید کا رنگ ہے۔''صبغۃ اللہ'' ہے۔ ہر چیز ایک ہی رنگ میں نظر آتی ہے مراد اس سے جلوہ الٰہی ہے جو ہر جگہ ہر شکل میں ہے ہر رنگ میں ہے۔ قوالی میں جو رنگ پڑھا جاتا ہے۔ اس میں بھی یہی اصول کارفرما ہے۔''بہار'' طریقت کی زبان میں سالکوں کے ذوق وشوق کو کہتے ہیں۔

سماع میں قول و رنگ دراصل حضرت نظام الدین اولیاؒ اور حضرت امیر خسرو کی یادگار ہیں۔ اس عشق کی داستان ہے جو حضرت امیر خسرو کو اپنے مرشد حضرت سلطان المشائخ سے تھا اور ان کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اب بھی سماع کی کوئی بھی محفل بغیر اس کے نامکمل معمول ہوتی ہے۔

ہندی کے ایک بسنت میں حضرت شاہ نیازؒ فرماتے ہیں۔

رنگ راچو بسنت نئی رت حضرت نبی رسولؐ کی
ہری ہری رنگ حسن کی ہر لی لال لال کلیاں حسین کی لالی

اسی طرح حضرت شاہ نیازؒ کی دو ہندی کی چیزیں ہیں جن کی ردیف ہے''سرسوں پھولی آنکھوں میں'' اس سے بھی مراد یہی سرسوں کا رنگ ہے۔ آنکھوں میں اگر سرسوں پھولی ہوگی تو ہر چیز ایک ہی رنگ میں دکھائی دے گی مثلاً فرماتے ہیں:

اونچ نیچ میں فرق نہ جانوں دوئی ہوئی ناپید
وحدت من پر ایسی چھائی سرسوں پھولی آنکھوں میں

مقصد وہی وحدت کا رنگ یعنی''صبغت اللہ'' ہے۔ پوری چیز میں یہی رنگ ہے یہی حالت ہولی کی ہے'' ہولی'' میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک تو'' ہولی جلانا'' دوسرے''پھاگ یا ہولی کھیلنا۔''

ہولی جلانے سے مراد اپنی ہستی اور خودی کو جلانا ہے جیسے آپ فرماتے ہیں:

لاگ کی آگ لگتے ہی پنبہ نمط میں جل گیا
رخت وجود وجان وتن کچھ نہ بچا جو ہو سو ہو

یہی ہولی جلانا ہے۔ رنگ کھیلنے سے مراد وہی صبغۃ اللہ ہے۔ توحید یا وحدت کا رنگ ہے۔ پچکاری سے رنگ پھینکا جاتا ہے جس سے ہولی کھیلنے والا رنگین ہوجاتا ہے۔ رنگ پھینکنے والے

سے مراد ذات حق ہے پچکاری رنگ پھینکنے کا وسیلہ ہے یعنی مرشد کی ذات۔ رنگ توحید کی تعلیمات ہیں۔ مرشد کی تعلیمات کے ذریعے سالک حق تعالیٰ کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ متوسلین کو یہی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ کچھ مختصر اشارات ہیں تاکہ صوفیا کی سوچ کا اندازہ ہوسکے۔ تفصیل ممکن نہیں۔

بات وہی ازالہ اور امالہ کی ہے جس کا ذکر کہیں کیا گیا ہے پاکستان میں وہ ماحول نہیں ہے۔ چناں چہ یہاں کے شعرائے کرام کے کلام میں اب یہ مضامین نظر نہیں آتے لیکن ہندوستان میں اسی طریقہ سے ہولی، دیوالی، بسنت سب منایا جاتا ہے بلکہ زیادہ شدومد کے ساتھ۔ چنانچہ وہاں کے لیے یہ تعلیمات ضروری ہیں۔ وہاں کوئی ہولی بسنت کو ختم نہیں کرسکتا یعنی اس کا ازالہ ممکن نہیں۔ امالہ کی اہمیت وہاں بڑھ گئی ہے۔ یعنی قبح میں حسن اور برائی میں اچھائی کو دیکھنا۔ ہندوستان میں وہی ہولی جلتی رہے گی وہی رنگ کھیلا جاتا رہے گا۔ وہی بسنت منایا جاتا رہے گا۔ مسلمانوں کو وہیں رہنا ہے وہ صوفیا ہوں یا علما یا عام آدمی۔ ان سے تعصب برت کر یا ان سے کٹ کر نہیں رہا جاسکتا۔ ان چیزوں سے اپنا مقصد نکالنا ہی اس کا علاج ہے۔

(اس سلسلے میں صفحہ ۲۱۴ بھی دیکھئے)

غزل

صورتم پستست لیکن معنی دارم بلند　　باطنم آزاد و مطلق ظاہرم در قیدوبند

میری صورت پست (نیچی) ہے لیکن اندرونی طور پر بہت بلند ہوں (ظاہر پست ہے لیکن باطن بلند ہے)۔ میرا باطن آزاد اور مطلق ہے لیکن ظاہر قید و بند میں ہے (مقید ہے) (انسان کا باطن حق ہے اس لئے وہ مطلق اور آزاد ہے۔ لیکن ظاہر تعینات میں اسیر ہے۔ اس لئے قید و بند میں ہے۔)

راہ حق سر کردن آسان نیست جز رفتن زسر　　اندرین رہ باید ای دل ہمت مشکل پسند

راہ حق کو سر کرنا (طے کرنا) آسان نہیں جب تک خود اپنے سر سے ہاتھ نہ دھو لئے جائیں۔ اس راستہ میں اے دل مشکل پسند ہمت کی ضرورت ہے۔

نیست جز ہستیِ حق پیدا و پنہاں در وجود　　　چشمِ دل بکشا و بنگر بحجاب ای ہوشمند

وجود یا ہستی میں سوائے حق کے کوئی عیاں اور نہاں نہیں (وہی ہر جگہ ہے۔ ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی۔ ھو الظاہر والباطن)۔ اے ہوش مند اپنے دل کی آنکھ کھول اور اسے بے حجاب دیکھ (اگر دل کی آنکھ کھلی ہو تو وہ ہر جگہ سامنے موجود ہے)۔

باطن و ظاہر خود او ہست اوّل و آخر خود اوست　　　برتر از چندست و چوں ہم جلوہ گر در چون و چند

وہ خود ہی باطن اور ظاہر ہے اور اول و آخر بھی خود ہے۔ وہ چون و چرا سے بلند ہے بلکہ اس چون و چرا (دلائل و براہین۔ بحث مباحثہ) میں بھی وہ جلوہ گر ہے۔

ہم خود او شیخ و برہمن ہم خود او دیر و حرم　　　ہم خود او خلدست و رضواں ہم خود اُو نار و گزند

وہ خود ہی شیخ و برہمن ہے اور خود ہی دیر و حرم۔ وہ خود ہی فردوس ہے اور خود ہی فردوس کا نگہبان۔ وہی خود جہنم ہے اور خود ہی عذاب۔

ہم خود او مست دمی و میخانہ ہم ساقی خود اوست　　　ہم خود او ملا و واعظ گر مجوشِ وعظ و پند

وہ خود ہی مست ہے خود ہی شراب۔ خود ہی میخانہ ہے اور خود ہی ساقی ہے۔ وہ خود ہی عالم ہے خود ہی واعظ۔ جو وعظ دینے اور مفید نصیحتیں کرنے میں مشغول ہے۔

ہم خود او معشوق و عاشق ہم خود از حسنت و عشق　　　ہم خود او معبود و عابد در نگاہِ ہوشمند

وہ خود ہی معشوق و عاشق ہے اور خود ہی حسن و عشق ہوشمندوں کی نظر میں خود ہی معبود ہے اور خود ہی عابد۔

ہم خود او اندر تماشائے جمالِ خود بوجد　　　ہم خود اندر آتش عشقست سوزاں چوں سپند

وہ خود ہی اپنا حسن و جمال دیکھ کیف و وجد کے عالم میں ہے اور خود ہی اپنے عشق کی آگ میں سپند کی طرح جلتا ہے (سپند: ایک قسم کے دانے جن کے جلنے سے خوشبودار دھواں نکلتا ہے)۔

ہم خود او مستغرقِ دریائے نیرنگی خویش　　　ہم خود آمد از سرِ انکار بر خود ریش خند

وہ خود ہی اپنی نیرنگیوں کے دریا میں غرق ہے اور خود ہی اپنے انکار پر اپنی ہنسی اڑاتا ہے (ریش خند: ہنسی۔ دل لگی)۔

ہم ز خود محجوب گشت و خود ز خود پنہاں شدہ　　　خود نقاب خود شدہ و بر روئی خود خود را فگند

وہ خود اپنے آپ سے حجاب میں ہے اور خود سے خود چھپا ہوا ہے۔ وہ خود اپنی نقاب ہو کر خود اپنے چہرہ پر ڈال لیتا ہے (خود ہی نقاب ہے خود ہی چہرہ)۔

خویش راحق دان وحق بین تاشوی حق عاقبت　　طالب حق را نشان دادم زراہ حق پسند

خود کو حق سمجھ اور خود کو حق دیکھ تاکہ آخر کار تو بھی حق ہو جائے۔حق پسندی کے طور پر میں نے طالب حق کو اس کا سراغ اور پتہ بتادیا ہے (طالب حق کے لئے نشاندہی کردی ہے)۔

نکتہء تحقیق بشنو از نیاز بے نیاز　　کیں ہمہ نقشِ دو عالم نیست اِلّا نقشبند

نیاز بے نیاز سے یہ تحقیق شدہ بات سنو کہ یہ تمام نقوشِ عالم خود نقوش بنانے والے کے سوا کچھ نہیں ہے (تصویر خود مصور ہے)۔

یہ پوری غزل توحید حقیقی یا وحدت الوجود کا بیان ہے۔ جس میں ''ھمہ اوست'' کی تشریح کی گئی ہے یعنی تمام عالم ایک ہی وجود ہے جو مختلف شکلوں میں ظاہر ہے۔''ھوالاول و الآخر و الظاہر والباطن'' کی یہی تفسیر ہے۔ اول و آخر اور باطن کی تشریح میں کسی کو اختلاف نہیں لیکن ظاہر کی تفسیر میں لوگ نزاع میں بتلا ہو جاتے ہیں۔ باطن کا مقابل ظاہر ہے۔ باطن وہ ہے جو نظروں سے پوشیدہ ہے۔ اور ظاہر وہ ہے جو نظر آرہا ہے۔ جب باطن وہی ہے تو ظاہر بھی وہی ہونا چاہیئے۔

غزل

دارم اے عشق زتو منت واحسانے چند　　مشکلِ چند مراکردۂ آسانے چند

اے عشق میرے اوپر تیرے بہت سے احسانات اور بھلائیاں ہیں۔ میری بہت سی مشکلات کو تو نے آسان کردیا ہے۔

ہر کہ دلبندِ توشدگشت زہر بند آزاد　　خوار وویراں شدہ درعہدِ توزندانے چند

جو تیرے دل کا قیدی ہو گیا تو وہ ہر قید سے آزاد ہو گیا۔ تیرے زمانہ میں کتنے ہی زنداں ویران و خوار ہو گئے۔ (کہ ان میں رہنے کے لئے کوئی قیدی نہ تھا)۔

بگدائیِ درت شاہی عالم چہ کنم　　تاج بخشانِ جہاندگدایانے چند

تیرے در کی گدائی کے مقابلہ میں شاہی کا کیا کروں۔ تیرے در کے کچھ گدا ایسے گزرے ہیں جنہوں نے دنیا والوں کو تاج وتخت بخشا ہے۔

چشم دُر بیز مدامم کجا ابر کجا آن ہمہ کانِ دُر این قطرۂ بارانے چند

کہاں میرے ہمیشہ بہتے ہوئے موتی جیسے آنسو اور کہاں ابر۔ میرے آنسو موتیوں کی کان ہیں اور ابر کی بارش محض پانی کے چند قطرے۔

فیض دریا دلی دیدۂ دربار منست جیب قلزم شدہ پُر گوہر غلطانے چند

میرے موتی برسانے والی آنکھوں کی دریا دلی کا فیض ہے کہ سمندر کی جیب قیمتی موتیوں سے بھری ہوئی ہے۔(صدف میں جو موتی ہیں وہ میرے آنسوؤں ہی کا فیض ہے)۔

اثرِ حضرتِ عشقست کہ دارم دردل لالہ زارے عجبے رشک گلستانے چند

یہ حضرت عشق کا اثر ہے کہ میرے دل میں عجب رشک گلستاں لالہ زار (باغ) کھلا ہوا ہے۔

غزلی شستہ و رُفتہ دگرے گوئے نیاز کہ بخوانند دستانید غزل خوانی چند

اے نیاز ایک ایسی ہی صاف ستھری غزل اور سنا کہ بہت سے غزل خوانوں نے تیری غزلوں کو پڑھا اور تعریف کی۔

غزل

نیست تنہا بغمت نالہ و افغانے چند دارم از سوز دروں بہر تو برہانے چند

تیرے غم میں صرف نالہ و فغاں ہی تنہا نہیں ہیں۔ بلکہ تیرے لئے اپنے اندر کا سوز بھی اس کی دلیل کے طور پر رکھتا ہوں۔

می برآید شررے ازبُن ہر موئی تنم تا فلک رفت سر شعلہء نیرانے چند

میرے جسم کے ہر بن مو سے چنگاریاں نکلتی ہیں۔حتیٰ کہ اس آگ کے کچھ شعلے آسمان تک پہنچتے ہیں (نیراں معنی آگ)۔

اشک رنگینم ازان جائے بچشم دارد کہ نثار سرتست این دُر و مرجانے چند

میری آنکھوں میں جو آنسو ہیں وہ رنگین ہیں تاکہ یہ موتی اور مرجان تیرے سر پر نثار کر سکوں۔(مرجان=مونگا۔ایک قسم کا چھوٹا موتی جس کا رنگ سرخ ہوتا ہے)۔

تاتو آئی بنظر غیر تو ناید درچشم صفِ مژگانست مراحاجب ودربانے چند

تاکہ صرف تو نظر آئے تیرے سوا کوئی دوسرا نظر نہ آئے۔ میری پلکوں کی قطار میرے لئے دربان اور حاجب کا کام کرتی ہے (صوفیائے کرام مژہ یا مژگاں کا مطلب سالک کے لئے رویت سے حجاب لیتے ہیں کیونکہ پلکیں آنکھوں کو ڈھانپ لیتی ہیں)۔ حاجب = روکنے والا۔ دربان۔

غمزہ و طرز و ادا عشوہ و ناز و شوخی دلبری راچہ فراکردۂ سامانے چند

غمزہ، طرز، ادا، عشوہ، ناز اور شوخی اپنی دلبری کے لئے یہ سب سامان تو نے ہر طرف مہیا کیا ہوا ہے۔

نیست نرگس بمزارم کہ زروی حسرت خاکم آورد برون دیدۂ حیرانے چند

میرے مزار پر کوئی نرگس نہیں ہے جو بطور حسرت میری خاک سے کچھ حیران آنکھیں باہر نکالے۔ (نرگس کے پھول کو آنکھ سے تشبیہ دی جاتی ہے)

غزلے تازہ دگرگو بہمیں طرز نیاز کہ بشنوند وبرقصند سخندانے چند

اے نیاز اسی طرز کی کوئی تازہ غزل کہہ کہ سخن فہم لوگ اسے سنیں اور رقص کریں۔

غزل

نیست درکوئی تو تنہا سرِ قربانے چند فرش راہت ہمہ جا مردم انسانے چند

تیرے کوچہ میں صرف چند سر ہی نہیں قربان ہوئے ہیں۔ بلکہ تیری راہ کے فرش پر کئی لوگوں کی آنکھ کی پتلیاں بھی جگہ جگہ بچھی ہوئی ہیں۔

استخوانم شدہ از سوزِ دروں خاکستر شعلہ زد آتشِ عشقت بہ نیستانے چند

میری ہڈیاں سوزِ دروں (اندر کی تپش) سے جل کر خاک ہوگئیں تیرے عشق کی آگ نے کئی جنگل جلا دیئے۔ (نیستاں = بانسوں کا جنگل۔ سرکنڈوں کا کھیت)۔

اثرِ الفتِ زلفت پریشانیِ دل چوں پریشاں نشود یار پریشانے چند

تیری زلفوں کی محبت کا اثر دل کی پریشانی ہے۔ اگر وہ (دل) پریشان نہ ہو تو محبوب زیادہ پریشان ہو جاتا ہے (یعنی میرے دل کے غم سے وہ محظوظ ہوتا ہے)۔

نیست آئینہ برویت متحیر تنہا! صف زدہ ہر طرفے دیدۂ حیرانے چند

تنہا آئینہ ہی نہیں ہے جو تیرے چہرہ کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے بلکہ ہر طرف کئی حیران آنکھیں ایک قطار میں ہیں (کئی آنکھیں تیرے چہرہ کو دیکھ کر متحیر ہیں)۔

فیض محبوبؒ الٰہیست کہ در خطۂ ہند خسروانِ دو جہانند گدایانے چند

ہندوستان کے علاقہ میں حضرت محبوب الٰہیؒ کا یہ فیض ہے کہ دو جہاں کے بادشاہ بھی یہاں (اس دربار میں) گدا ہیں یا یہاں کے چند گدا بھی دو جہاں کے بادشاہ ہوئے ہیں۔

نہ زیانست کہ جانم بہ نیازش برود میدمد درتن من ہر نگہش جانے چند

اگر میری جان اسکے نیاز میں چلی بھی جائے تو یہ کوئی نقصان (کا سودا) نہیں ہے اسکی ہر نگاہ میرے تن میں کئی جانیں پیدا کر دیتی ہے۔

غزل

ستمگرا سر نعشم گزر دریغ مدار! بناز کشتۂ خودیک نظر دریغ مدار

اے ستمگر میری لاش پر سے گزرنے میں کوئی تامل نہ کر۔ اپنے کشتۂ ناز (ناز وغمزہ کے مارے ہوئے) پر ایک نظر ڈال اور افسوس نہ کر۔ (دریغ = تامل۔ افسوس۔ بخل۔ نفرت۔ انکار۔ رنج۔ غم دریغ دارن = تامل کرنا۔ کوتاہی کرنا۔ افسوس کرنا۔ بخل کرنا)

فسانہ ایست مطول تطاول زلفت سماع مختصرے زان سمر دریغ مدار

میری کہانی تیری زلفوں کے ظلم کی ایک طویل داستان ہے۔ اس داستان کا مختصر سا قصہ سن کر تو افسوس نہ کر۔

(مطوّل: دراز، طویل + تطاول: ظلم + سَمر: کہانی، رات کا قصہ)

گرفت آتشِ عشقم ز فرق تا بقدم زآب پاشیت ای چشم تر دریغ مدار

میرے عشق کی آگ نے سر سے پاؤں تک مجھے اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ اے چشم تر (آنسوؤں سے بھری آنکھ) پانی چھڑکنے میں دریغ نہ کر (آنسو بہانے میں کوتاہی نہ کر۔ یہ آنسو شاید پانی کا کام دیں۔ جس سے یہ آگ بجھ جائے)

اگرچہ لطفِ جوابم امید نیست زیار　　بلاغ نامہ ام ای نامہ بر دریغ مدار

اگرچہ مجھے محبوب سے جواب کی عنایت کی امید نہیں ہے۔ مگر اے نامہ بر میرا یہ خط اسے پہنچانے سے تو انکار نہ کر۔

اگرچہ صید ز بونم ولیکن ای صیاد　　گرفتنم پے صید دگر دریغ مدار

اگرچہ میں بہت خستہ حال شکار ہوں لیکن اے صیاد مجھے دوبارہ گرفتار کرنے میں تو ذرا بھی تامل نہ کرنا۔

نمود بیخبر از خویشتن مراخبرت　　خبر زحالِ من بیخبر دریغ مدار

اپنے سے بے خبر ہونے کی نمود سے تو مجھے اطلاع کر۔ اور مجھ بے خبر کے حال کی خبر لینے سے دریغ نہ کر۔

بظلمتِ شب زلفت بغبغب افتادم　　زجلوۂ رخ رشکِ قمر دریغ مدار

تیرے زلفوں کی شب کی تاریکی کی وجہ سے میں (چاہِ) غبغب میں گر گیا ہوں اپنے رشک قمر چہرہ کے جلوہ (روشنی) سے تو دریغ نہ کر۔ (غبغب: تھوڑی کے نیچے لٹکا ہوا گوشت۔ کبھی اس میں گڑھا پڑتا ہے جسے چاہِ غبغب یعنی غبغب کا کنواں کہا جاتا ہے مطلب یہ کہ اندھیرے کی وجہ سے اس کنوئیں میں ڈوب رہا ہوں)۔

بہارِ داغ دلم رشکِ گلشنِ ارمست　　پری رخاسرِ باغم گزردریغ مدار

میرے دل کے داغوں کی بہار جنّت کے باغوں کیلئے باعث رشک ہے۔ اے پری رخ میرے اس باغ سے گذرنے میں دریغ نہ کر۔

ہنوز قابلِ پیوند چاک جیبم نیست　　زدستکاری خود بخیہ گر دریغ مدار

میرا چاک دامن ابھی تک پیوند کے قابل نہیں ہے۔ اے بخیہ گر (سلائی کرنے والے) تو اپنی سلائی کا ہنر دکھانے میں دریغ مت کر۔

شکیب وتاب وتواں ہمرہِ دلم رفتست　　تو نیز بے دل و جانم سفر دریغ مدار

میرا صبر اور توانائی میرے دل کے ساتھ ہی رخصت ہوگئی۔ تو بھی بغیر میری جان اور دل کے سفر میں دریغ نہ کر۔

نیاز داری اگر آرزوی دولتِ فقر　　زصرفِ ما حضرت تابسر دریغ مدار

نیاز اگر فقر کی دولت حاصل کرنے کی خواہش ہے تو جو کچھ میسر ہے اسی پر قناعت سے دریغ نہ کر۔

غزل

دارد دلِ دیوانہ ام سودای لیلائے دگر مجنونِ طبع وحشیم بگزید صحرائے دگر

میرے دیوانے دل میں کسی دوسری لیلیٰ کا سودا سمایا ہوا ہے۔ میں مجنوں کی فطرت رکھنے والا وحشی ہوں۔ میں نے کسی دوسرے صحرا کا انتخاب کرلیا ہے۔ (گزیدن = پسند کرنا۔ چن لینا)۔

در ہر نظر بنمایدم طرزِ دگر حسنِ بتم ہر لحظہ بینم جلوۂ ہر دم تماشائے دگر

میرے محبوب کا حسن ہر نظر میں مختلف نظر آتا ہے۔ ہر لحظہ نیا جلوہ اور ہر دم نیا تماشا دیکھتا ہوں۔
(''کل یوم ھوفی شان'' قرآن پاک کا ارشاد ہے۔ ہر لحہ اسکی نئی شان ہوتی ہے۔ ہر لحظہ نئی تجلی ہوتی ہے۔ ''یوم'' کے معنی تجلی ہیں۔ ''لا تکرار فی التجلی''۔ یعنی اسکی تجلی میں تکرار نہیں ہوتی۔ جو تجلی جو شان جو لحہ گزر جاتا ہے وہ کبھی واپس نہیں آتا۔ پھینکا ہوا پتھر پھر دوبارہ اسی جگہ واپس نہیں آتا۔ ہر لحہ ایک نئی کائنات وجود میں آتی ہے اور پلک جھپکنے میں وہ فنا ہو جاتی ہے۔ تصوف میں اسے ''تجددِ امثال'' یا ''کمون و بروز'' کہتے ہیں)۔

چون من زسرتاپای خود صرف تمنائیش شدم ہیچم نماندہ تا زنم حرف تمنائے دگر

جب میں از سرتاپا اس کی تمنا میں مٹ جاتا ہوں۔ پھر دوسری کوئی تمنا باقی نہیں رہتی جو میں کروں۔

نارفتہ راہِ یکقدم طے مراحل کردہ ام نادادہ جائے خود زدست آسودہ ام جائے دگر

میں نے ایک قدم بھی راہ میں آگے نہیں بڑھایا لیکن سب مراحل طے کر لئے اپنے ہاتھ سے میں نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی لیکن دوسری جگہ میں اطمینان سے پہنچ گیا۔

در ہر شکست و ریختن مستحکمی شد حاصلم در ہر برافتادن زپا دریافتم پائے دگر

ہر ٹوٹ پھوٹ کے بعد مجھے زیادہ استحکام ملا (زیادہ مضبوطی ملی) جس جگہ سے پاؤں ہٹے (جب بھی پاؤں ٹوٹے) دوسرے پاؤں فوراً مجھے مل گئے۔

در حالتِ نزع نیاز ای یار جانبخشم بیا بہتر نباشد زین علاج ایندم مداوائی دگر

جاں بخش (جان کو نئی زندگی دینے والے) محبوب نیاز کی حالتِ نزع میں آجا کہ اس وقت اس علاج سے بڑھ کر کوئی علاج نہیں۔

(یہ پوری غزل ''تجددِ امثال'' کی نشاندہی کرتی ہے)۔

غزل

میکند بامن دلم ہر لحظہ اظہارے دگر   از درونم میزند سر ہر دم اسرارے دگر

میرا دل ہر لمحہ میرے ساتھ نئے طریقہ سے اپنا اظہار کرتا ہے۔ میرے اپنے اندر سے نئے اسرار ہردم سر اٹھاتے رہتے ہیں۔

بلبلِ دستان سرائے جانِ مادر ہرنوا   میدہد مارا نشاں از سیر گلزارے دگر

گانے والی بلبل اپنے ہر نغمہ میں مجھے ایک نئے چمن کی سیر کی خبر دیتی ہے۔

مینماید ہر زمانم محرمِ اسرارِ غیب   یارِ من باطرزِ نو در رنگ گفتارے دگر

محرم اسرار غیب مجھے ہر وقت یار کو ایک نئی ادا اور اس کی گفتگو کو ایک نئے رنگ کے ساتھ دکھاتا ہے۔

حسنِ دیگر میشود در ہر نگاہم جلوہ گر   میکند ہر دم تماشائے رُخِ یارے دگر

میری ہر نگاہ میں ایک نیا حسن جلوہ گر ہوتا ہے اور ہر دم ایک نئے چہرہ کو دیکھتا ہوں۔

کے شوم قانع بمہر ماہرویانِ جہاں   چونکہ اینہا قطرہ انداز بحرِ زخارے دگر

دنیا کے حسینوں کی مہربانیوں پر میں کس طرح (کب تک) قناعت کر سکتا ہوں کیونکہ یہ بحرِ زخار میں ایک قطرہ کی طرح ہیں۔

رب ارنی میسراید موسیٰ ہر موئے من   میدہد در ہر تجلی جلوہ دیدارے دگر

میرا ہر بال گویا موسیٰ ہے جو "رب ارنی" (یا رب مجھے اپنا جلوہ دکھا) کا نغمہ الاپتا رہتا ہے۔ ہر تجلی میں وہ اپنا جلوہ ایک نئے انداز سے دکھاتا ہے (اس طرح میں اسے ہر دم نئی شکل میں دیکھتا ہوں)۔

(ذات و اسماء و صفات اور افعال الٰہی کا کسی پر پھینکا جانا "تجلی" کہلاتا ہے۔ لغت میں تجلی ظاہر کرنے یا ظاہر ہونے کو کہتے ہیں۔ ذات مطلق کا اظہار لباسِ تعین ہی میں ممکن ہے اس لئے صوفیا کی اصطلاح میں لباسِ تعین کو تجلی کہتے ہیں۔ ہر وہ شان، وہ کیفیت اور وہ حالت جس میں حق تعالیٰ کا یا اسکی کسی صفت یا اس کے کسی فعل کا اظہار ہو، "تجلی" ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کے ظہور کی شانیں لا انتہا ہیں۔ اس لئے تجلیات بھی بے شمار اور ان گنت ہیں۔ ایک مرتبہ جو تجلی ہوتی ہے پھر کبھی نہیں ہوتی۔ یعنی تجلی میں تکرار نہیں ہے۔ ہر آن وہ ایک نئی شان میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

اے ترا بر طورِ دل ہر دم تجلائے دگر   طالبِ دیدارِ تو ہر لحظہ موسائے دگر (معین)

یہ اشعار "تجددِ امثال" کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

چشمِ عالم ہیں چہ تاب آرد بخورشید رخش   دیدنِ رویش بود مقدورِ ابصارے دگر

تیرے آفتاب جیسے چہرہ (سورج کی سی چمک والے چہرہ) کو دیکھنے کی دنیا کی آنکھوں میں کہاں قوت۔ تیرے چہرہ کو دیکھنے کیلئے خصوصی آنکھوں کی ضرورت ہے۔

عشقبازانِ حقیقت راست از سر تا قدم   راہ و رسم دیگر و اوضاع و اطوارے دگر

حقیقت سے عشق کرنے والوں کے سر سے پیر تک تمام راہ و رسم، طور طریقے سب مختلف ہوتے ہیں۔

علم رسمی در کنار انداز و گیر از دل سبق   نکتۂ عشقت کند حل بحث و تکرارے دگر

رسمی علوم کو ایک طرف ڈال دو اور دل سے سبق لو۔ عشق کے نکات کو سمجھنے کے لئے دلائل و براہین مختلف ہوتے ہیں۔

ہستم از صبحِ ازل در مستی و جوش و خروش   خوردہ ام من جام مے از دست خمارے دگر

میں روزِ ازل سے مستی اور جوش و خروش میں ہوں۔ (اسکی وجہ یہ ہے کہ) میں نے شراب کا جام ایک منفرد مے فروش کے ہاتھ سے پیا ہے۔

ای نیازؔ از جوش و مستی یکدمے فارغ نیم   نیست جز ہا ہو و شورم تا ابد کارے دگر

اے نیازؔ میں جوش و مستی سے ایک لمحہ بھی فارغ نہیں ہوں۔ تا ابد (ہمیشہ کے لئے) سوائے شور اور ہائے ہُو کے دوسرا کوئی کام نہیں۔

غزل

ہر چہ از سحر و فسوں اندر جہاں می بینمش   جادو چشمانِ فتانِ بتاں می بینمش

دنیا میں جو کچھ بھی سحر و فسوں (جادو) میں دیکھتا ہوں تو دراصل بتوں کی فتنہ انگیز آنکھوں کا جادو اس میں دیکھتا ہوں۔ (فتان: فتنہ انگیز)

نیست پروائے دلم را غیر پروائے بتاں   فارغ از سود و زیان دو جہاں می بینمش

بتوں کی پروا کے علاوہ مجھے اپنے دل کی کوئی پروا نہیں۔ اس کو میں دو جہاں کے فائدہ نقصان

سے فارغ دیکھتا ہوں۔

جنّۃ الماوای دل کوئے بُتاں دانستہ ام   زان جہت مستغنی از حور وجناں می بینمش

بتوں کے کوچہ کو میں نے دل کی جنّت سمجھا ہے۔ اسی وجہ سے میں اس کو (جنّت کی) حور و جناں سے بے نیاز دیکھتا ہوں۔

درازل شغلِ دلم مہر بتاں می بودہ است   زین سبب روز وشب اندر کارآں می بینمش

روز ازل میں میرے دل کا مشغلہ بتوں سے محبت کرنا رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دن رات میں اسی کام میں اس کو (دل کو) مصروف دیکھتا ہوں۔

طالبا بر خیز و روَچوں سایہ ہمراہِ نیاز   زانکہ در راہِ حقیقت خوشرواں می بینمش

اے طالب (حق) اٹھو اور سایہ کی طرح نیاؔز کے ساتھ چلو۔ کیونکہ حقیقت کی راہ پر میں اس کو صحیح سمت جانے والا مسافر دیکھتا ہوں۔

(اس غزل میں اور اسکے بعد والی غزل میں بتوں سے تعلق کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔ ہر شعر میں بتوں سے نسبت کا ذکر ہے اور مقطع میں یہ فرمایا گیا ہے کہ میرا راستہ ہی صحیح راستہ ہے اور طالبانِ حق کو مشورہ دیا گیاہے کہ اس راستہ پر سایہ کی طرح میرے ساتھ رہو تو منزل پر پہنچ جاؤ گے۔ بت کے متعلق مختصر تشریح پہلے کی جا چکی ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۴۸) ۹۰ وہیں دیکھ لیا جائے تکرار باعث طوالت ہوگی۔ بت سے عام شعرا بھی محبوب مراد لیتے ہیں۔ صوفیا محبوبِ حقیقی اپنے اپنے موقع کے لحاظ سے مرشد کو رسول کو یا حق تعالیٰ کو قرار دیتے ہیں۔ کائنات حق کا آئینہ ہے۔ وہی ذات ہر جگہ جلوہ گر ہے۔ اس کے مظاہر کا مجموعہ کائنات ہے جس کا مظہر اتم انسان ہے۔ ہر مظہر ایک بت ہے اس طرح یہ پوری کائنات ایک بتخانہ ہے۔ جو چیز حق کی طرف رہنمائی کرے، وہ بُت ہے اور ہر مظہر میں مُظہر کو دیکھنا بت پرستی ہے)۔

غزل

انچہ او صبح ست از روی بتاں می بنمیش   وانچہ او شامست از موئی بتاں می بینمش

جو کچھ صبح ہے وہ میں بتوں کے چہرہ سے دیکھ لیتا ہوں اور جو شام ہے وہ بتوں کی زلفوں سے دیکھ لیتا ہوں (بتوں کا چہرہ صبح ہے اور زلفیں شام)۔

ہر چہ از سحر و فسوں آید پدید اندر جہاں غمزۂ چشمان جادوی بتاں می بینمش

دنیا میں جو کچھ سحر و فسوں (جادو) نظر آتا ہے وہ مجھے بتوں کی جادو بھری آنکھوں کا غمزہ معلوم ہوتا ہے۔

دل بامیدے کہ گاہے دست بر دامن زند در تہِ خاکِ رہ کوی بتاں می بینمش

اس امید میں کہ کبھی میرا دل اس بُت کے دامن تک پہنچ جائے میں اسے بتوں کی گلی کی خاک کے اندر تک دیکھتا ہوں (اس طرح وہ خاک اس کے دامن تک پہنچ جائے گی)۔

جاں بقالب تنگ گشت و تالبانم آمدہ دل ہنوز اندر پی جوی بتاں می بینمش

میری جان کے لئے میرا جسم تنگ ہوگیا ہے یہاں تک کہ وہ (جان) لبوں تک آ گئی لیکن میرا دل ابھی تک بتوں کی تلاش میں ہے۔

آ گہی کی باشدش از شور و غوغائے جہاں روز و شب در شور ہاہوی بتاں می بینمش

مجھے دنیا کے شور و غل کی خبر کس طرح ہو سکتی ہے جب دن رات میں بتوں کا شور و غل سنتا رہتا ہوں۔

چوں نباشد ایں دماغم بید ماغ از بوئی گل پُر دماغ از بوئے گیسوئے بتاں می بینمش

میرا دماغ گل کی خوشبو سے کیوں بے دماغ نہ ہو (خوشبو ناپسند کیوں نہ کرے) کہ میں اسے بتوں کی زلفوں کی خوشبو سے بھرا ہوا دیکھتا ہوں۔

نیتِ سجدہ بسوی کعبہ چوں آرم بدل سر نہادہ سوی ابروئے بتاں می بینمش

جب میں دل کو کعبہ کی جانب سجدہ کی نیت سے آمادہ کرتا ہوں تو سر رکھ کر میں اسے بتوں کے خم ابرو کی جانب سجدہ ریز دیکھتا ہوں۔

دیر را دانم حرم در پای بُت سر آورم زانکہ وجہہ اللہ خودروی بتاں می بینمش

میں دیر کو حرم سمجھتا ہوں اور سر کو بُت کے پیروں پر (سجدہ کے لئے) جھکاتا ہوں کیونکہ مجھے اس بُت کے چہرہ میں اللہ کا چہرہ نظر آتا ہے۔

بُت پرستی کے گذارم ناصحا منعم مکن انچہ میخوانیش حق سوی بتاں می بینمش

اے ناصح میں بت پرستی کب کرتا ہوں تو مجھے اس سے منع نہ کر۔ جو کچھ حق کیلئے کہا جاتا ہے وہ سب میں بتوں میں دیکھ لیتا ہوں۔

زاہدا نامِ صنم گیراز ادب پیش نیاز   چونکہ از قوم دعا گوی بتاں می بینمش

اے زاہد نیاز کے سامنے بُت کا نام ادب سے لے کیونکہ میں اس کو ان لوگوں میں دیکھتا ہوں جو بتوں کے لئے دعا گو ہیں۔

(اس غزل میں چونکہ ردیف ہی میں "بتاں" کا لفظ شامل ہے۔ اس لئے ہر موقع پر "بُت" کا استعمال ناگزیر ہے۔ "بُت" کے متعلق پچھلے اوراق میں گفتگو ہو چکی ہے۔ مختصر یہ کہ یہ کائنات اس کی جلوہ گاہ ہے۔ اس کے اسماء وصفات کا نام کائنات ہے۔ ہر مظہر بُت ہے اور یہ کائنات اس طرح اصطلاحاً بتخانہ ہے۔ عارف ہر شے میں اسی کا جلوہ دیکھتا ہے اور عارف کے نزدیک کوئی شے اس سے الگ نہیں۔ اس لئے دیر ہو یا حرم، ہر جگہ اسی کے جلوے ہیں)۔

غزل

آنکہ بد سّرِ نہاں نورِ عیاں می بینمش   ہم ز عالم برتر و ہم عین آں می بینمش

جو کچھ سّرِ نہاں (چھپا ہوا راز) تھا میں اسمیں نورِ عیاں دیکھتا ہوں۔ جو کچھ عالم سے ماورا ہے اور جو کچھ عالم ہے عین سب اسی کو دیکھتا ہوں۔

در مقامِ ذاتِ خود نام ونشاں چیزی نداشت   باز در اسم وصفت نام ونشاں می بینمش

مقامِ ذات میں خود اس کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔ لیکن اسم وصفت (کی قید) میں آکر اس کو نام و نشان کے ساتھ دیکھتا ہوں۔ (مقامِ احدیت میں اس کا کوئی نام نہیں تھا اس کے ساتھ کوئی صفت نہیں تھی یعنی وہ ہر نام سے مبرا۔ ہر صفت سے منزہ بے رنگ و بے چون تھا۔ جب اس نے ظہور کیا تو اسماء وصفات سے موسوم وموصوف ہوا۔ اس طرح کائنات اس کے اسماء وصفات کا نام ہے)۔

رتبہ اش عالیست از بودن دریں کون و مکاں   بوالعجب ہستم کہ ہم در ہر مکاں می بینمش

اس کا مقام کون و مکان میں ہونے سے ماورا ہے۔ لیکن عجب بات یہ ہے کہ میں اس کو ہر مقام پر اور ہر جگہ بھی دیکھتا ہوں۔

در تماشای جہان چون دل نہاد از خلوتش   گرد گرد این وآں خود این وآں می بینمش

دنیا کی ہمہ ہمی میں جب دل کو خلوت نصیب ہوتی ہے تو این وآں میں خود این آں دیکھتا ہوں (دلائل و براہین خود دلائل و براہین کے محتاج نظر آتے ہیں)۔

گاہ صاحب ہوش و عاقل واعظِ عالم شود　　　گاہ مست اندر سرِ پیر مغاں می بینمش

کبھی وہ ہوشمند اور عاقل دنیا کا واعظ ہوتا ہے اور کبھی اس کو پیر مغاں کے سر میں مستی کی شکل میں دیکھتا ہوں۔

گاہ با ناز و ادایش شوخ و شنگ و دلربا　　　در لباسِ گل رخاں خوش نوجواں می بینمش

کبھی اس شوخ و شنگ دلربا کو ناز و ادا کے ساتھ خوبصورت نوجوان کی شکل میں حسینوں (پھول جیسے چہرہ والوں) کے لباس میں دیکھتا ہوں۔

گاہ بسمل نیم جاں مجروحِ شمشیر بتاں　　　شکل زار عاشقاں بس ناتوان می بینمش

کبھی بتوں کی تلوار سے زخم کھا کر نیم جاں زخمی ہو کر عاشقوں کی حالت زار کی صورت میں اسے بے حد ناتواں دیکھتا ہوں۔

گرچہ پوشد کسوت بسیار در رنگ ہزار　　　لیک من او را چو یک دانم ہماں می بینمش

اگرچہ وہ ہزاروں رنگ کے کثیر لباس بدلتا ہے۔ لیکن میں اسے ایک ہی دیکھتا ہوں اور ایک ہی سمجھتا ہوں۔

دل کہ بود اندر تنم پراز نیاز درد و غم　　　گم شد اندر عشق بی نام و نشاں می بینمش

میرا دل جو میرے جسم کے اندر درد و غم کے نیاز سے پُر تھا۔ جب عشق میں گم ہو گیا تو اب میں اسے بے نام و نشان دیکھتا ہوں۔

غزل

مست گشتم از دو چشمِ ساقی پیمانہ نوش　　　الفراق ای ننگ و ناموس الوداع ای عقل و ہوش

میں پیمانہ نوش (شراب پینے والے) ساقی کی دو آنکھوں (کے نشہ) سے مست ہو گیا ہوں (اب ننگ و ناموس (عزت و حرمت) اور عقل و ہوش کا خدا ہی حافظ ہے) اے ننگ و ناموس رخصت اور اے عقل و ہوش الوداع۔

('' چشم '' یہ مست مجازی شعرا میں بھی مستی و سرشاری کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ صوفیائے کرام بھی اسے مخصوص معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ محبوب کے حسن و جمال میں

آنکھوں کا بڑا حصہ ہے۔ صوفیوں کے نزدیک یہ ایک خصوصی اصطلاح ہے۔ جس کی مفصل بحث یہاں ممکن نہیں۔ اس شعر میں " دو چشم" استعمال کیا گیا ہے۔ " دو چشم " سے یہاں مراد " جمال و جلال" ہے جو حق تعالیٰ کی خصوصی صفات ہیں۔ جہاں بھی اس قسم کے عدد " دو" کا استعمال ہوتا ہے۔ عام طور سے یہی مراد ہوتی ہے۔ جیسے " یدین" (دو ہاتھ) " قدمین" (دو پاؤں)۔ ساقی سے مراد حق تعالیٰ ہے۔ " پیمانہ نوش" سے کنایہ ہے " کل یوم ھوفی شان" کے ساغروں کا فیضان کرنے والا۔ الفراق اے ننگ و ناموس کے معنی یہ ہیں کہ انانیت کو اب سلام ہے۔ الوداع اے عقل و ہوش سے مراد یہ ہے کہ بس محویت طاری ہو گئی کیونکہ محویت میں عقل و ہوش کا پتہ نہیں ہوتا اور دونوں چیزیں بیکار ہو جاتی ہیں۔ گویا ہر آن نئی شان میں جلوہ افروز ہونے والے کے جمال و جلال کی چمک دمک والی آنکھوں نے مجھے بیخود و مست بنا دیا ہے۔ اس بے خودی و سرمستی کیلئے جو جادو بھری متوالی آنکھوں میں ہوتی ہے، عرفان کی ضرورت ہے)۔ ساقی پیمانہ نوش سے مراد مرشد کی ذات بھی ہوسکتی ہے جو خود بھی مئے وحدت اور شرابِ عشق سے مست ہے اور دوسروں کو بھی اپنے فیض اور اپنی تعلیمات سے مست بناتا ہے۔

شد تنم ہمرنگ باجاں جاں بہ تن ہمرنگ شد　　　　می برد ہر جا کہ خواہد جاں بتن خانہ بدوش

میرا جسم جان کا ہم رنگ ہو گیا ہے۔ اور جان جسم کی ہم رنگ ہو گئی ہے۔ اب جان جہاں بھی چاہے، جسم کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔

گفتمش ای جانِ من ہمجان و ہم تن خود توئی　　　　گفت فی الواقع و لے درستر ایں اسرار کوش

میں نے اس سے کہا کہ اے جان من تو خود ہی میری جان ہے اور خود ہی جسم۔ اس نے کہا بے شک (یہ صحیح ہے) لیکن اس راز کو چھپانے کی کوشش کر۔

نیست اندر اختیارم ضبطِ حالت چون کنم　　　　می بر آید از درونم مجروش و مجروش

میرے بس میں نہیں کہ میں اپنے حال پر ضبط کروں۔ اگر ضبط کرتا ہوں تو میرے اندر سے آواز آتی ہے کہ شور کرو، شور کرو۔

دی بُدم من شیخ دیں و سُبحہ خواں مسجد نشیں　　　　ہستم اکنون بُت پرست و کافر زنار پوش

کل میں دین کا شیخ تھا، ہاتھ میں تسبیح تھی اور مسجد نشین تھا اور اب بت پرست ہوں اور زنار پہننے والا کافر ہوں۔

(بت پرست، کافر، زنار۔ ان سب کے معانی پہلے کہیں بیان کئے جا چکے ہیں)۔

زہد و تقویٰ در فگندم زیرِ پایِ آن صنم — مذہبم عشقست و رندی مشربم جوش و خروش

زہد و تقویٰ سب میں نے اس صنم کے پاؤں کے نیچے ڈال دیا ہے۔ میرا مذہب عشق اور رندی ہے (آزاد اور بے قید ہوں) اور میرا مشرب جوش و خروش ہے۔

(عشق کے بغیر زہد و تقویٰ بے معنی ہے۔ میں نے اپنا نمائشی زہد و تقویٰ ترک کر دیا ہے اور عشق حقیقی میرا مذہب ہے۔ میرا مطلوب، میرا محبوب سب کچھ وہ معشوق حقیقی ہے)۔ اگلے شعر میں اسی بات کی تشریح ہے۔

زاہدا بشنو خدارا انچہ میگویم ترا — زہدِ بےمعنی گزار و جامِ عشق از من بنوش

اے زاہد، خدارا میری بات جو میں تجھ سے کہہ رہا ہوں غور سے سُن۔ بے معنی زہد و تقویٰ (جو عشق سے خالی ہے) چھوڑ دے اور میرے ہاتھ سے عشق کا جام پی لے۔

خدمتِ پیرِ مغاں برخود گرفتم فرضِ عین — کمتریں از بندگانش بندہ ام حلقہ بگوش

میں نے اپنے پیر مغاں کی خدمت اپنے اوپر فرض عین کر لی ہے اور اب میں اس کے کمترین غلاموں میں اور اس کا حلقہ بگوش ہوں۔

بردرِ میخانہ بنشستم بصد عجز و نیاز — گشتہ ام از بہر یکدو جام می طاعت فروش

بہت عجز و نیاز کے ساتھ میں میخانہ کے در پر بیٹھا ہوں اور شراب کے محض ایک دو جام کیلئے اپنی طاعت کو بیچنے کو تیار ہوں۔

(طاعت: عبادت۔ فرمانبرداری)

عالمی پرشورشست از غلغل و شورت نیاز — یکدمی ای یارِ من از ہاؤ ہو بس کن خموش

اے نیاز تیرے شور و غل سے ساری دنیا پریشان ہے۔ اے میرے دوست اس ہاؤ ہو سے تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو جا۔

غزل

پرتو مہرِ قدیمست این مہِ تابانِ عشق — جلوۂ نورِ کلیمست آتشِ سوزانِ عشق

یہ میرے عشق کا روشن چاند قدیم (ہمیشہ رہنے والے) سورج کا عکس ہے۔ میرے عشق کی سلگتی ہوئی آگ اس نور کے جلوہ کی طرح ہے جو حضرت موسیٰ نے (طور پر) دیکھا تھا۔

(حضرت موسیٰ نے جس طرح درخت پر آگ روشن دیکھی تھی اور وہ دراصل تجلیِ حق تھی۔ اسی طرح میرے عشق کا شعلہ جلوۂ حق کی چمک دمک ہے)

دود آہ سرکشی از سینۂ سوزانِ من مدِ بسم اللہ باشد بر سر دیوانِ عشق

میرے جلتے ہوئے سینہ سے اٹھتا ہوا دھواں میرے دیوانِ عشق کے عنوان پر لکھے ہوئے بسم اللہ کا ''مد'' بن گیا ہے۔

عاشقاں در بینوائی خسرویہا میکنند شاہی کونین دارد بے سروسامان عشق

عشاق مفلسی میں بھی بادشاہی کرتے ہیں۔ عشق کا بے سروسامان شخص دو جہاں کی بادشاہی کرتا ہے۔

شمع و پروانہ بہم دارندربط عاشقی نیک سنجیدیم سوزِ ہر دودرمیزانِ عشق

شمع اور پروانہ میں باہم عاشقی کا تعلق ہوتا ہے۔ ان دونوں کے سوز کو میں اچھی طرح عشق کی ترازو میں تولتا ہوں۔

درحریم وصل جاناں درنہادم چوں قدم ہستیم راکرد بیرون ازدرش دربانِ عشق

وصلِ محبوب کے حریم میں جونہی میں نے قدم رکھا۔ دربانِ عشق نے اسکے دروازہ سے ہی میری ہستی کو باہر کر دیا (وصل محبوب کے بعد عشق کا یہ تقاضہ ہے کہ اپنا وجود، اپنی ہستی باقی نہ رہے۔ اپنی ہستی کو مٹا کر ہی وصل محبوب حاصل ہوتا ہے)۔

صبر دل ہوشِ سرم چوں طاقتِ مہمان نداشت خود برفت و خانہ راؔبگوشت با مہمانِ عشق

دل کے صبر اور سر کے ہوش کو جب مہمان کا بار آٹھانے کی طاقت نہ رہی تو میزبان (یعنی صبر و ہوش) خود رخصت ہوگئے اور گھر کو مہمانِ عشق کیلئے چھوڑ گئے (یعنی جب عشق نے دل و دماغ پر قبضہ کرلیا تو صبر اور ہوش کچھ نہ رہا)۔

دارد آزادی ز تقلیدات وہمی بیگماں ہر کہ دارد پای در زنجیر در زندانِ عشق

عشق کے قید خانہ میں جس کے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوں (یعنی قید ہو) وہ بلا شک تقلید اور وہم سے آزادی پالیتا ہے (یعنی جو شخص عشق میں مبتلا ہے وہ اوہام باطلہ اور کورانہ تقلید سے نجات پالیتا ہے)۔

کافر عشقم مپرس از دین من ای ہمنشیں عشق اسلامست و دیں در ملک کفرستانِ عشق

میں کافر عشق ہوں۔ اے میرے دوست میرے دین کے متعلق مت پوچھو۔ کفرستانِ عشق میں عشق ہی میرا اسلام اور دین ہے (دین بغیر عشق اصل دین نہیں)۔

فارغ از رسم و رہِ گبر و مسلماں ساختہ مرحبا صد مرحبا بر لطف و بر احسانِ عشق

عشق نے جو مجھ پر لطف و احسان کیا ہے اس پر مرحبا اور سو بار مرحبا کہ اس نے مجھے کفر و اسلام کے رسوم و اطوار سے نجات بخشی۔ (ان دونوں اشعار میں کفر و اسلام کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق پچھلے اوراق میں گفتگو ہو چکی ہے)۔

کشتۂ شمشیرِ عشق از مرگ باشد در امان زندۂ جاوید باشد مردۂ بیجانِ عشق

عشق کی تلوار سے مارا ہوا موت سے امان پا لیتا ہے اور عشق کا مارا ہوا بے جان مردہ زندۂ جاوید (ہمیشہ کے لئے زندہ) ہو جاتا ہے۔

لَیسَ فِی سُوقِ الحقیقۃِ مِن متاعٍ غیرِحق لَیسَ مِن دونِ الفنا جنس علیٰ دکانِ عشق

حقیقت کے بازار میں حق کے علاوہ کوئی سامان نہیں ہوتا اور عشق کی دکان میں فنا کی جنس کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہوتی۔

لطف سیر عشقبازی از سر بیسر مپرس کاندریں میداں سرش گوئیست در چوگان عشق

کسی بے سَر کے سَر سے عشق کے کھیل کا لطف مت پوچھو کہ اس میدان میں سر گیند ہوتا ہے اور عشق بلّا۔ (چوگان = بلّا)

در نگاہِ موشگافِ دیدۂ اہلِ نظر درپسِ ہر پردہ دارد جلوۂ جانانِ عشق

اہل نظر کی باریک بیں نظروں میں ہر پردہ کے پیچھے محبوب کے عشق کا جلوہ ہوتا ہے۔

چشمِ ادراکِ خرد را بہرۂ نبود نیازؔ از تماشائے کہ بیند دیدۂ حیرانِ عشق

عشق کی حیران آنکھیں جو تماشہ دیکھتی ہیں۔ اے نیازؔ عقل کی چشمِ ادراک اس سے بہرہ ور نہیں ہو سکتی۔

(عشق و وجدان ہی سے حقیقت کی یافت ممکن ہے۔ عقل و دانش یہاں بے کار ہے)۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

علامہ اقبال فرماتے ہیں ۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

بقول شاعر

بو علی اندر غبارِ راہ گم دستِ رومی پردۂ محمل گرفت

غزل

باز بر تختِ دلم شد جلوہ گر سلطانِ عشق سوخت رختِ ہستیم از آتشِ سوزانِ عشق

میرے دل کے تخت پر سلطان عشق پھر جلوہ فرما ہے۔ عشق کی سلگتی ہوئی آگ نے میرے سامان ہستی کو جلا دیا۔

بعُد وہمی سرکند در یک قدم برداشتن طرفہ طفرہ دارد این جولانی یکرانِ عشق

میرے عشق کے گھوڑے کی پھرتی کا یہ عالم ہے کہ عجیب انداز سے چھلانگ لگاتا ہے اور ایک قدم اٹھانے میں ہی بُعدِ وہمی کو سر کر لیتا ہے (خیالی اور وہمی دوری کو دور کر دیتا ہے)۔

جولانی = پھرتی۔ تیزی طفرہ = چھلانگ یکران = گھوڑا

جوشش دریائے عشقت اینچناں و آنچناں گنبدِ گردوں حبابے باشد از عمانِ عشق

اس دنیا اور اس دنیا میں میرے عشق کے دریا کا وہ جوش و خروش (تندی اور تیزی) ہے کہ میرے عشق کے عالم میں آسمان کا گنبد ایک حباب نظر آتا ہے۔

یک نمود ایں کثرتِ وہمی بیک دو کردنم بوالعجب ماندم زکار خنجرِ برانِ عشق

اس کثرتِ وہمی کو میں نے دو کیا تو وہ ایک ہی نظر آیا۔ عشق کے اس تیز دھار والے خنجر کی کاٹ سے میں حیران ہو گیا۔

گرچہ یک آسانِ عشق آساں کند صد مشکلم لیک مشکل تر ز صد مشکل بود آسانِ عشق

اگرچہ عشق کا ایک "آسان" میری سو مشکلوں کو آسان کر دیتا ہے، لیکن عشق کا ایک "آسان" سو مشکلوں سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

آبِ حیوان مرگ باشد در مذاقِ عاشقاں زندۂ جاوید ہستند اینکساں از جانِ عشق

عاشقوں کے ذوق کے مطابق آبِ حیات موت ہے۔ یہ لوگ عشق کی جان سے زندۂ جاوید ہیں۔

زاہد نابیں اگر بینائے داردہوس ہان بکش در دیدہ کحل خاک اصفاہانِ عشق

اے نابینا زاہد، اگر تجھے بینائی حاصل کرنے کی خواہش ہے تو عشق کے سچے اور صاف لوگوں کی خاک کو اپنی آنکھ کا سرمہ بنا۔

ملّت و آئین عشق از جملہ ملّتہا نکوست   زین جہت رہ میروم بر جادۂ یارانِ عشق

عشق کا مذہب اور اسکے قوانین تمام مذاہب سے اچھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں عشق کی راہ پر چلنے والوں کے راستہ پر چلتا ہوں۔

چون زلیخا من اسیرِ یوسفِ مصری نیم   در نظر دارم ہزاراں یوسفِ کنعانِ عشق

زلیخا کی طرح میں یوسفِ مصری کا اسیر نہیں ہوں بلکہ کنعانِ عشق کے ہزاروں یوسف میری نظر میں ہیں۔

(کنعان: شام کا جنوبی حصہ جہاں حضرت ابراہیمؑ قیام فرماتھے۔ یوسف اور زلیخا کے قصہ کو قرآن پاک نے بھی بیان کیا ہے۔ زلیخا حضرت یوسف پر عاشق تھیں اور ان کو اپنی طرف راغب کرنا چاہتی تھیں۔ اس شعر میں اشارہ یہ ہے کہ میں زلیخا کی طرح صرف ایک فرد یوسف کی محبت میں گرفتار نہیں ہوں۔ یعنی کائنات کی کوئی ایک شے یا ایک فرد مرکزِ نگاہ نہیں ہے۔ کیونکہ محبوبِ حقیقی کا جلوہ ایک جگہ محدود نہیں ہے۔ کائنات کی ہر شے اسی کی جلوہ گاہ ہے۔ اس لئے ہر چیز سے میں محبت کرتا ہوں)۔

نے بوصل آرام جاں نے در فراق آسودگی   از کہ جویم چارۂ ایں دردِ بیدرمانِ عشق

نہ مجھے وصل سے آرام ملتا ہے نہ فراق میں آسودگی نصیب ہوتی ہے۔ عشق کے اس لا علاج مرض کا علاج میں کس سے طلب کروں (کہ مجھے سکون اور آسودگی حاصل ہو سکے)۔

ای نیاز از گفتگوی این و آں بس کن خموش   محوشو اندر تماشای رخِ جانانِ عشق

اے نیاز اِدھر اُدھر کی گفتگو بند کرو اور خاموش ہو جاؤ۔ صرف محبوبِ عشق کے چہرہ کی دید میں محو رہو۔

(اس اور اس سے پہلے والی غزل میں چونکہ "عشق" ہی ردیف ہے۔ اسلئے عشق کے متعلق بلیغ اشارات اس غزل میں موجود ہیں۔ ایک تو بنیادی بات ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ "عشق" کو اہل حال کے نزدیک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ عبادات بھی اگر عشق کے جذبہ سے خالی ہیں تو وہ صوفیا کے نزدیک کفر سے بدتر ہے۔ عبادت بغیر عشق ناقص ہے۔

حقائق کو پانے کے لئے دو ذرائع ہی خاص ہیں۔ (۱) علم توحید (۲) وجدان اور بصیرت۔ علم استدلال سے اور براہین و دلائل سے حقیقت کو پانا ممکن نہیں۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود پائے چوبیں سخت بے تمکین بود

(دلائل و براہین لکڑی کے پاؤں کی طرح ہوتے ہیں اور لکڑی کے پاؤں کبھی قابل اعتماد نہیں ہوتے)

منطق و استدلال سے کسی حقیقت کو سمجھنے میں ایک حد تک مدد مل سکتی ہے لیکن اس کی یافت کیلئے عشق، قلب سلیم اور وجدان صحیح کی ضرورت ہے۔ صوفیا عشق کی آگ اور محبت کے سوز و گداز کو بڑھا کر وجدان و بصیرت کو بیدار کرتے ہیں۔ وجدان کا تعلق ایک طرف انسانی قلب و روح سے ہوتا ہے۔ دوسری طرف معشوق حقیقی سے۔ تمام اشغال اور مراقبات کا مقصد یہی ہے کہ معشوق حقیقی پر خیال اور مشاہدہ کے ساتھ توجہ کو مرکوز کیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ عشق و محبت ہی وجہ تخلیقِ کائنات ہے۔ اسی لئے شیخ اکبرؒ اس کو حرکتِ حُبی کہتے ہیں۔ ''کُن'' کی مخاطب صفات تھیں۔ ان صفات کا امام جذبہ عشق تھا۔ مولانا رومؒ نے عشق کے متعلق اپنی مثنوی میں بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما اے طبیب جملہ علت ہائے ما

عشق آں شعلہ است کوچوں بر فروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

ملت عشق از ہمہ دینہا جداست عاشقاں را ملت و مذہب جداست)

حضرت عطارؒ نے بھی اپنی مثنوی میں ''عشق'' پر بہت کچھ لکھا ہے۔ صوفیانہ شاعری کی بنیاد ہی عشق ہے۔ مجازی شاعری میں بھی عشق ہمیشہ ایک اہم موضوع رہا ہے۔

غزل

جلوہ گاہِ ذات ہیں در منظرِ ایوانِ دل عرشِ سلطانِ وجوب این کرسی امکانِ دل

ایوان دل (دل کے محل) کے ہر منظر میں (اگر بصیرت ہے تو) اس ذات کو جلوہ آرا دیکھ (ہر منظر اسکی جلوہ گاہ ہے)۔ امکانِ دل کی یہ کرسی سلطانِ وجوب کا عرش ہے۔

(حقیقتِ انسانی کی دو جہات ہیں۔ ایک جہت ربوبیت سے متعلق ہے جسے ''وجوب'' کہتے ہیں۔ دوسرا رخ عبودیت ہے۔ جسے ''امکان'' کہا جاتا ہے۔ درمیان حقیقت انسانی گویا برزخ ہے۔ مراد یہ ہے کہ قلب انسانی جس کا تعلق عالم امکان سے ہے، دراصل

واجب الوجود یعنی ذات مطلق کا عرش ہے۔ جو ذات کا مظہر اتم ہے۔ جیسا کہ حدیث میں کہا گیا ہے "قلب المومنین عرش اللہ تعالیٰ" یعنی مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہے یا کہا گیا " مجھے زمین آسمان اپنے میں نہیں سما سکتے مگر میں قلب مومن میں سما جاتا ہوں"۔

گنبدِ گردونِ عالم از حبابے بیش نیست　　　کو نمودار آمدہ از بحرِ بیپایانِ دل

اس عالم کے آسمان کا گنبد ایک حباب سے زیادہ نہیں۔ (گنبد حباب ہی کا شکل کا ہوتا ہے)۔ وجہ یہ ہے کہ وہ حباب میرے دل کے ناپیدا کنار سمندر میں نمودار ہوا ہے۔

دید چون میدانِ دل برہان سُلم نقض یافت　　　منتجِ عکسِ قیاس ست حجت و برہانِ دل

جب دل کے میدان نے دلائل کو (اپنی بات منوانے کا) ذریعہ بناتے دیکھا تو اس نے ان سے اپنا ناطہ توڑ لیا۔ دل کی حجت و دلیل قیاس کے عکس کا نتیجہ ہے۔　　　(سُلم: وسیلہ۔ ذریعہ + نقض: توڑنا۔ عہد توڑنا + منتج: نتیجہ)

چون زلیخا کے شوم من مبتلائے یوسفے　　　صد ہزاراں یوسفِ مصریست در کنعانِ دل

میں زلیخا کی طرح ایک یوسف کی محبت میں کب مبتلا ہو سکتا ہوں۔ میرے دل کے کنعان میں مصر کے ہزاروں یوسف ہیں۔

در حباب دل بصدق جاں ہمی دارم نیاز　　　تا ابد باشد ہمیں ساں دست من دامانِ دل

دل کی دوستی میں میں ہزار جان سے رغبت (خواہش) رکھتا ہوں تا کہ اسی طرح تا ابد میرا ہاتھ ہو اور دل کا دامن۔ (حِباب: دوستی + نیاز: رغبت۔ خواہش)

از بیانِ این وآں خاموش بنشیں ای نیاز　　　باش مستغرق بدیدار رُخِ جانانِ دل

اے نیاز اِدھر اُدھر کے ذکر اذکار میں وقت مت ضائع کر خاموش بیٹھ اور جانانِ دل (دل کے محبوب) کے چہرہ کے دیدار میں مستغرق (محو) رہ۔

غزل

در راہ حق اندیشی میپویم و میرقصم　　　دست از خودی و خویشی میشویم و میرقصم

حق اندیشی کی راہ میں دوڑتا ہوں اور رقص کرتا ہوں۔ اپنی خودی اور خود اپنے سے ہاتھ دھوتا ہوں۔ اور رقص کرتا ہوں۔

گہہ گریم و گہہ خندم گہہ دست زنم گہہ پا　　از مستی و جوش اندر ہا ہویم و میر قصم
کبھی روتا ہوں اور کبھی ہنستا ہوں۔ کبھی ہاتھ مارتا ہوں تو کبھی پیر۔ مستی و جوش میں شور مچاتا ہوں اور رقص کرتا ہوں۔

جامے زمئے باقی از دستِ خوشِ ساقی　　باکثرتِ مشتاقی میجویم و میر قصم
ساقی کے خوبصورت ہاتھوں سے بہت اشتیاق کے ساتھ باقی شراب میں سے ایک جام کا طالب ہوں اور رقص کرتا ہوں۔

از جامہء جسمانی زاں یوسفِ لاثانی　　بوئی خوش روحانی میبویم و می رقصم
اس رشک یوسف (حسین) کے جامۂ جسمانی (جسم) سے روحانی خوشبو سونگھتا ہوں اور رقص کرتا ہوں۔

در شوق جمال او یک دل شدم و یکرو　　لا واحدِ الا ہو میگویم و می رقصم
اسکے حسن و جمال کے شوق میں (حسن و جمال کے اثر سے) میرا اور اس کا چہرہ اور دل ایک ہی ہو گیا ہے اور زبان سے "لا واحد الا ہو" (سوائے اسکے کوئی واحد نہیں) کہتا ہوں اور رقص کرتا ہوں۔

در راہِ شدو آمد مانند دمِ بیعد　　ہم سبزہ نمط بیحد میرویم و می رقصم
اس کی راہ میں بار بار آتا ہوں اور جاتا ہوں جس طرح لاتعداد سانسیں آتی اور جاتی رہتی ہیں۔ سبزہ کی طرح بے حد اُگتا ہوں اور رقص کرتا ہوں۔

چوں رفت نیاز از خود وز کون و مکاں برشد　　زد نعرہ کہ من بیخود خود اویم و می رقصم
جب نیاز خود اپنے سے گیا اور کون و مکان سے باہر ہو گیا تو اس نے نعرہ لگایا کہ میں بے خود خود "وہی" ہوں۔ یہ کہہ کر میں رقص کرتا ہوں۔

غزل

دمی نظارۂ روی تو ای یار آرزو دارم　　بروں آ از سراپردہ کہ بسیار آرزو دارم
اے میرے محبوب ایک لمحہ تیرے چہرہ کو دیکھنے کی آرزو رکھتا ہوں۔ پردہ سے باہر آ کہ تیرے دیدار کی مجھے بے حد تمنا ہے۔

خیال زلف و رویت رشتہ ام از کفر و دین بشکست　　نہ من تسبیح میخوانم نہ زُنّار آرزو دارم
تیری زلف اور تیرے چہرہ کے خیال نے کفر و دین سے میرا رشتہ توڑ دیا ہے نہ میں اب تسبیح

پڑھتا ہوں اور نہ زنار کی مجھے آرزو ہے۔

مگر گرویدہ ام گرد تواندر خواب آسائش   کہ من سر گشتگی چوں خطِ پرکار آرزو دارم

پرسکون خواب میں شاید میں نے تیرے گرد چکر لگائے ہیں کہ حیرانی اور بے قراری میں پرکار کی طرح عمل کی آرزو کرتا ہوں (پرکار دائرے کھینچنے کے کام آتا ہے)۔ (آرزو ہے کہ تیرے گرد پرکار کی طرح چکر لگاتا رہوں)

بسہلے از نگاہت میشود صد مشکلم آساں   بانصاف از نظر سازی چہ دشوار آرزو دارم

تیری نگاہ کی ایک آسانی سے میری سو مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھو تو یہ کتنی مشکل آرزو ہے۔

حضور خویش یادم گیر د آنگہ مہر کن یا قہر   بہر گونہ بدربار تو یکبار آرزو دارم

اپنی خدمت میں صرف میری یاد کو حاضری کی اجازت دیدے (ایک مرتبہ تو صرف مجھے یاد کر لے) پھر چاہے مہربانی کرے یا قہر (مجھے اسکی پرواہ نہیں)۔ کسی طرح بس تیرے دربار میں رسائی کی آرزو ہے۔

دلم دانای دہری میرزائی کوہ تمکینی ست   بایں جنسِ گرانمایہ خریدار آرزو دارم

میرا دل زمانہ بھر کا عاقل و دانا ہے۔ اور میری عزت اور بڑائی قدر و منزلت کا ایک پہاڑ ہے۔ مجھے اپنی اس نہایت قیمتی جنس کے خریدار کی آرزو ہے۔ (میرزائی = اعلیٰ مرتبی۔ بڑائی + تمکین = مرتبہ۔ قدر)

نیاز این شیوہ رابدترز مرگ خویش میدانم   کہ در دِ یار را درماں زاغیار آرزو دارم

نیاز مجھے یہ طریقہ اپنی موت سے بدتر معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے محبوب کے درد کا علاج غیروں سے طلب کروں۔

غزل

نہ انکارم زاغیارست نی یار آرزو دارم   خداوندا دل بے شغل و بیکار آرزو دارم

نہ اغیار سے انکار کرتا ہوں اور نہ کسی دوست کی آرزو رکھتا ہوں۔ یا خدا ایسے دل کی آرزو رکھتا ہوں جو بیکار ہو اور اس کا کوئی مشغلہ نہ ہو۔

چو برمرکز نشستم یافتم جای و مقام خود　　　دلا گردش چرا بر شکل پرکار آرزو دارم

اگر مرکز پر بیٹھتا ہوں تو جگہ بھی پالیتا ہوں اور اپنا مقام بھی بنا لیتا ہوں۔ اے دل پرکار کی طرح گردش کی کیوں مجھے آرزو ہے۔

شبِ بختِ سیہ را صبح از مہر تو میخواہم　　　کشودِ کار آسانی زدشوار آرزو دارم

اپنی قسمت کی سیاہ رات کیلئے مجھے تجھ ایسے سورج کی خواہش ہے۔ مشکلات کے آسان حل کیلئے یہ ایک دشوار آرزو ہے۔

زقیدِ کفر و دیں عشقم اگر آزادئی بخشد　　　شوم کافر اگر تسبیح و زنار آرزو دارم

اگر میرا عشق مجھے کفر و دین کی قید سے آزاد کر دے تو پھر اگر میں تسبیح اور زنار کی آرزو کروں، تو کافر ہوں۔

مقام لختِ دل میخواہم از چشم سر مژگاں　　　کہ ایں مقصود خود را بر سر دار آرزو دارم

پلکوں کے کناروں پر میں چاہتا ہوں کہ آنکھوں میں (بجائے آنسوؤں کے) دل کے ٹکڑے نظر آئیں، میں اپنا یہ مقصد بر سر دار دیکھنے کا آرزومند ہوں۔

نگاہ اند کے مہرے بفرما بر دلِ زارم　　　اگر انصاف فرمائی چہ بسیار آرزو دارم

میرے دلِ زار پر اپنی ذرا سی مہربانی کی نظر ڈال دے۔ اگر انصاف سے دیکھ تو یہ کیا بڑی آرزو ہے۔ (کوئی ایسی بڑی آرزو نہیں)

بدور زندگی یک لحظہ آسایش نمی بینم　　　زفیضِ عام تو ای مرگ زنہار آرزو دارم

اپنی تمام زندگی کے دور میں آسائش کا ایک لمحہ بھی مجھے نظر نہیں آتا۔ اے موت تیرے فیض عام سے مجھے کوئی اور خواہش نہیں ہے۔

نیازؔ از رتبہ عقل و خرد ہرگز مپرس از من　　　کہ ہر دم مستیِ از چشمِ سرشار آرزو دارم

اے نیازؔ مجھ سے عقل و خرد کا مرتبہ ہرگز مت پوچھ کہ مجھے تو ہر دم ان نشیلی آنکھوں سے کیف و مستی چاہیئے۔

غزل

ماجانِ خود بدلبر جانا نہ دادہ ایم　　آتش زروئے شمع بہ پروانہ دادہ ایم

ہم نے اپنی جان دلبرِ جانا نہ (محبوب) کو دے دی ہے۔ شمع کے چہرہ کی آگ ہم نے پروانہ کو دے دی ہے۔

در بوس ماپات نہ دہم تلُوث ست　　جاناں بحق کہ بوسۂ پاکانہ دادہ ایم

ہم تیرے پیروں کو اپنے بوسہ سے آلودہ نہیں کرنا چاہتے۔ اے محبوب اس حق کی وجہ سے جو ہم نے پاکیزہ بوسہ کو دیا ہوا ہے۔

ازماگرہ کشاز دل مو بموئے یار　　سوگند زلفِ اوتبوائے شانہ دادہ ایم

ہمارے بالوں کے دل کی جو گرہ یار کی زلفوں سے بندھی ہوئی ہے۔ اے کنگھی اس کو کھول۔ ہم نے تجھے اس کی زلفوں کی قسم دی ہوئی ہے۔

حرمانِ مابدور تو ساقی برائے چیست　　در قیمتِ می تو دل آیا نہ دادہ ایم

اے ساقی تیرے دور میں ہماری یہ مایوسی کس لئے ہے۔ کیا شراب کی قیمت میں ہم نے اپنا دل نہیں دیا ہے؟

تاچند خستگی و غریبی و بیکسیت　　دستِ طلب بدست کریمانہ دادہ ایم

آخر یہ ہماری خستگی، غریبی اور بے کسی کب تک رہے گی۔ جب کہ اپنا دست طلب ہم نے ایک کریم کے ہاتھ میں دیا ہوا ہے۔

زاہد طمع مدار زما پابوس خویش　　بوسِ نیاز بر لب پیمانہ دادہ ایم

اے زاہد ہم سے اپنی پابوسی کی توقع نہ کر۔ ہم نے اپنا بوسۂ نیاز پیمانہ کے لب کو دیا ہوا ہے۔

احرامِ بستنم بحرم کے سزد نیاز　　ایمان و دیں بکافرِ بتخانہ دادہ ایم

اے نیاز ہمیں کعبہ میں احرام باندھنا کب زیب دیتا ہے کہ ہم نے اپنا دین و ایمان سب بتخانہ کے کافر کو دیا ہوا ہے۔

غزل

ہوائے سیر گُل دیدن ندارم چو بلبل ذوق نالیدن ندارم

مجھے چمن کی سیر کی کوئی خواہش نہیں۔ نہ بلبل کی طرح آہ وزاری کا شوق ہے۔

زداغستانِ دل باغ و بہارم دگر پروائے گلچیدن ندارم

میں خود اپنے دل کے داغوں سے باغ و بہار ہوں۔ اب مجھے دوسرے پھولوں کو توڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

زبوئی زلف بے آہوی جاناں دماغِ مشک بوئیدن ندارم

محبوب کی زلفوں کی اعلیٰ اور مسحور کن خوشبو (دماغ میں اتنی بسی ہوئی ہے کہ) اب میرے دماغ کو مشک کی خوشبو کی ضرورت نہیں ہے۔

(بے آہو: بے عیب۔ صاف ستھری)

خدارا برسر بالینم آ یار کہ من یارای جنبیدن ندارم

اے میرے محبوب خدارا تو مری بالیں پر آجا کہ اب مجھ میں خود سے حرکت کی قوت نہیں ہے۔

بروید نرگس از خاکم پسِ مرگ بخود جز حسرتِ دیدن ندارم

میرے مرنے کے بعد میری خاک سے نرگس کے پھول پیدا ہو رہے ہیں۔ (زندگی میں تو) خود سے سوائے دیکھنے کی حسرت (آرزو) کے کچھ نہ کر سکا۔

ز خودرفتم چوپرسیدی ز حالم خبر از لطفِ پُرسیدن ندارم

جب تو نے میرا حال پوچھا تو میں خود اپنے سے چلا گیا (ہوش وحواس کھو بیٹھا) اسلئے تیری اس مزاج پرسی کا کوئی لطف نہ لے سکا۔

اگر درکاہشم قدرت فزونست بجانت ہیچ کاہیدن ندارم

اگر میں نقصان میں ہوتا ہوں تو قدرت بڑی فیاض ہے۔ تیری جان کو کوئی نقصان پہنچے یہ مجھے ہر گز گوارا نہیں۔

شبے روزی نشد جز خواب بختم کہ ہم در خواب خوابیدن ندارم

کسی شب کی ایسی صبح نہیں ہوتی کہ میرا نصیب سو نہ رہا ہو۔ اب خواب میں بھی میں سونا نہیں چاہتا۔

مکن تکلیف دام و دانہ صیاد پروبازوئے پَریدن ندارم
اے صیاد اب میرے لئے جال یا دانوں کی زحمت گوارا نہ کر کہ اب میرے پر اور بازو اس قابل نہیں رہے کہ میں اڑ سکوں۔

بہارم بے بہارے و خزانست زگلچیں خوف گلچیدن ندارم
اب میری بہاروں میں نہ کوئی بہار ہے نہ خزاں۔ اسلئے اب مجھے باغبان سے گلچینی (پھول توڑنے) کا کوئی خطرہ نہیں۔

نیاؔز اندر سخن سنجی منم ہیچ ولیکن عیب دزدیدن ندارم
نیاؔز سخن سنجی میں (مانا) کہ میری حیثیت کچھ نہیں ہے لیکن یہ بات ضرور ہے کہ سرقہ (چوری) کا عیب مجھ میں نہیں ہے۔

غزل

زروے حسرت دیدن ندارم زباغے داغ گلچیدن ندارم
یہ نوبت نہیں آئی ہے کہ میں افسوس کے ساتھ اسے (باغ کو) دیکھوں (کیونکہ) باغ سے پھول توڑنے کا جرم میں نے نہیں کیا۔

خروش و جوشِ نالیدن ندارم دماغے راخراشیدن ندارم
مجھے آہ و زاری اور شور مچانے کا جوش و خروش نہیں ہے۔ نہ اپنے دماغ کو (ناحق) پریشان کرنے کا شوق ہے۔ (خراشیدن: زخمی کرنا)

بہار سینہ ام رشک چمنہاست بداغستاں چہادیدن ندارم
میرے دل کی بہار باغوں کیلئے باعثِ رشک ہے۔ پھر میں اپنے دل کے داغوں ہی کو کیوں نہ دیکھوں (پھولوں کو دیکھنے کی کیا ضرورت ہے)۔

منم پروانہ وہم شمع وہم سوز بگرد غیر گردیدن ندارم
میں خود ہی پروانہ ہوں۔ خود ہی شمع اور خود ہی سوز کسی غیر کے گرد طواف کرنے کی پھر مجھے کیا ضرورت ہے (جب خود ہی پروانہ ہوں اور خود ہی شمع تو خود اپنے ہی گرد چکر لگا لیتا ہوں)۔

نگہ آسا روم براوج افلاک زجائے خویش جنبیدن ندارم

افلاک کی بلندیوں پر نگاہ کی طرح تیزی کے ساتھ چلا جاتا ہوں۔ اپنی جگہ سے ہلنے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

دلے دارم برنگ غنچہ لب بند چوگل بیہودہ خندیدن ندارم

میرا دل غنچہ کی طرح لب بند ہے۔ پھول کی طرح بیہودہ ہنسی مجھے پسند نہیں (یعنی خاموشی پسند ہے۔ ہنسی میں کھلکھلانا یا شوروغل پسند نہیں)۔

من آن مہرم کہ بیرنگیست تابم برنگِ ذرّہ تابیدن ندارم

میں ایسا سورج ہوں جو بے رنگی میں بھی روشن ہے۔ محض ایک ذرہ کی طرح چمکنا مجھے پسند نہیں۔

بگرد خود ہمیگردم چوگردون برون از خود خرامیدن ندارم

آسمان کی طرح خود اپنے چاروں طرف چکر لگاتا رہتا ہوں۔ اپنے سے باہر مجھے ٹہلنا پسند نہیں۔

زخورشیدم درخشاں جملہ ذرّات بخود حرف درخشیدن ندارم

تمام ذرے مجھ سورج سے (میں گویا سورج ہوں۔ اس سے) چمک رہے ہیں۔ خود اپنے آپ کوئی حرف (ذرہ) روشن نہیں ہے۔

محیط عالم و مرکز نشینم خطرازدست لغزیدن ندارم

تمام عالم پر محیط ہوں (احاطہ کئے ہوئے ہوں) اور خود (اس دائرہ کے) مرکز پر بیٹھا ہوں۔ کوئی خطرہ نہیں کہ میرے ہاتھ میں لغزش آئے۔

نیاز ازمن مپرس ایندم دگرہیچ دماغ ہیچ پُرسیدن ندارم

نیاز اس وقت مجھ سے کوئی اور بات مت پوچھو۔ دماغ اس قابل نہیں کہ کوئی مجھ سے سوال کرے (اور میں اس کا جواب دوں)۔

غزل

الایا اُیہا الساقی بدہ جام مئے نابم کہ افگندہ ست ہشیاری بلا در پیچ و در تابم

اے ساقی اٹھ اور مجھے خالص شراب کا ایک جام دے کہ میں نے ساری ہشیاری اور مصائب کو

اپنے پیچ وتاب میں ڈال دیا ہے۔

ندارم آرزوئے علم وفضل دو جہاں دردل ہمینم بس بود کز خود زمانے بے خودی یابم

دل میں دو جہاں کا علم وفضل حاصل کرنیکی قطعی خواہش نہیں ہے۔ میرے لئے یہی کافی ہے کہ کچھ عرصہ کیلئے مجھے اپنے سے بے خودی حاصل ہو جائے۔

مده تکلیف علمِ رسمیم اے عالم حالم پریشان حالیم رومید ہد از درس الوابم

تو میرے حال سے واقف ہے۔ مجھے علومِ رسمی حاصل کرنے کی زحمت مت دے۔ میری پریشان حالی کتابِ زندگی کے اس باب کے سبق کو خود ہی ظاہر کر دیتی ہے۔

مطلق کردہ ام من زوجہء کونین رازاندم کہ بامہرت قبولم اتفاق افتاد و ایجابم

میں نے زوجۂ کونین کو طلاق دے دی اس وقت جب مہر تیرا قبول کرنا قرار پایا اور میں نے حامی بھرلی (یہ مہر ادا کر کے یعنی تجھے قبول کر کے میں نے دنیا کو طلاق دے دی۔ جس سے میں نے شادی کرلی تھی مراد یہ ہے کہ میں نے جب حق کو پالیا تو دنیا کو چھوڑ دیا)۔

نمود این پارۂ خاکم چواکسیر آتش عشقت چہ طرفہ قائم النارم بیا بنگر بسیمابم

تیرے عشق کی آگ نے مجھ خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ میں اسی آگ میں مستقل جلتا ہوں۔ (اسی آگ سے قائم ہوں) آ اور میرے اس سیماب (پارے) کو دیکھ۔ (اکسیر کیمیا کو کہتے ہیں۔ ایسی شے جو تانبے کو سونا اور رانگے کو چاندی بنا دے) اس کی تیاری میں پارے (سیماب) کو تیز آنچ میں پکانا پڑتا ہے۔ یعنی سیماب (پارے) کی طرح جلتے جلتے میں اکسیر بن گیا ہوں جس کے مَس سے دوسرے سونا بن جاتے ہیں۔

بوقتِ نوجوانی حال پیری شد بمن طاری غمِ ہجرانِ جانانم بشیب انداختہ شابم

نوجوانی کے دنوں میں مجھ پر بڑھاپے کا حال طاری ہو گیا۔ محبوب کی جدائی کے غم نے میری جوانی کو ضعیفی میں بدل دیا۔

چہ نگرانی و حیرانیست بر چشم ببین یا رب نمی آید خیال خواب شب ہم در شب خوابم

یا رب دیکھ میری آنکھوں پر کیا نگرانی اور حیرانی ہے کہ رات کو جب میں سو رہا ہوتا ہوں جب بھی مجھے نیند کا خیال نہیں آتا۔

چہ طوفان خیز اشکست این روان از چشم خونبارم کہ ترسانم ز غرق عالم اندر موج سیلابم

میری خون بہاتی ہوئی آنکھوں سے کس قدر طوفاں خیز آنسو بہہ رہے ہیں کہ مجھے خوف ہے کہ اس

سیلاب کی لہروں میں یہ دنیا نہ غرق ہو جائے۔

تو صد گونہ جفا و جور بر من می کنی جاناں   بجز عجز و نیازم نیست دیگر شیوہ و دابم

اے میرے محبوب تو مجھ پر اس قدر ظلم و ستم کرتا ہے لیکن اس کے جواب میں عجز و نیاز اور نیاز مندی ہی میرا شیوہ ہے اور اسی میں میری شان ہے۔(داب معنی شان وشوکت۔خودنمائی)

غزل

جانان بغم روے تو اندر تپ و تابم   سوزان جگرم آہ کشم دیدہ پر آبم

اے میرے محبوب تیرے رخ کے غم میں میں بے چین اور پریشان ہوں۔جگر میں آگ لگی ہے۔ آہیں بھرتا ہوں اور آنکھیں آنسو بہاتی رہتی ہیں۔

چشم تو ربودہ ست ز من ہوش وحواسم   بیتابم و بیطاقت و ہم بیخور و خوابم

تیری (مست) آنکھوں نے مجھ سے میرے ہوش وحواس چھین لئے ہیں۔(اب یہ حالت ہے) کہ بے تاب رہتا ہوں۔کمزور (بے طاقت) ہوگیا ہوں۔کھانا چھوٹ گیا ہے۔نیند غائب ہوگئی ہے۔

ای ساقیِ سرشار ببین سوی منِ زار   در آتشِ غم سوختہ ام تحفہ کبابم

اے مست ساقی میری حالت زار کی طرف دیکھ۔غم کی آگ میں جل رہا ہوں۔جل کر کباب ہو گیا ہوں۔

گر حال دل خستہ پرسی ز سرِ لطف   ناید بزبان حرف بجز آہ جوابم

اگر تو مہربانی سے میرے خستہ دل کا حال پوچھے تو جواب میں بجز آہ کے زبان پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔

زنار بدوشم بدہد زلف تو مارا   روئے تو کند راہبری سوئے صوابم

تیری زلفیں میرے کاندھے پر زنار کی طرح ہیں۔تیرا چہرہ میری اصلاح کیلئے رہبری کا کام کرتا ہے۔

مارا بکتاب دگرے چیست حوالہ   دل در بر خوددارم وانیہ تت کتابم

ہمیں کسی دوسری کتاب کے حوالہ کی کیا ضرورت ہے۔اپنے سینہ میں جو دل رکھتا ہوں اس ک

کتاب سمجھتا ہوں۔

بر عجز و نیازم نظر لطف و کرم کن　　　بیخود ز خودم ساز بنوشاں مئے نابم

میرے عجز و نیاز پر لطف و کرم کی نظر کر۔ مجھے اپنے سے بیخود بنا دے اور مجھے صاف ستھری شراب پلا دے۔

(اس غزل میں ہجر کی کیفیات بیان کی گئی ہیں۔ عشق میں درد و سوز ضروری ہے۔ جو عاشق فراق محبوب اور آرزوئے وصال میں محسوس کرتا ہے۔ عشق کا یہ درد صرف انسان کے حصہ میں آیا ہے۔ فرشتے تک اس سے محروم ہیں۔ خواجہ عطار فرماتے ہیں۔

قدسیاں را عشق هست و درد نیست　　　درد را جز آدمی در خورد نیست

(فرشتوں کو عشق کا جذبہ ملا ہے لیکن درد کے احساس سے وہ محروم ہیں۔ درد سوائے انسان کے کسی کو نصیب نہیں)۔

جو عشق حضرت انسان کو عطا ہوا ہے اسمیں درد ہے۔ سوز ہے۔ تڑپ ہے۔ ہجر و فراق دراصل مقام وحدت سے غیبت کو کہتے ہیں۔ تعینات کے پردے حقیقت کو آنکھوں سے اوجھل کر دیتے ہیں۔ یہی فراق و ہجر ہے۔ عالم بطون انسان کا اصل وطن ہے۔ عالم ظہور میں آنے سے اپنے وطن اصلی سے اسے فراق ہو جاتا ہے۔ انسان کی حقیقت عین حق ہے۔ اگر وہ اس حقیقت کو نہیں دیکھ پاتا تو وہ حالت فراق میں ہے۔ روح کا جسم ناسوتی کی قید میں رہنا ہی حقیقی فراق ہے۔ خود حضور قبلہؒ فرماتے ہیں۔

کیا ہی چین خواب عدم میں تھا نہ تھا زلفِ یار کا کچھ خیال
سو جگا کے شور ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا

(ابتدائے عشق میں ہجر کا احساس شدید ہوتا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں اسے "قبض" یا انقباض کہتے ہیں۔ "قبض وبسط" یہ دونوں اصطلاحات صوفیا میں رائج ہیں۔ "قبض" بند کرنے کو کہتے ہیں۔ اور "بسط" کشادگی کو۔ سفر سلوک میں سالک کو اکثر ان کیفیات سے گزرنا پڑتا ہے۔ کسی زمانہ میں فیوض و فیضان کا غلبہ ہوتا ہے جسے بسط کہتے ہیں۔ کبھی اچانک ان میں رکاوٹ ہو جاتی ہے اسے قبض کہتے ہیں۔ یہی دراصل ہجر یا فراق ہے۔ "قبض" کے بعد بسط زیادہ لطف انگیز ہوتا ہے۔ یہ وصال ہے۔ یہ کیفیت حضور پر نور ﷺ پر بھی گزری تھی۔ جب آپ پر وحی کا نزول کچھ عرصے کے لیے رُک گیا تھا جس کو "فترۃ الوحی" کہا جاتا ہے۔ اس عرصہ

میں آپ بہت ملول اور کبیدہ خاطر رہے۔ حقیقت یہ ہے جیسا کہ پہلے کہا گیا روح اپنے مبداء اور اصل سے ملنے کے لئے ہمیشہ مضطرب رہتی ہے۔ یہی ہجر و وصال کی کیفیات ہیں)۔

غزل

زجادوی نگاہِ دیدهٔ آن یار مخمورم خرد گم کرده و دیوانه و مجنون و مسحورم

اس یار کے نظروں کے جادو سے میں مخمور ہوں۔ عقل گم ہے اور دیوانہ و مجنوں اور مسحور ہوں (سحر میں مبتلا ہوں)۔

بگوشم چون درآمد از لب شیرینش آوازے شدم مستِ الست و در بلا افغانم و شورم

اس کے شیریں لبوں سے جوں ہی میرے کانوں میں (الست کی) آواز آئی میں اس الست کی آواز سے مست ہو گیا اور "بلیٰ" کا شور و غل بپا ہو گیا۔

(ارواح نے "الست" کی آواز سن کر بلیٰ" کہا جس کے معنی "ہاں" کے ہیں۔ روز ازل حق تعالیٰ نے تمام ارواح سے پوچھا "الست بربکم" (کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں)۔ ارواح نے جواب دیا" قالو بلیٰ" (بے شک تو ہمارا رب ہے)۔

اگر پایم بجائے سر وگر سر جائے پا اُفتد ز مدہوشی و سرمستی خود معذور و مجبورم

اگر میرے پیر سر کی جگہ اور سر پیر کی جگہ پڑیں تو (اس میں میرا قصور نہیں) میں اپنی مدہوشی اور سرمستی سے خود معذور اور مجبور ہوں۔

بسوئے کوئے او پویم جمال روئے او جویم چہ کارم آید ای جانان دہندار جنت و حورم

میں اسکے کوچہ کی طرف دوڑتا ہوں اور اس کے رخ کے جمال کی جستجو میں رہتا ہوں۔ اگر اے میرے محبوب مجھے حور و جنت دی گئی تو وہ میرے کس کام کی ہے۔

گداؤ بینو ایم ساز و برگم خوش نمی آید کلاہ بیسری برسر بہ است از تاجِ فغفورم

میں گدا اور بے نوا ہوں۔ مجھے ساز و سرود اور برگ و بہار کچھ نہیں اچھا معلوم ہوتا۔ میرے سر پر کلاہِ بے سری (بے سَری کی ٹوپی بے نظیر و لاجواب ٹوپی) ہے جو بادشاہوں کے تاج سے بہتر ہے۔ (بے سر = بے نظیر۔ لاجواب)

دو نیم کرد تیغِ ابروش در طرفۃ العینے بحمد اللہ شہید اکبرم ماجورو مغفورم

ذرا سی دیر میں اس کے ابروؤں کی تلوار نے میرے دو ٹکڑے کر دیئے۔ الحمدللہ میں شہیدِ اکبر ہوں۔ اللہ مجھے اسکا اجر دے گا اور میں مغفرت پاؤں گا۔

مقام اے نیاز اندر جہان ہر کس نمی داند فرید دہر و شمس وقتم و ہمرنگِ منصورم

اے نیاز میرا مقام دنیا میں ہر شخص نہیں جانتا۔ میں فرید دہر (زمانہ میں یکتا) ہوں۔ وقت کا آفتاب ہوں اور منصورؒ کا ہم مشرب ہوں (اپنے زمانے کا فریدؒ، اپنے وقت کا شمس تبریزؒ اور منصورؒ کا ہم رنگ ہوں)۔

(منصور نے انا الحق کہا تھا۔ میں بھی اسے جائز سمجھتا ہوں اور میں بھی یہ نعرہ لگا سکتا ہوں۔)

غزل

بطون حق مبطّن داں بجانِ جانِ پنہانم ظہورش آشکارا بین بروئے روے اعلانم

بطونِ حق کو میری جانِ پنہاں کے اندر جان۔ اور ظہور کو میرے بیان کے مطابق تو آشکارا دیکھ (ہر جگہ اس کو جلوہ گر دیکھ) مبطّن = (جس کا پیٹ اندر کو گھسا ہو۔)

فروغ مشعلِ نور قدم کردہ ست تا بانم چہ تاب آرد حدوث تیرہ با شمعِ فروزانم

نورِ قدم کی مشعل کی روشنی نے مجھے روشن کر دیا میری روشن شمع کے سامنے تاریک حدوث کی کیا قوت۔

(نورِ قدم: ہمیشہ رہنے والا نور۔ نور ذات احدیت،

حدوث تیرہ: فنا ہونے والی کائنات)

مقدس طینتم عالی نژادم این قدر دانم کہ تما ید گل ولا ے فنا آلودہ دامانم

میں پاک طینت ہوں۔ عالی نژاد ہوں۔ اتنا جانتا ہوں کہ میرے دامن کا کپڑا اور اس پر بنے ہوئے پھول فنا ہونے والے نہیں۔ (لائے: کپڑے کا تھان۔ کاغذ کا تختہ)

ز بہر تشنگان آب و برائے مردگان جانم علاجِ علّت و زحمت شفائے دردمندانم

میں پیاسوں کے لئے پانی ہوں اور مُردوں کے لئے جان۔ پریشانیوں اور تکلیفوں کا علاج ہوں اور دردمندوں کی شفا۔

بود کحل البصر در دیدۂ نظار دو عالم غبارِ گرد پائے خاک آدم خیز انسانم

مجھ آدم خیز انسان کی خاکِ پا اور اسکی گرد کا غبار دو عالم کی آنکھوں کی بینائی کے لئے سُرمہ ہے۔

برائے نہ عرض ذاتم جواہر خمسہ را جوہر　　　　کہ خود اصل الاصول استم و رکن جملہ ارکانم

میری ذات نو (۹) عَرَض کا عَرَض اور پانچ جواہر کا جوہر ہے اور میں جملہ ارکان کا رکن اصل الاصول ہوں۔ (یہ شعر علم فلسفہ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ سب اصطلاحات جوہر۔ عرض۔ اصل۔ اصل الاصول وغیرہ فلسفہ کی ہیں۔

عَرَض: وہ چیز جو دوسری چیز کی وجہ سے قائم ہو۔ برعکس جوہر کے کہ وہ بذات خود قائم ہے۔ مثلاً رنگ اور کپڑا۔ اسمیں رنگ عرض ہے اور کپڑا جوہر۔ عرض نو (۹) شمار کئے جاتے ہیں۔

جوہر وہ چیز جو بذات خود قائم ہے۔ یہ پانچ (۵) کہے جاتے ہیں۔ جوہر خلاصہ۔ لب لباب۔ اصل حقیقت کو بھی کہتے ہیں۔ ان تمام چیزوں کی اصل ایک اصل الاصول ہوتا ہے۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ میں تمام عرض کا عرض تمام جواہر کا جوہر اصل الاصول ہوں)۔

برون آمد ز بحرِ ذات من صد گوہر و مرجان　　　　ولے آدم دُر یکتاست زان دریائے عمانم

میری بحر ذات (ذات کے سمندر) سے سینکڑوں مونگے اور موتی برآمد ہوئے لیکن اس گہرے سمندر میں آدم جیسا کوئی موتی نہیں تھا۔ (وہ یکتا موتی تھا جس کے مقابلہ میں کوئی دیگر موتی نہیں تھا)۔

(مخلوقات عالم میں آدم ممتاز ترین تخلیق ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس کو نیابتِ الٰہی کا شرف حاصل ہے۔ ''انی جاعل'' فی الارض خلیفۃ''۔ وہ خلیفۃ اللہ ہے۔ بموجب قرآن تمام پہاڑوں دریاؤں کے سامنے امانت الٰہی پیش کی گئی۔ سب نے معذرت کر لی۔ لیکن آدم نے یہ بار امانت اٹھا لیا جو قرآن کے الفاظ میں ظلومی اور جہولی تھا۔ اس طرح اللہ کا نائب اور مسجود ملائک ہے۔ آدم سے مراد انسان ہے۔ انسان جملہ صفات الٰہی کا جامع ہے۔ حقیقت انسانی مظہر ہے اسم اللہ کی۔ جب کائنات میں ان اسما کا ظہور ہے جن کا جامع اسم اللہ ہے تو حقائق عالم علمی اور عینی اعتبارات سے حقیقت انسانی ہی کے مظاہر ہیں۔ گویا عالم میں انسان ہی کی حقیقت ظاہر ہے۔ اسی بناء پر انسان کو عالم صغیر اور کائنات کو عالم کبیر کہتے ہیں۔ عالم کا اجمالی ظہور انسان ہے اور انسان کی تفصیلی صورت عالم ہے۔ آدم باعتبار اپنے ظاہر خلق کی صورت اور باعتبار اپنے باطن حق کی صورت ہیں۔ اسی جامعیت نے انہیں خلافت کا مستحق بنایا)۔

خور و مہ روز و شب حیران بشوق دیدنم گریاں　　　　بگردم چرخ باصد جان بلا گرداں و قربانم

سورج اور چاند مجھے دیکھنے کے شوق میں دن رات حیران و پریشان رہتے ہیں اور روتے رہتے

ہیں۔آسمان اپنی جان پر مصیبت اٹھا کر میرے گرد چکر لگاتا ہے اور مجھ پر قربان ہوتا ہے۔

**نہ کافر گفتنم باید نہ مومن خواندنم شاید		کہ نے در بند کفرستم نہ اندر قید ایمانم**

نہ مجھے کافر کہا جا سکتا ہے اور نہ مومن کہنا مناسب ہے کیونکہ نہ میں کفر کی گرفت میں ہوں اور نہ ایمان کی قید میں۔

**نہ قیدِ بند در پایم نہ بندِ قید بالا یم		جُز این و آں بود جا یم نہ در اینم نہ در آنم**

نہ میرے پیر میں بیڑیاں ہیں نہ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں۔(نہ نیچے کی طرف قید ہوں نہ اوپر کی طرف)۔میری جگہ اسکے علاوہ ہے میں نہ اس میں ہوں نہ اُس میں۔

**نمود جان و تن در من نباشد جز خیال و ظن		نہ جان میدارم و نہ تن کہ من خود جان جانانم**

مجھ میں میری جسم و جان سوائے وھم و خیال (حقیقتاً) نہیں ہے۔نہ مجھ میں میری جان ہے نہ جسم میرا ہے کیونکہ میں خود جانِ جاناں ہوں۔

**بشانِ تازہ میگردم عیان ازمکمن غیبم		نمی یا بند اہل دم بدوآنم بیک شانم**

نہاںخانۂ غیب سے میں ہر دم تازہ اور نئی شان کے ساتھ ظاہر ہوتا ہوں۔لوگ مجھے ایک ہی شان میں دوسری مرتبہ نہیں دیکھتے۔

(اشارہ قرآن پاک کی آیت ''کل یوم ھو فی شان'' کی طرف ہے۔یعنی وہ ہر آن ایک نئی شان میں ہوتا ہے۔اس کی تجلی میں تکرار نہیں ہوتی ۔دریا کا پانی جو ایک جگہ سے گزر جاتا ہے دوبارہ وہاں لوٹ کر نہیں آتا۔اسی طرح اس کی تجلی اس کی شان ہر لحہ نئی ہوتی ہے اور ایک دم میں یہ کائنات نئی نویلی ہو جاتی ہے۔تصوف میں اس کو'' تجدد امثال'' یا کمون و بروز یا' آمد و شد'' کہتے ہیں۔پچھلے اوراق میں کئی مرتبہ اس کا ذکر کیا جا چکا ہے)۔

(مکمن: نہاں خانہ۔چھپنے کی جگہ)

**نیاز و عجز و بیتابی اگر یابی دمے با من		بہ بینی بر سرِ ناز و غنا اندر دگر آنم**

اگر ایک وقت تو مجھ میں عجز و انکساری اور بے تابی پاتا ہے تو دوسرے وقت دوسرے لحہ بے نیازی اور ناز دیکھے گا (دونوں شانیں میری ہیں۔کبھی ایک شان ظاہر ہوتی ہے تو کبھی دوسری)۔

**جہاں پر غلغل و شورست ازگفتار شیرینم		کجایا بی سخن گو چوں لب لعل شکردانم**

یہ دنیا میری شیریں کلامی کے شور وغل سے بھری ہوئی ہے۔تجھے لب لعل سے ایسی شیرینی سے

پُرسخن گو کہاں ملے گا۔

بمیدانِ حقیقت تا سر خودرانہ در بازی نیابی یکسرے مو را زسِرّ گوے و چوگانم

میدانِ حقیقت میں جب تک کھیلنے کیلئے اپنا سر نہیں استعمال کرے گا تو ایک بال کے برابر بھی گیند اور بلّے کے راز کو نہیں پا سکتا۔

رہ رازو نیاز من نمی یابند گمراہان نمی بینند خفاشاں رخ خورشید عرفانم

گمراہ لوگ میرے راز و نیاز کا راستہ نہیں پاتے۔ میرے آفتاب عرفان کے چہرہ کو چمگادڑ کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔

(اس غزل میں حضور قبلہؒ نے جو بیان کیا ہے وہ دراصل فنائیت کی منزل کی نشاندہی ہے۔ حدیث قرب نوافل کی رُو سے بندہ حق میں فنائیت حاصل کر کے حق کا مظہر کامل ہو جاتا ہے۔ حدیث قرب نوافل میں کہا گیا ہے کہ بندہ جب عبادات و ریاضات سے حق کا قرب حاصل کرتا ہے تو حق فرماتا ہے کہ میں بندہ کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ آنکھ اور کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا اور سنتا ہے غرض سب کچھ حق کا ہو جاتا ہے۔)

غزل

درآمد بر سرم ناگہہ شب آن شمع شبستانم زد آتش در پرو بالِ دل پروانہ جانم

میرے خلوت کدہ کی وہ شمع رات کو اچانک میرے نزدیک آئی اور میرے پروانۂ جان کے دل کے پر و بال کو آگ لگا دی۔

نہاد اندر نہادم آتش حسنش چناں آتش کہ از سر تا قدم یکسر برنگِ شعلہ سوزانم

اس کے حسن کی آگ نے میری سرشت میں ایسی آگ بھر دی کہ میں سر سے پیر تک شعلہ کی طرح جل رہا ہوں۔

نہاد: سرشت۔ طبعیت۔ رسم و دستور۔ اصل۔ روشن عادت

(دونوں اشعار میں عشق کا سوز اور حسن کی تپش کا اظہار ہے۔ پہلا شعر خصوصاً خوبصورت انداز بیان اور حسن کی دلسوزی کا بہت دلکش اظہار ہے)۔

خبراز خویشتن یک لحظہ یک ساعت نمیدارم   چناں محوِ خیال و جلوۂ جاں بخش جانانم
میں اتنا زیادہ محبوب کے جاں بخش جلوہ کے تصور میں محو رہتا ہوں کہ مجھے ایک لحظہ ایک لمحہ بھی خود اپنی خبر نہیں ہوتی۔

مثال برق بر من برفتادو از سرم بگذشت   تن و جاں سوخت ورفت از برم ای وائے جانانم
بجلی کی طرح (حسن کی آگ) مجھ پر گری اور مجھے نیست و نابود کر کے میرے سر سے گزر گئی۔ اے افسوس میرے محبوب میرے جسم و جان کو جلا کر اور توڑ کر (یا بے فکری سے) مجھ پر سے گزر گئی (رفت: توڑنا۔ بے فکری)۔

نہ خوابم ماندنے راحت نہ تابم ماندنے طاقت   نہ تقوی ماندنے طاعت نہ دیں ماندنہ ایمانم
نہ مجھے نیند ہے نہ راحت۔ نہ قوت ہے نہ طاقت۔ نہ اب تقوی رہا نہ طاعت۔ نہ دین رہا نہ ایمان۔

جنون در جانِ من پیدا قیامت بر سرم برپا   بدل اندوہ ماتمہا عجب سازست و سامانم
میری جان میں جنون پیدا ہو گیا ہے اور سر پر قیامت گذر گئی۔ دل غم و الم میں ماتم کناں ہے غرض کچھ عجیب ساز و سامان (منظر) ہو گیا ہے۔

چہ وحشت دارد ایں سودای من یارب بدیں وسعت   جہان از عرش تا فرش آمدہ ہمرنگ زندانم
میرے سودا اور جنون کی وحشت یا رب اس قدر بڑھ گئی ہے کہ عرش سے فرش تک یہ تمام عالم مجھے زنداں نظر آتا ہے۔

جنونم پردہ درشد پنجۂ زورش چگویم من   کہ تا پایان دامن شد سرِ چاک گریبانم
میرے جنون نے میرا پردہ چاک کر دیا اس کے پنجہ میں اتنی قوت تھی کہ میرے گریبان کا چاک میرے دامن تک پہنچ گیا۔

نمی ترسم من ای واعظ ز ہول آتشِ دوزخ   کہ صد چنداست ازوے گرمی جانسوز ہجرانم
اے واعظ میں دوزخ کی ہولناک آگ سے قطعی خائف نہیں ہوں اسلیئے کہ ہجر کی جان سوز گرمی اس سے سو گنا زیادہ ہے۔

گذار کاروانِ لختِ دل راہ تری اُفتاد   بہردم میچکد قطرات خون از چشم گریانم
دل کے ٹکڑوں کا قافلہ تری (گیلا پن) کے راستہ پر جا پڑا ہے۔ اب ہر وقت میری چشم گریاں سے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں۔

نیاز از شورِ تو حالم شد است افسانۂ عالم   نمودی فاش اے نادان بخلق اسرار پنہانم

نیاز تیرے شور مچانے سے میرا حال افسانۂ عالم ہو گیا ہے (کہ اب ہر شخص جاننے لگا ہے اور ہر زبان پر میرا افسانہ ہے)۔ اے نادان میرے چھپے ہوئے رازوں کو تُو نے دنیا پر ظاہر کر دیا ہے۔

غزل

عاشقِ بیخبر منم من نمنم نہ من منم   عارفِ باہنر منم من نمنم نہ من منم

میں بے خبر عاشق ہوں۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔ میں با ہنر عارف (خدا کو پہچاننے والا) ہوں۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔ (الفاظ کی تکرار سے غزل میں ایک حسن پیدا ہو گیا ہے لیکن مراد یہی ہے کہ "میں نہیں ہوں"۔)

سوزِ دل و جگر منم وحشتِ پردہ در منم   دانشِ بخیہ گر منم من نمنم نہ من منم

دل اور جگر کا میں سوز ہوں۔ راز ظاہر کرنے والی وحشت ہوں۔ بخیہ گر کی عقل و دانائی ہوں۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔ (پردہ دریدن: بھید ظاہر کرنا)

امن منم خطر منم زہر منم شکر منم   نفع منم ضرر منم من نمنم نہ من منم

امن مَیں ہوں۔ خطرہ مَیں ہوں۔ زہر مَیں ہوں۔ شکر مَیں ہوں۔ نفع مَیں ہوں۔ نقصان مَیں ہوں۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔

شام منم سحر منم شمس منم قمر منم   در ہمہ جلوہ گر منم من نمنم نہ من منم

شام مَیں ہوں۔ صبح مَیں ہوں۔ سورج مَیں ہوں۔ چاند مَیں ہوں۔ تمام چیزوں میں مَیں جلوہ گر ہوں۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔

اینہمہ بحر و بر منم و نیہمہ خشک و تر منم   قطرہ منم گہر منم من نمنم نہ من منم

یہ سب بحر و بر مَیں ہوں۔ یہ تمام خشک و تر مَیں ہوں۔ قطرہ مَیں ہوں۔ موتی مَیں ہوں۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔

شاہد دلربا منم مطرب خوشنوا منم   سمع منم بصر منم من نمنم نہ من منم

محبوبِ دلربا مَیں ہوں۔ خوشنوا مطرب (خوش الحان گانے والا) مَیں ہوں۔ سمع (سننے کی قوت) مَیں ہوں۔ بصر (دیکھنے کی قوت) مَیں ہوں۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔

حسن و جمالِ حق منم عز و جلال حق منم حشمت و جاہ وفر منم من نمنم نہ من منم

حق کا حسن و جمال بھی مَیں ہوں اور اس کا عز و جلال بھی مَیں ہوں۔ اس کی شان و شوکت مَیں ہوں۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔

طوطی صد زباں منم بلبل نغمہ خواں منم روضہ منم شجر منم من نمنم نہ من منم

سینکڑوں بولیاں بولنے والا طوطی مَیں ہوں۔ نغمے سنانے والی بلبل بھی مَیں ہوں۔ گلشن مَیں ہوں۔ درخت مَیں ہوں۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔

صوفی با صفا منم بیخود و با خدا منم اہلِ دل و نظر منم من نمنم نہ من منم

صوفیِ با صفا مَیں ہوں۔ بے خود اور با خدا مَیں ہوں۔ اہلِ دل و نظر مَیں ہوں۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔

آدمؑ و شیثؑ و نوحؑ و ہودؑ غیر حقیقتم نبود صاحب ہر عصر منم من نمنم نہ من منم

آدمؑ، شیثؑ، نوحؑ، ہودؑ اور تمام پیغمبر میری حقیقت کے علاوہ کوئی اور نہیں تھے (سب میری ہی حقیقت تھے) ہر زمانہ کا مالک مَیں ہوں۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔

موسیٰ جلوہ بین منم قلۂ فلسطین منم نور منم شرر منم من نمنم نہ من منم

جلوہ دیکھنے والا موسیٰ مَیں ہوں۔ فلسطین کی پہاڑی مَیں ہوں (جہاں کوہ طور پر حضرت موسیٰ نے جلوہ خداوندی دیکھا تھا)۔ نور مَیں ہوں۔ چنگاری مَیں ہوں (یعنی جلوہ دیکھنے والا۔ وہ پہاڑی جہاں جلوہ دیکھا گیا اور خود وہ جلوہ سب مَیں ہوں)۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔

عیسیٰ مریمی منم احمدؐ ہاشمی منم حیدرؓ شیر نر منم من نمنم نہ من منم

عیسیٰ ابن مریم مَیں ہوں۔ احمد ہاشمیؐ (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم) بھی مَیں ہوں۔ حیدر کرار (علیؓ) مَیں ہوں۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔

راز و نیاز خود منم سوز و گداز خود منم کردہ قدم ز سر منم من نمنم نہ من منم

راز و نیاز بھی میں خود ہوں۔ سوز گداز میں خود ہوں۔ سر سے پیر تک میں ہوں۔ مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں۔

(یہ غزل اور اس کے بعد والی غزل "ہمہ اوست" کا کھلا ہوا بیان ہے۔ "مَیں مَیں نہیں ہوں نہ مَیں مَیں ہوں"۔ کا مطلب ہی یہ ہے کہ "میں" جو کچھ بظاہر نظر آ رہا ہوں وہ نہیں

ہوں۔ تعینات نے میری ھیئت بدل دی ہے۔ کہیں عاشق ہوں کہیں معشوق، کہیں نفع ہوں کہیں نقصان، کہیں صبح ہوں کہیں شام، کہیں درخت ہوں تو کہیں تخم، کہیں ولی ہوں کہیں نبی۔ یہ سب تعینات کے کرشمے ہیں۔ ورنہ میری اصل اور میری حقیقت حق ہے۔ ہر تعین ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اسلئے ہر جگہ شکل بدلی ہوئی ہوتی ہے۔ لیکن ان تعینات کے پردہ میں حق کو دیکھنا اصل معرفت ہے۔ جو کچھ ہمیں بظاہر نظر آرہا ہے وہ سراسر وہم اور فریب نظر ہے۔ سراب کو پانی سمجھ لینا یا ہر چمکتی ہوئی چیز کو سونا سمجھ لینا۔ آسمان کو چھت کی طرح سمجھنا۔ چاند ستاروں کو چمکتے ہوئے اجسام سمجھنا یہ سب ہماری نظروں کا دھوکا ہے۔ ان کی اصل حقیقت کو پانا ہی بالغ نظری اور بصیرت ہے۔ حباب و امواج کو دیکھ کر سمندر کا، برگ و بار کو دیکھ کر تخم کا تصور ضروری ہے کہ یہ اشکال حقیقی نہیں ہیں۔ یہ اشیاء سمندر اور تخم سے الگ نہیں ہیں بلکہ بصیرت ہو تو عین وہی ہے۔ مقطع سے پہلے کے تین اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ پیغمبروں میں تمام پیغمبر مختلف اوقات میں مبعوث ہوتے رہے اور مختلف احکام حق کی طرف سے لاتے رہے جو اقتضائے زمانہ کے مناسب تھے۔ لیکن تمام انبیاء کی اصل در حقیقت ''حقیقت محمدیؐ'' کا ظہور ہے جو مختلف اشکال میں ہوتا رہا۔ کبھی آدم، کبھی شیث، کبھی نوح، کبھی ہود، کبھی عیسیٰ، کبھی موسیٰ لیکن ان سب کی اصل ''حقیقت محمدیؐ'' ہے۔ اور ''حقیقت محمدی'' ذات کا ظہور بالذات ہے)۔

غزل

من نمنم نہ من منم من نمنم نہ من منم رفتہ ز خویشتن منم من نہ منم نہ من منم

میں مَیں نہیں ہوں نہ میں مَیں ہوں۔ میں مَیں نہیں نہ میں مَیں ہوں۔ جو خود اپنے سے چلا گیا وہ مَیں ہوں۔ میں مَیں نہیں ہوں نہ میں مَیں ہوں۔

متن متین حق منم شرح مبین حق منم سِرّ منم علَن منم من نمنم نہ من منم

اللہ کی سنجیدہ کتاب کی اصل عبارت بھی مَیں ہوں اور اس کتاب کی واضح تفسیر بھی مَیں ہوں۔ چھپا ہوا راز بھی مَیں ہوں اور اس کا اظہار بھی مَیں ہوں۔ میں مَیں نہیں ہوں نہ میں مَیں ہوں۔

کعبہ منم حرم منم دیر منم صنم منم مومن و برہمن منم من نمنم نہ من منم

کعبہ بھی مَیں ہوں۔ حرم بھی مَیں ہوں۔ بتخانہ بھی مَیں ہوں۔ بُت بھی مَیں ہوں۔ مومن و

برھمن بھی مَیں ہوں۔ میں مَیں نہیں ہوں نہ میں مَیں ہوں۔

عشق منم جناں منم دردمنم زبان منم　　روح منم بدن منم من نمنم نہ من منم

عشق بھی مَیں ہوں۔ جنت کے باغات بھی مَیں ہوں۔ درد مَیں ہوں۔ زبان مَیں ہوں۔ روح مَیں ہوں۔ جسم مَیں ہوں۔ میں مَیں نہیں ہوں نہ میں مَیں ہوں۔

دوحہ منم چمن منم لالہ و نسترن منم　　ہم گل و ہم سمن منم من نمنم نہ من منم

درخت مَیں ہوں۔ چمن مَیں ہوں۔ لالہ و نسترن بھی مَیں ہوں۔ گلاب بھی مَیں ہوں۔ چنبیلی بھی مَیں ہوں۔ (حقیقت یہ ہے) کہ میں مَیں نہیں ہوں نہ میں مَیں ہوں۔

بلبل داستان منم طوطی صدزبان منم　　گوش منم سخن منم من نمنم نہ من منم

داستان کی بلبل مَیں ہوں۔ سینکڑوں زبان بولنے والا طوطی مَیں ہوں۔ خود کان ہوں اور خود ہی بات ہوں۔ میں مَیں نہیں ہوں نہ میں مَیں ہوں۔

عجز و نیاز ہم منم خوبی و ناز ہم منم　　حسن منم محن منم من نہ منم نہ من منم

عجز و نیاز بھی مَیں ہوں۔ خوبی و ناز بھی مَیں ہوں۔ میں خود ہی حسن ہوں۔ خود ہی تکلیف و مشقت ہوں۔ میں مَیں نہیں ہوں نہ میں مَیں ہوں۔

غزل

چون یار بہ بزم آمدہ پوشیدہ نقابم　　پس کس نبود حاجب او غیر حجابم

میری ہستی کی نقاب پہن کر میرا محبوب جب میری بزم میں آیا تو درمیان کوئی حجاب نہیں تھا۔ حجاب تھا تو خود میرا وجود۔

(یعنی اپنے اور محبوب کے درمیان سب سے بڑا حجاب خود اپنی خودی ہے۔ یہ حجاب اٹھ جائے یعنی اپنا وجود مٹ جائے تو محبوب نظر کے سامنے ہے)۔

حرفیست جہان ازورق دفتر علمم　　من نسخۂ جامع عجبے طرفہ کتابم

یہ دنیا میرے دفترِ علم کے اوراق میں محض ایک حرف کی حیثیت رکھتی ہے میں ایک جامع نسخہ ایک

عجیب وغریب کتاب ہوں۔ (کلمات کی تشریح مثنوی کے شعر ۲۸ کی شرح میں گزر چکی ہے۔)
سیدنا امام حسینؑ نے ''الم۔ ذالک الکتاب'' کی شرح میں کتاب سے مراد انسان کامل لیا ہے۔
کلمات کا مجموعہ کتاب ہے۔ اعیانِ ممکنات کلمات ہیں یعنی کائنات کی ہر شے ایک کلمہ ہے۔ گویا
تمام موجودات کلام الٰہی ہے۔ جو مخلوقات کے رنگ میں نمودار ہوتے ہیں۔ انسانِ کامل تمام
موجودات کا خلاصہ ہے۔ باعتبار اپنی عقل و روح کے ''اُم الکتاب'' ہے۔ انسانِ کامل ہی صحیفہ
مکرمہ ہے اور یہی وہ کتاب مطہر ہے جس سے کوئی چیز نہیں چھوٹی ہے۔

مرا بہ ہیچ کتابے مکن حوالہ دگر
کہ من حقیقت خود را کتاب می بینم

(مجھے کسی دوسری کتاب کا حوالہ نہ دے کہ میں خود اپنی حقیقت کو کتاب دیکھتا ہوں)
بقول صاحبِ ''سردلبراں'' کتاب وجود مطلق کو کہتے ہیں کہ جسے کبھی عدم نہیں۔ وجود اس میں اس
طرح داخل ہے جیسے حروف دوات میں داخل تو ہیں مگر کسی حرف کا اطلاق دوات کی سیاہی پر نہیں
کیا جاسکتا۔

دریائے محیط ست وجودم بہ حقیقت   در صورت خود گرچہ بتمثال سرابم

حقیقت یہ ہے کہ میرا وجود ایک بے کراں سمندر ہے۔ حالانکہ بظاہر صورت مثل سراب ہوں۔

عالم شود ارمست ز چشم من سرمست   یاران چہ عجب ہست کہ من کہنہ شرابم

دنیا اگر میری نشیلی آنکھوں سے مست ہو جاتی ہے تو لوگوں کو تعجب کیوں ہے میں پرانی شراب ہوں۔

سلطانِ جہاں ہستم و آزاد ز ہر قید   گو شکل گدایانہ بہ قیدِ گل و آبم

میں دنیا کا بادشاہ ہوں اور ہر قید و بند سے آزاد ہوں۔ حالانکہ بظاہر فقیروں کی سی شکل ہے اور
آب وگل کی قید میں ہوں (مٹی اور پانی سے بنا ہوں)۔

چون مہر من از مطلع غیب آمدہ بیرون   ذرّات جہاں جملہ عیاں گشت ز تابم

جب غیب کے مطلع سے میرا سورج (میں خود جو سورج جیسا ہوں)۔ برآمد ہوا تو میری چمک دمک
سے تمام دنیا کے ذرات روشن اور ظاہر ہو گئے۔

اے مردہ دلان عین حیات ابدیم   دے تشنہ لبان سوئے من آئید کہ آبم

اے مُردہ دلو میں عین حیات ابدی ہوں۔ تمام پیاسے لوگ میرے پاس آئیں (اور اپنی پیاس
بجھائیں) کہ میں پانی ہوں۔

از کشف و کرامات ملا فید که ابنہا افتادہ براہند بہ تعدادِ حسابم

یہ کشف و کرامات ہے کہ حساب میں کتنے ہی اعداد ہوں لیکن میرے حساب میں ایک ہی کا عدد آتا ہے۔

خود عاشقِ خود ہستم و مشتاق لقایم درشکلِ نیآز آمدہ ام باتپ و تابم

میں خود اپنا عاشق ہوں اور اپنی شکل کا مشتاق ہوں۔ نیآز کی شکل میں بہت شان وشوکت اور چمک دمک کے ساتھ آیا ہوں۔

غزل

باہمہ خو بروئیم عاشقِ روے کیستم رستہ زدام جسم و جان بستۂ موے کیستم

باوجود اپنی خوبصورتی کے میں کس کے چہرہ کا عاشق ہوں۔ اپنی جان و جسم کی قید سے آزاد ہو کر کس کی زلفوں کی زنجیر میں بندھا ہوا ہوں۔

دردلم این تپیدگی و زخودم این رمیدگی ساکنِ کنج بیخودی لبمل خوے کیستم

اپنے دل میں اتنی تپش کے ساتھ اور خود اپنے سے چھٹکارا حاصل کر کے میں گوشہ بےخودی میں (بےخودی کی حالت میں) کس کی اداؤں کا زخمی ہوں۔

جلوہ گرم بہر جہت نعت منست ہر صفت سجدہ کنان بجان و دل جانب وسوے کیستم

میں ہی ہر طرف جلوہ گر ہوں اور ہر تعریف میری ہی نعت ہے۔ پھر جان و دل کے ساتھ یعنی اتنی خشوع وخضوع کے ساتھ کس کی طرف رخ کر کے سجدے کرتا رہتا ہوں۔

مست زبوے من جہان درپس نکہتم روان والہ و مست درپئے نکہت وبوے کیستم

پورا عالم میری خوشبو سے مست ہے اور میری خوشبو کے پیچھے بھاگ رہا ہے لیکن میں خود کس کی خوشبو اور نکہت سے مست ہوں اور اس پر والہ وشیدا ہوں۔

باہمہ دلبری و ناز شیوہ گرفتہ ام نیآز خاک نمط بزیر پا در رہ و کوے کیستم

اے نیآز باوجود اس کے کہ دلبری اور ناز میرا طرز حیات ہے۔ پھر میں کس کے راستہ میں اور کس کے کوچہ میں خاک کی طرح پاؤں کے نیچے رہتا ہوں۔ (نمط معنی مثل)

ل اللہ تعالیٰ سورہ فاتحہ میں ارشاد فرماتا ہے ''الحمد للّٰہ رب العالمین''۔ ''الحمد للّٰہ'' کے معنی ہیں سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں۔ یعنی حمد و ستائش کی تمام صورتیں محض اللہ کیلئے ہیں۔ کوئی تعریف غیر اللہ کیلئے منسوب ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کو اصطلاح میں '' حصر'' کہتے ہیں۔ کسی کی بھی تعریف کی جائے تو وہ تعریف بالواسطہ اللہ ہی کی تعریف ہو گی۔ وہ تعریف حضور سرور کائناتؐ کی ہو۔ کسی نبی کی ہو کسی ولی کی ہو۔ حتیٰ کہ کسی انسان۔ فرشتہ۔ شجر۔ حجر۔ حیوانات کی تعریف بھی اللہ ہی کی تعریف ہے کیونکہ ہر معرف (جس کی تعریف کی جائے) اور ہر مذکور (جس کا ذکر کیا جائے) کی صورت پر اللہ ہی کا ظہور ہے یعنی ہر شے کی صورت اور معنی اللہ ہی ہے۔

قرآن پاک کا ارشاد ہے'' فاینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ'' یعنی تم جس طرف دیکھو، اللہ ہی کا چہرہ ہے۔ جب ہر طرف ہر جہت اللہ ہی کا چہرہ ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ سجدہ کیلئے کس طرف رخ کروں کیونکہ سجدہ اللہ ہی کو ہوتا ہے اور اللہ کسی ایک جگہ محصور نہیں ہے۔ مزید نکتہ اس میں یہ ہے کہ اس ذات کا تعین میں خود ہوں۔ اس میں فنا ہو کر میں خود ''وہ'' ہو گیا ہوں۔ اب ہر طرف میرا ہی جلوہ ہے اور ہر نعت میری ہی نعت ہے۔ جب میں خود وہ ہوں تو سجدہ کسے کروں۔ یعنی مجھے خود ہی خود کو سجدہ کرنا چاہئے۔

اس پوری غزل میں ''کیستم'' ردیف کی وجہ سے یہی خیال کارفرما ہے۔

غزل

اس غزل کی ردیف چونکہ منفرد ہے اور کسی شاعر نے اس مشکل ردیف یعنی'' عنقائے قاف قدسم'' میں کوئی شعر نہیں کہا اسلئے ان الفاظ کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ چونکہ صوفیا کی خصوصی اصطلاحات ہیں اسلئے عام فہم نہیں۔ اس غزل میں اور اس کے بعد والی غزلوں میں جس کی ردیف ''بودستم'' پھر اے طالباں اے طالباں من باشما ہرجاستم ، ہے مقامِ احدیت کا زیادہ تر ذکر ہے۔ یہ غزلیں اعلیٰ شاعری کی بہت عمدہ مثالیں ہیں اور تعلیمات باطنی سے پُر ہیں۔ صاحب حال اصحاب سنتے ہیں اور سَر دھنتے ہیں۔ صاحب '' مخزن الخزائن'' اس غزل کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

'' دراصل اس غزل میں زیادہ تر مقام احدیت کا بیان ہے لیکن یہی شانِ وصل بھی

ہے جس کی وضاحت مقطع سے ہو رہی ہے۔ صوفیانہ لٹریچر میں اس غزل کا جواب نہیں مل سکتا۔ کیا بلحاظ صنائع صُوری کیا بلحاظ بلاغت معنوی یہ اشعار اپنا جواب آپ ہیں"۔

پہلے الفاظ کی تشریح کی جاتی ہے۔ بعد میں اشعار کا مطلب بیان کیا جائے گا۔

عَنقا: ایک فرضی پرندہ جس کا دنیا میں کوئی وجود نہیں۔ اس کو "سی مرغ" بھی کہتے ہیں۔ کنایۃً اس کا مطلب نایاب شے کا ہے۔ بے نظیر چیز۔ سختی اور مصیبت کیلئے بھی کہا جاتا ہے۔ اسی سے فعل استعمال ہوتا ہے "عَنقا ہونا"۔ یعنی کسی چیز کا نادر و نایاب و کیاب ہونا۔ جیسے کہا جائے فلاں چیز بازار میں آج کل عنقا ہے یعنی نایاب ہے۔

اسی مناسبت سے طریقت میں "عَنقا" سے مراد ہیولٰی لئے جاتے ہیں کیونکہ وہ دیکھنے میں نہیں آتا۔ ہیولٰی یعنی ہر چیز کا مادّہ اور اصل۔ گویا عنقا سے مراد شے کی حقیقت ہے۔

قاف: قاف سے مراد "حقیقت انسانی" ہے۔ "کوہ قاف" ایک پہاڑ ہے جو ایشیائے کوچک میں واقع ہے۔ پرانے زمانہ میں یہ خیال تھا کہ وہ اپنی بزرگی اور برکات کے لحاظ سے سارے عالم پر محیط ہے۔ کوہ قاف کی پریاں کہانیوں کا موضوع ہوتی تھیں۔ اسے "سی مرغ" کا مسکن کہا جاتا تھا۔ بالکل اسی طرح "حقیقت انسانی" بھی جملہ حقائق عالم کی جامع ہے اور بقول "من عرف نفسہ فقد عرف ربہٗ"۔ انسان جب حقیقت انسانی کو سمجھ لیتا ہے تو وہ ذاتِ مطلق کو بھی پہچاننے لگتا ہے۔ "سی مرغ" سے کنایہ ذاتِ مطلق کا ہے۔ کیونکہ قلبِ مومن جو حقیقتِ انسانی کا کوہ قاف ہے۔ سی مرغ یعنی ذاتِ مطلق کا عرش ہے۔ "قلب المومنین عرش اللہ تعالیٰ" حدیث پاک ہے۔ حضرت احمد جام کا ایک شعر ہے۔

سیمرغ قاف قربم از دام کون جستہ ‏ ‏ ‏ ‏ طاؤس باغ عرشم از آشیاں پریدہ

(قاف قرب کا سیمرغ ہوں جو کائنات کے جال سے بھاگا ہوا ہے۔ عرش کے باغ کا مور ہوں جو اپنے آشیاں سے اُڑ چکا ہے)

قدس: پاک۔ مقدس۔ متبرک۔ پاکیزگی۔ تقویٰ۔ طہارت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح ''عنقائے قاف قدسم'' کا مطلب ہوا۔ ''میں حقیقتِ انسانی کی اصل ہوں۔'' ''حقیقتِ انسانی'' کی اصل کیا ہے؟ یہ دراصل مظہر ہے اسم ''اللہ'' کی۔ جس طرح اسم اللہ جملہ اسمائے الٰہیہ کا جامع ہے اسی طرح انسان جملہ صفاتِ الٰہیہ کا جامع ہے۔ آدم باعتبار اپنے ظاہر کے خلق کی صورت اور باعتبار اپنے باطن کے حق کی صورت ہے گویا عالم دراصل حقیقتِ انسانی کا ظہور ہے جو حق کی صورت ہے۔

ان الفاظ یعنی ''عنقائے قاف قدس'' کے معانی سمجھ لینے کے بعد اشعار کے اس سلسلہ سے معانی بیان کئے جاتے ہیں۔ یہ ردیف یعنی ''عنقائے قاف قدسم'' بہت بلند اور بامعنی مطالب کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔

بیچون و بیچگونم عنقائے قاف قدسم ‏ ‏ ‏ بی شبہ و بے نمونم عنقائے قاف قدسم

میں بے چون و بے چگون ہوں۔ مقدس قاف کا عنقا ہوں۔ میرے ہونے میں یا میرے وجود میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ میں مقدس قاف کا عنقا ہوں۔

از وحدتم معرّا وز کثرتم مبرا ‏ ‏ ‏ پاک از ہمہ شیونم عنقائے قاف قدسم

میں (اُس مقام پر) وحدت سے معریٰ اور کثرت سے مبرا ہوں اور تمام شیون (شیون۔ شان کی جمع) سے پاک ہوں۔ میں مقدس قاف کا عنقا ہوں۔

بیرنگیست رنگم رنگست عار وننگم ‏ ‏ ‏ دانی کہ من چگونم عنقائے قاف قدسم

میرا رنگ بے رنگی ہے۔ رنگ میرے لئے عیب اور باعث شرم ہے۔ تو جانتا ہے کہ میں کیسا ہوں (''دانی'' نزدیکی کو بھی کہتے ہیں)۔ میں مقدس قاف کا عنقا ہوں۔

از خلق ما سوایم و زامر ماورایم ‏ ‏ ‏ برتر ز کاف ونونم عنقائے قاف قدسم

میں ''خلق'' سے ماسوا اور ''امر'' سے ماورا ہوں۔ ''کاف ونون'' سے میں برتر ہوں۔ میں

مقدس قاف کا عنقا ہوں۔

(عالم خلق اور عالمِ امر: عالم دو ہیں، عالمِ خلق اور عالمِ امر۔ جیسا کہ اللہ پاک کا قول ہے۔ "الا لہ الخلق والامر"۔ عالم خلق قابل تقسیم ہے۔ اس کا تعلق انسان کے ظاہر سے ہے یعنی اجسامِ و اجساد، شکلیں اور صورتیں جو محسوس کی جاسکتی ہیں۔ دیکھی جاسکتی ہیں۔ وہ عالم جو موجد کے امر سے دفعتاً بے مادّہ وحدت کے موجود ہوگیا، عالمِ امر ہے۔ جو مادّہ اور مدت کے ساتھ مقید ہے، وہ عالمِ خلق ہے۔ عالمِ امر کا تعلق باطن اور روح سے ہے۔ اشیا کی ظاہری حیثیت سے ہٹ کر اشیا کی حقیقت عالمِ امر سے متعلق ہے۔

کاف اور نون: اس سے مراد حق کا ارادہ "کُن" ہے۔ جو لفظ "کُن" کے کاف اور نون کے درمیان محصور ہے۔

اللہ تعالیٰ کا امر ہی موجودات کی علت ہے۔ جو چیز نہ تھی، پھر ہوگئی۔ وہ امرِ الٰہی سے ہوتی ہے۔ وہ کسی چیز کی ایجاد کا ارادہ فرماتا ہے تو حکم دیتا ہے "کُن" یعنی ہو جا۔ اور وہ چیز موجود ہو جاتی ہے۔ اس کا ارادہ ہی اس کا "امر" ہے اور اس کا امر ہی کُن کا کہنا ہے اور اس کا کُن کہنا چیز کا ہو جانا ہے۔

کُن کا تعلق "فعل و انفعال" سے ہے۔ حضرت ذوقی شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جب عقل کو خدا کی وحدانیت کا ادراک ہوا تو اس نے دو نظریں کی۔ ایک کمال ابداع (یعنی پیدا کرنے کا کمال) کی جانب اور دوسری نقصِ حدوث (پیدا شدہ کے نقصان) کی جانب (انفعال: معنی الگ ہونا۔ جدا ہونا)۔ ان دونوں نظروں کے پیہم واقع ہونے سے فعل و انفعال ظاہر ہوئے۔ کیونکہ نقص و کمال ہی فعل و انفعال پر دلالت کرتے ہیں۔ یہی راز لفظ "کُن" میں مخفی ہے۔ "کاف" اس کمال کا محل ہے جو "فعل" میں رکھا ہوا ہے اور "نون" اس نقصان کا محل ہے جو انفعال میں رکھا ہوا ہے۔ یہی فعل و انفعال سب سے پہلی دو اصلیں جن سے تمام عالم وجود میں آیا۔ "فعل" خدائے عظیم و قدیر کی قدرت سے پیدا ہوا اور انفعال حادث کے قبول سے (سرِ دلبراں)۔

ن:۔ تمام صُورِ کونیہ میں حق تعالیٰ کی تجلی اسم ظاہر کے تحت میں یہ ایک اسمِ الٰہی ہے۔ مرتبہ ظاہر علم۔ علم اجمالی۔ بحرِ امکان جو اسائے کونی کا منشا ہے اور جملہ اسمائے کونی پر محیط ہے۔ ن مثل بحر کے ہے اور حقائق کونی مثل ان مچھلیوں کے ہیں، جنہوں نے اس بحر سے صورت

پکڑی۔ ''کُن'' کے تحت جو کچھ ہے سب ممکنات میں شامل ہے اسلئے بحرِ امکان ممکنات غیر متناہی کا وہ اجتماع ہے جسکی جانب قرآن پاک میں ''ن'' سے اشارہ کیا گیا ہے:

''نٓ۔ والقلم وما یسطرون'' (تبرِ دلبراں)

شعر میں مقام احدیت کا ذکر ہے۔ اس مقام پر امر۔ خلق یا ارادہ الٰہی یا کُن کچھ نہیں ہے۔ وہ سب سے مبرا اور منزہ ہے۔

بی نام و بی نشانم بی شرح و بی بیانم　　　از عقل بس برونم عنقائے قاف قدسم

میں بے نام و بے نشان ہوں۔ یہاں نہ میری شرح کی جا سکتی ہے۔ نہ میرا بیان کیا جا سکتا ہے۔ عقل و فہم سے ماورا ہوں۔ میں مقدس قاف کا عنقا ہوں۔

ہر چند در ظہورم نورِ ظلام و نورم　　　در پردۂ کمونم عنقائے قاف قدسم

حالانکہ میں ظہور کی حالت میں ہوں لیکن تاریکی کا نور بھی میں ہوں اور (روشنی) کا نور بھی میں ہوں (تاریکی اور روشنی دونوں میری شانیں ہیں)۔ میں پوشیدگی کے پردہ میں ہوں۔ میں مقدس قاف کا عنقا ہوں (کمون معنی پوشیدہ رہنا)۔

صدر ہمہ صدورم از وہم خلق دورم　　　خود باطن البطونم عنقائے قاف قدسم

میں تمام صدروں کا صدر (تمام اعلیٰ سے اعلیٰ) ہوں اور خلق کے خیال و وہم سے دور ہوں۔ خود بطون کا باطن ہوں۔ مقدس قاف کا عنقا ہوں۔

ہر قبلہ ہست رویم ہر سجدہ ہست سویم　　　معبود عابدونم عنقائے قاف قدسم

میرا چہرہ ہر ایک کا قبلہ ہے اور ہر سجدہ میری ہی جانب ہوتا ہے۔ میں خود ہی معبود ہوں اور خود ہی عابد ہوں۔ مقدس قاف کا عنقا ہوں۔

سلطانِ بے نیازم گو صورت نیازم　　　نشناسیم کہ چونم عنقائے قاف قدسم

میں بے نیاز سلطان ہوں گو کہ نیاز کی صورت ہوں میں نہیں پہچانتا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں۔ میں مقدس قاف کا عنقا ہوں۔

غزل

من آن نورم کہ اندر لا مکان موجود بودستم　　باشراق خودم خود شاہد و مشہود بودستم

میں وہ نور ہوں کہ لا مکاں میں بھی موجود تھا۔ اپنی ہی روشنی میں خود ہی شاہد (دیکھنے والا) ہوں اور خود ہی مشہود (دیکھا جانے والا) ہوں۔

(اشراق: طلوع آفتاب۔ روشن ہونا۔ حکمت۔ روشن ضمیری۔ تصفیہ باطن)

نہ از عالم بیانے بودونے آدم نشانے داشت　　کہ از نظارۂ حُسن خودم خشنود بودستم

نہ عالم کی زبان پر میرا کوئی ذکر تھا۔ نہ کسی شخص کو میرا پتہ تھا۔ بس میں خود اپنے حسن کی دید میں خوش تھا۔

بسیطم آن قدر شد منبسط از حب پیدائی　　کہ با یک نقطگی صد ہا خط ممدود بودستم

میں اس قدر وسیع و کشادہ ہوا کہ اپنے اظہار کی خواہش اور محبت میں سب کو اپنے احاطہ میں لے لیا۔ صرف ایک نقطہ سے صد ہا بڑے سے بڑے حروف بن گئے۔

(پہلے کسی شعر کی تشریح میں نقطہ کی اہمیت بیان کی گئی تھی۔ نقطہ عبارت کا وہ حصہ ہے جس میں کمی بیشی نہ ہو سکے جس کے اجزا نہ ہوسکیں۔ نقطہ خواہ بالذات نظر نہ آئے لیکن ہر حرف نقاط کے تسلسل سے بنتا ہے۔ ایک نقطہ دوسرے نقطہ سے واصل ہوتا جاتا ہے۔ اس طرح ایک حرف وجود میں آتا ہے۔ پھر انہیں حروف سے الفاظ، الفاظ سے جملے اور جملوں سے ایک ضخیم کتاب بنتی ہے۔ یعنی کوئی کتاب نقطہ سے باہر نہیں۔ دنیا میں کتابوں کا شمار کیا جائے تو گنتی کا اندازہ بھی مشکل ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو یہ تمام ذخیرہ ایک نقطہ کی جادوگری ہے۔ اسی طرح وہ نقطہ حقیقی ذات مطلق اپنی جگہ ہے لیکن اسماء و صفات۔ افعال و شیون کا ظہور بے شمار شکلوں میں ہو رہا ہے۔ جو ''کچھ نہیں'' وہی نقطہ ہے اور جو نقطہ ہے وہ کچھ نہیں۔ یعنی جو ''کچھ نہیں'' ہے'' وہی ہے'' اور جو'' کچھ ہے'' وہی ''کچھ نہیں'' ہے۔ وہی موجود۔ وہی معدوم۔ وہی معلوم وہی مجہول۔ وہی مثبت۔ وہی منفی۔ وہی کتاب۔ وہی کاتب۔ وہی ارض و سماوات کا نور۔ وہی جملہ موجودات کا ظہور۔ وہی ظاہر۔ وہی باطن۔ باوجود ھمہ ظہور مستور۔ باوجود نیست ہست۔ جہان دیکھو جس طرف نظر کرو وہی نقطہ وجود عیاں و نہاں، ظاہر و مستور ہے)۔

ہیولائے دو عالم مادہ ارواح و اشباحم　　　حریرِ جسم و جان راہچو تاروپود بودستم

دو عالم کی اصل۔ مادّہ۔ ارواح۔ اجسام سب میں ہوں۔ جسم و جان کے ریشمیں کپڑے کا تانا بانا میں ہوں۔(اشباح = جسم۔ بدن) + ہیولا = ہر چیز کا مادہ اور اصل

ز بہرِ رفعِ شرک و دفعِ وہم ہستی غیرے　　　بہ شکل انبیاؑ اولیا موجود بودستم

شرک کے رفع کرنے کیلئے اور غیریتِ ہستی کے وہم کو دور کرنے کیلئے میں انبیا اور اولیا کی شکل میں ہمیشہ موجود رہا ہوں۔

لباسِ بو البشر پوشیدہ مسجود ملک گشتم　　　بتصویرِ محمدؐ حامد و محمود بودستم

آدم کا لباس پہن کر فرشتوں کا مسجود بنا۔ میں ہی محمدؐ۔ حامد اور محمود کی شکل میں موجود رہا۔

گہے ادریسؑ گاہے شیثؑ گاہے نوحؑ گہ یونسؑ　　　گہے یوسفؑ گہے یعقوبؑ گاہے ہودؑ بودستم

کبھی ادریسؑ، کبھی شیثؑ، کبھی نوحؑ، کبھی یونسؑ، کبھی یوسفؑ، کبھی یعقوبؑ، کبھی ہودؑ کی شکل میں رہا۔

گہے صالحؑ گہے ابراہیمؑ گہے اسحٰقؑ گہے یحییٰؑ　　　گہے موسیٰؑ گہے عیسیٰؑ گہے داؤدؑ بودستم

کبھی صالحؑ، کبھی ابراہیمؑ، کبھی اسحٰقؑ، کبھی یحییٰؑ، کبھی موسیٰؑ، کبھی عیسیٰؑ، کبھی داؤدؑ کی شکل میں رہا۔

(اس میں یعنی تمام انبیاء کے شمار میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ دراصل نبوت اور رسالت ایک ہی ہے۔ اہلِ دنیا کی استعدادات کے مطابق انبیاء اپنے اپنے وقت میں آتے رہے۔ لیکن یہ دراصل رسالت محمدیؐ ہی ہے جس کا اختتام حضور ختمی مرتبت ﷺ پر ہوا)۔

برائے یک کساں امروز نقد وقت شاں گشتم　　　ز بہرِ دیگراں روز جزا موعود بودستم

کچھ لوگوں کے لئے میں نقد کی صورت میں وقت ہوں (یعنی جس کا صلہ فوراً نقد کی طرح مل جاتا ہے) اور بعض لوگوں کیلئے روز جزا (قیامت) کا وعدہ ہوں (جس کا صلہ روزِ حشر ملے گا)۔

بدریائے حقیقت بہرِ غواصانِ دریا دل　　　بہر عہدے و عصرے گوہرِ مقصود بودستم

دریا دل پیراکوں کے لئے دریائے حقیقت میں ہر زمانہ اور ہر عہد میں گوہرِ مقصود رہا ہوں (حقیقت کے سمندر میں موتی رہا ہوں)۔

نیاز اندر حقیقت لایزال ولم یزل ہستم　　　مگر با این تعین نیست وہم نابود بودستم

نیاز حقیقت میں تو میں لا یزال ولم یزل ہوں (یعنی کبھی فنا ہونے والا نہیں ہوں) لیکن اس تعین

(یعنی بشریت کے تعین) میں ''نیست'' ہوں اور فانی ہوں (بلحاظ اصل لافانی لیکن بحیثیت تعین فانی ہوں)۔

غزل

ای طالباں ای طالباں من باشما ہر جاستم ہم جلوہ گر در دید ہا ہم مضمر دلہا ستم

اے طلب کرنے والو۔ اے طلب کرنے والو میں تمہارے ساتھ ہر جگہ ہوں۔ تمام آنکھوں میں ظاہر بھی ہوں اور تمام دلوں میں چھپا ہوا بھی ہوں۔

(قرآن پاک کا ارشاد ہے'' وھومعکم اینما کنتم''۔ میں تمہارے ساتھ ہوں تم جہاں کہیں بھی ہو۔'' ھوالظاہروالباطن'' بھی اس کا ارشاد ہے یعنی میں ظاہر بھی ہوں اور باطن بھی ہوں۔'' وفی انفسکم افلاتبصرون'' یعنی میں تمہارے نفس کے اندر ہوں مگر تم نہیں دیکھتے، بھی اس کا قول ہے)۔

ایں دوری و مہجوریم از وہم و پندار شماست درنسبتِ خود با شما دریا و موج آساستم

میری دوری اور جدائی محض تمہارا وہم اور خیال ہے۔ ورنہ میری نسبت تمہارے ساتھ ایسی ہے جیسے سمندر اور موج۔ (سمندر اور اس کی لہروں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ لہر مٹتی ہے تو وہ عین سمندر ہو جاتی ہے)۔

ثابت ترم من از ہمہ بے آنکہ اثباتم کنند بے آنکہ استثنا کنند از جملہ مستثنا ستم

میں تمام (موجودات) میں سب سے زیادہ قائم اور برقرار رہنے والا ہوں۔ ان سے بھی زیادہ جو لوگ اسے تسلیم نہیں کرتے اور جو لوگ اس کا استثنا نہیں کرتے، ان سب سے میں مستثنیٰ ہوں۔

برعکس رسم ایں جہاں در پردہ بیباشم عیاں چند انکہ بی پردہ شوم در پردۂ اخفاستم

اس دنیا کے رسم و رواج کے برعکس میں پردہ میں رہنے کے باوجود عیاں رہتا ہوں اور جب میں بے پردہ ہوتا ہوں تو اخفا کے پردوں میں چھپا رہتا ہوں (اخفا: معنی پوشیدہ۔ چھپا ہوا)۔

ہم صورت نا سوتیم ہم معنی لاہو تیم! پنہان تر از پنہان وہم پیدا تر از پیدا ستم

میں (ظاہر میں) خلق کی صورت ہوں لیکن باطن میں حق ہوں۔ پنہاں سے زیادہ پنہاں اور ظاہر سے زیادہ ظاہر ہوں۔

(عالم ناسوت یعنی عالم اجسام۔ یہ مادی دنیا جو ہمیں نظر آتی ہے۔ لاہوت: مرتبہ ذات۔ حقیقت وحدت جو جمیع اشیاء میں جاری و ساری ہے)۔

در جلوۂ فرق آمدم از خلوتِ جمع شیون　　از انبساطِ نورِ خود بزمِ جہان آراستم

مختلف شانوں کی "جمع" کی خلوت سے میں "فرق" کی جلوت میں آیا ہوں۔ اپنے نور کے پھیلاؤ سے بزم جہاں کو آراستہ کیا ہے۔ (فرق اور جمع تصوف کی اصطلاحات ہیں۔ یہ دونوں اصطلاحات ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ "جمع" کا مطلب ہے کہ سالک صرف حق کا مشاہدہ کرے، خلق کو نہ دیکھے۔ "فرق" یہ ہے کہ خلق ہی کو دیکھے، حق کو نہ دیکھے)۔

ہر چند نبود غیر من در عالم نو و کہن　　در ذاتِ بحتِ خویشتن بر رتبۂ علیاستم

ہر چند کہ اس نئی اور پرانی دنیا میں میرا غیر کوئی نہیں ہے لیکن خود اپنی ذات بحت کی حیثیت میں میں بہت بلند مرتبہ پر ہوں۔

(بحت: معنی خالص۔ خالص ذات سے مراد ہے جہاں ذات تمام افعال و صفات سے مبرا ہے۔ جہاں وہ بے رنگ بے چون و چگون ہے)۔

با حسن خود در باختم من نردِ عشق و عاشقی　　ہم لیلیٰ و مجنوں منم ہم وامق و عذراستم

میں عشق و عاشقی کے کھیل میں باوجود اتنے حسن و جمال کے ہار گیا (خود اپنے حسن سے ہار گیا)۔ میں لیلیٰ و مجنوں بھی ہوں اور وامق و عذرا بھی ہوں۔

(در باختن: ہار جانا + نرد: شطرنج کا مقابلہ)

گہ شیخم اندر خانقہ گہ رندم اندر میکدہ　　گہ سبحہ و سجادہ ام گاہے می و میناستم

کبھی خانقاہ کے اندر عابد و زاہد (شیخ) ہوتا ہوں تو کبھی میکدہ میں رند ہوتا ہوں۔ کبھی تسبیح اور مصلّی ہوتا ہوں کبھی شراب و مینا ہوتا ہوں۔

ہم اول و آخر منم ہم ظاہر و باطن منم　　ہم عالم دنیا منم ہم نشاء عقبا ستم

میں اول بھی ہوں۔ آخر بھی ہوں۔ ظاہر بھی ہوں۔ باطن بھی ہوں۔ میں اس جہان کی دنیا بھی ہوں اور آخرت کی دنیا بھی ہوں۔ (نشاء = دنیا۔ جہاں)

گاہے نیاز ایمان من گہہ بی نیازی شان من　　این ہر دوی زیبد بمن ہم بندہ ہم مولاستم

کبھی نیاز میرا ایمان ہوتا ہے تو کبھی بے نیازی میری شان ہوتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں مجھے

زیب دیتی ہیں کیونکہ میں ہی بندہ ہوں اور میں ہی مولا ہوں۔

(جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے۔''میم'' پر ختم ہونے والی یہ تین چار غزلیں مقام ''احدیت'' کی نشاندہی کرتی ہیں۔ یہ غزلیں اعلیٰ شاعری کی عمدہ مثالیں ہیں۔محاسنِ شعری کے ساتھ معنویت کے لحاظ سے بلاغت کا بے مثال نمونہ ہیں۔ مقام احدیت مقام لاتعین ہے۔ اسے ہاہوت بھی کہتے ہیں۔ یہاں وہ تمام قیود وتعینات سے منزّہ اور صفات و اعتبارات سے مقدس محض ذات صرفہ وسادہ ہے۔حتیٰ کہ قیدِ اطلاق سے بھی مبّرا ہے۔

ان اشعار میں حضور قبلہؒ نے قربِ حق کا بھی بیان کیا ہے۔قرب بموجب احادیث دوطرح کا ہے۔(۱) قرب نوافل (۲) قرب فرائض۔قرب نوافل میں صفات بشریہ پر اوصاف الٰھیہ کا غلبہ ہوتا ہے اور صفات بشریہ زائل ہو جاتی ہیں۔ یہ قرب ایک حدیث سے ثابت ہے جو متفق علیہ حدیث ہے۔حدیث طویل ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندہ جب نوافل سے میرا قرب چاہتا ہے تو میں اس کو دوست بنالیتا ہوں پھر میں اس کی ساعت، بصارت، ہاتھ ، پاؤں، زبان سب ہو جاتا ہوں۔جس سے وہ سب کام کرتا ہے۔''قرب فرائض'' ذات میں عبد کی فنائیت کلی کو کہتے ہیں۔ اتنی فنائیت ہو جاتی ہے کہ سوائے ذات کے کچھ باقی نہیں رہتا۔اسکے متعلق بھی احادیث اور قرآنی آیات موجود ہیں۔

فنائیت سالک کی منزل نہیں ہوتی بلکہ اصل منزل'' بقا'' ہے۔ بقا کو حضرت مجدد الف ثانیؒ عبدیت کا نام دیتے ہیں جبکہ حضرت شیخ اکبرؒ اسے''جمع الجمع'' یا فرق بعد الجمع کہتے ہیں۔ حضور قبلہؒ نے اپنے کئی اشعار میں''فرق'' اور جمع کا ذکر کیا ہے۔ یہی عبدیت کا مقام ہے جسے قرآن پاک نے''عبدہ'' کہہ کر حضور سرور کائنات ﷺ کے اس قرب ذاتی اور انتہائے ارتباط کا اظہار کیا ہے جو آپ کو ذات احدیت سے ہے۔تفصیل کا یہ موقع نہیں لیکن اس ضمن میں چند اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں جن کا جاننا اس مکتبہ فکر کے طلبہ کیلئے ضروری ہے۔فنا فی اللہ۔ فناء الفنا۔ بقا باللہ۔فنا فی اللہ میں استغراق فی الذات کی وجہ سے سالک خودکو بلکہ ساری کائنات کو بھول جاتا ہے۔فناء الفنا میں محویت کی شدت کی وجہ سے وہ فنا کو بھی بھول جاتا ہے۔لیکن اسلام میں فنا آخری منزل نہیں ہے۔مغلوب الحال ہونا ظرف کی بلندی نہیں ہے۔فنا کے استغراق سے نکل کر بقا کی ہشیاری میں آنا اور تمام کاروبار دنیاوی اور عبادات و ریاضات میں مصروف ہونا اصل بلندی ہے۔یہی مقام عبدیت ،جمع الجمع ،مقام صحو اور مقام تمکین کہلاتا ہے۔

اس سفر سلوک میں تین منزلیں آتی ہیں۔

(۱) فرق (۲) جمع (۳) جمع الجمع۔

(۱) فرق یہ ہے کہ انسان صرف خلق کو دیکھے۔

(۲) جمع یہ ہے کہ سالک حق کا نظارہ کرے۔ خلق نظروں سے غائب ہو جائے یہ مرتبہ فنا فی اللہ کا ہے۔

(۳) جمع الجمع کا مطلب یہ ہے کہ خلق کو حق کے ساتھ دیکھے اور حق کو تمام موجودات میں مشاہدہ کرے۔ یہ مقام بقا باللہ ہے۔ یہی عروج بشریت کا انتہائی مقام ہے۔

غزل

تنہا نہ چاک زدبگر یبانم ایں چنیں   دستِ جنوں نمود بدامانم ایں چنیں

صرف میرا گریبان ہی اس طرح چاک نہیں ہوا ہے بلکہ دستِ جنون میرے دامن تک اسی طرح پہنچ گیا (دامن کو بھی اسی طرح چاک کر دیا)۔

گرلالہ زارنیست دِلم از ہجوم داغ   بارے کہ کرد رشک گلستانم ایں چنیں

داغوں کی کثرت سے میرا دل اگر لالہ زار نہیں ہے (تو کیا ہوا) لیکن آخرکار میرے رشکِ گلستاں (محبوب) نے یہ کام کر دیا۔

تیرے دگرزدستۂ مژگانش آرزوست   لذت چشیدہ ازلب پیکانم ایں چنیں

تیر کے لب (نوک) سے مجھے اتنی لذت مل چکی ہے کہ اب اسکی پلکوں کے ایک اور تیر کی آرزو ہے۔

واکردہ شانہ زلفِ گرہ گیر آں نگار   کاشفتہ روزگار و پریشانم ایں چنیں

کنگھی نے اس حسین کی زلفوں کو کھول دیا ہے (منتشر کر دیا ہے) اس کی وجہ سے میں اس قدر بدحال اور پریشان ہوں۔

نیسان شکستہ قدر و گہر مبتذل شود   ازکانِ دیدہ گر گہرا فشانم ایں چنیں

اگر میری آنکھ کے سرچشمہ سے اسی طرح موتی نکلتے رہے (یعنی آنسو بہتے رہے) تو نیساں برباد اور موتی بے قدر ہو جائیں گے۔

(نیساں: وہ بارش جس سے سیپی میں موتی پیدا ہوتے ہیں۔

مبتذل: بے قدر)

ای رشکِ شمع تا بشبستانم آمدی　　شد صرف سوختن بدل و جانم این چنیں

اے رشک شمع تا کہ تو میرے شبستاں (حرم سرا) میں آئے۔ میں اسی طرح دل و جان سے جلنے میں صرف ہو گیا (جلتا رہا)۔ (تا کہ روشنی رہے)

جمع دلست حاصلم از دوست ای رقیب　　روی کہ دیدہ ام کہ پریشانم این چنیں

اے رقیب محبوب کو سکون قلب حاصل ہو جائے یہ میرا مقصد ہے لیکن میں نے جو اس کا چہرہ دیکھا ہے اس کے بعد سے اسی قدر پریشان ہوں۔

دردِ مرا علاج شراب وصال تست　　بیدردِ من بساز تو درمانم این چنیں

میرے درد کا علاج تیرے وصل کی شراب ہے۔ اے بے درد اسی کے مطابق کر اور میرا علاج اسی طرح کر۔

ظالم ہلاک میشوم ایندم اگر شتاب　　کردی تو در کشیدن پیکانم این چنیں

ظالم اگر تو نے میرا تیر نکالنے میں اسی طرح جلدی کی تو میں اسی دم ہلاک ہو جاؤں گا۔

تا داغِ شب چراغ دلم ماہتاب گشت　　شد لیلۃ البرات بکا شانم این چنیں

جب میرے دل کے شب چراغ کا داغ ماہتاب ہو گیا تو میرے گھر میں اس طرح شب برات ہو گئی۔ (شب چراغ: رات کو چراغ کی طرح چمکنے والا موتی)

دارم بطبع میل سخن سنجی اے نیاز　　خواہم کہ یک دو شعر دگر خوانم این چنیں

اے نیاز سخن سنجی کی طرف طبعیت کا میلان ہے۔ چاہتا ہوں کہ دو ایک شعر اسی طرح اور پڑھوں۔

غزل

محوِ نظارۂ رُخ جانا نم این چنیں　　آئینہ واردیدۂ حیرانم این چنیں

محبوب کے چہرہ کے نظارہ میں جس قدر محو ہوں اسی قدر میں حیران آنکھوں کا آئینہ دار ہو گیا ہوں (آنکھیں حیران ہیں)۔

میسوزی آں چناں کہ نہ دودے نہ شعلہ　　　　بس بس مسوز آتش پنہانم ایں چنیں

تو مجھے اس قدر جلاتا ہے کہ نہ کہیں دھواں ہوتا ہے نہ شعلہ۔ اب بس کر مجھے چھپی ہوئی آگ سے اس قدر مت جلا۔

دولاب چرخ میشود آخر غریق آب　　　　گر ہست سیل دیدۂ گریانم ایں چنیں

اگر میری روتی ہوئی آنکھوں کا سیلاب اسی طرح رہا تو آسمان کا دولاب آخر غرق ہو جائے گا۔

(دولاب: شراب یا پانی کا گھڑا۔ رہٹ کنوئیں کی چرخی)

یارب روان زنشتر مژگانِ کیست ایں　　　　فوارۂ رواں زرگ جانم ایں چنیں

یارب یہ کس کی مژگاں (پلکوں) کے تیر کے زخم سے میری رگِ جاں سے اس قدر خون کا فوارہ جاری ہے۔

تا بستہ ام خیال رُخ و زلف آں نگار　　　　حیرانم ایں چنیں و پریشانم ایں چنیں

اس حسین کے رخ و زلف کے خیال سے جب تک میں وابستہ ہوں اسی قدر حیران ہوں اور اسی قدر پریشان ہوں۔

لب خشک و تشنہ کام و جگر تفتہ ام ہنوز　　　　حالانکہ غرق قلزم عرفانم ایں چنیں

اب تک میرے ہونٹ خشک ہیں۔ پیاس سے بے تاب ہوں۔ جگر جل رہا ہے۔ حالانکہ اسی قدر میں اپنے عرفان کے سمندر میں غرق ہوں۔

کو دانشم کہ بود حصول تمام عمر　　　　یک جذبۂ تو ساختہ نادانم ایں چنیں

یہ کون سی دانش مندی ہے کہ تیرے ایک بناوٹی جذبہ کو میں نے اپنی تمام عمر کا ماحصل سمجھ لیا۔ میں بھی کتنا نادان ہوں۔

بی گریہ سوختہ گشتم و با گریہ آب برد　　　　گہ بی نم آں چنانم و گہ بانم ایں چنیں

بغیر آنسو بہائے میں جل کر سوکھ گیا اور آنسو جب بہائے تو پانی ہی پانی ہو گیا۔ کبھی اس طرح میں خشک ہو جاتا ہوں کبھی اس طرح تر۔

زین پیشتر تو من بدی الحال من توام　　　　بود از برای شکر تو شایانم ایں چنیں

اس سے پہلے ''تو'' میں اور اب ''میں'' تو ہوں۔ تیرا شکر گزار ہونے کا یہی تقاضہ تھا۔

(یہ "شغل غوثیہ" کی طرف بھی اشارہ ہے۔ شب معراج حضور سرور کونینؐ کو یہ شغل حق کی طرف سے عطا ہوا تھا۔ آپؐ سے یہ شغل بطور خاص حضور غوث پاکؓ کو پہنچا۔ چنانچہ سلوک قادریہ میں یہ شغل رائج ہے۔ لیکن اب بھی یہ شغل خاص لوگوں کو بتایا جاتا ہے۔ عمومی تعلیم اس کی نہیں دی جاتی۔)

مضمون آہ و نالۂ موزوں بخاطر است　　خواہم نمود مطلع دیوانم ایں چنیں

طبعیت میں غم و الم کے مضامین موزوں ہو رہے ہیں۔ چاہتا ہوں کہ اپنے دیوان کا عنوان اسی انداز کا ہو۔

دودِ من اے نیازؔ بروے نمی رسد　　در مجمرِ سپہر سپندانم ایں چنیں

اے نیازؔ میرا دھواں منہ تک نہیں پہنچتا۔ آسمان کے عود دان میں اس طرح کا اسپند (خاص قسم کے دانے جس کو جلانے سے دھواں نکلتا ہے) ہوں۔

غزل

خدارا اے صبا بگذر بسوے خاکسار من　　ببر در کوے آں جاناں ایں مشتِ غبار من

اے صبا خدارا کبھی مجھ خاکسار کی طرف بھی گزر اور اس محبوب کی گلی کے در تک میری مشتِ غبار کو لے جا (مٹھی بھر خاک کو لے جا)۔

نقاب از رُخ بر اندازی قیامت پردہ دار من　　قیامت ساز کن امروز مپسند انتظار من

نقاب اپنے چہرہ سے اٹھا دے کہ قیامت میری پردہ دار ہے۔ قیامت آج ہی برپا کر دے۔ میرا انتظار مت گوارا کر۔

(روز قیامت دیدار کا وعدہ کیا گیا ہے۔ قیامت تک کا وقت گویا ایک پردہ ہے کہ مجھے اُس وقت تک دیدار نصیب نہیں ہو سکتا۔ اگر آج ہی قیامت بپا کر دے تو یہ پردہ اٹھ جائے گا اور دیدار نصیب ہو جائے گا)۔

کہ آمد در دیار من کہ شد تو دور تر از من　　چہ شد اے بیقرار من کہ شد صبر و قرار من

میرے دیار (ملک) میں کون آ گیا کہ تو مجھ سے زیادہ دور ہو گیا۔ اے میرے بے قرار کیا ہو گیا کہ تو ہی میرا صبر و قرار ہو گیا۔

زجیب ودامنم دستِ جنوں نگذاشت یکتارے   بروائے بخیہ گر مشفق چہ خواہی کرد کار من

دستِ جنون نے میرے جیب و دامن میں ایک تار بھی سلامت نہیں چھوڑا اے مہربان بخیہ گر اب تو جا میرا کیا کام کرے گا۔

نمیکردی تو اول ذبح ایں صید زبونم را   اگر در شانِ فتراکت شکست آرد شکار من

اگر میرا شکار تیرے تیر کی شان سے شکست مان لے تو اس بد حال شکار کو تو پہلے ذبح نہ کرے۔

مکن اوراق اجزائے حیاتم درہم و برہم   مدہ برباد اے ظالم کتاب مستعار من

میری حیات کی کتاب کے اجزا کو درہم برہم نہ کر۔ ظالم میری اس چند روزہ زندگی کو برباد مت کر۔ (میری اس ادھار لی ہوئی کتاب کو برباد نہ کر)

بدلق فقر شاہی میکنم از خوبی طالع   نہ جم دارد نہ کے این طالعِ گردوں سوار من

قسمت کی خوبی سے اس فقر کے گدڑی میں میں شاہی کرتا ہوں۔ میری فلک زدہ قسمت کے پاس نہ جام جم ہے نہ شاہی۔

بعیاری قسم اے یار عیارم مکن پنہاں   کہ بود ایں ہمکنار من کہ دل برد از کنار من

تیری شوخی کی قسم اے میرے شوخ مزاج دوست مجھ سے مت چھپا کہ وہی جو میری آغوش میں تھا، میرا دل میرے پہلو سے لے گیا۔

زبس محوِ خیالت دردل شب ہای تاریکم   سویدِ قلب شد تاریکی شب ہائے تار من

میں اپنے دل کی تاریک راتوں میں تیرے خیال میں اس قدر محو تھا کہ میری تاریک راتوں کی تاریکی قلب کا سیاہ نقطہ ہوگئی۔

(سویدا: وہ سیاہ نقطہ جو قلب میں ہوتا ہے۔ تصوف میں ''سواد اعظم'' وہ مقام ہے جہاں وہ سب کچھ بطور اجمال موجود ہے جو تمام موجودات میں مفصل طور پر ہے نہایتِ انوار کو کہتے ہیں)۔

بکام دیدہ ام صہبائے دیدارے نمیریزی   نمیدانی مگر گردوں خمار انتظار من

تو میری آنکھوں کے کام و زبان پر اپنے دیدار کی شراب نہیں انڈیلتا۔ آسمان شاید میرے انتظار کے شدید نشہ کو نہیں جانتا (انتظار میں بھی اتنا نشہ ہے کہ دیدار کا نشہ نہ بھی ملے تو کوئی حرج نہیں)۔

نیازؔ اعجاز عشقست ایں سخن سنجی و خوشگوئی   وگرنہ شعر بے لغزش کجا کو بیقرار من

نیازؔ میری یہ سخن سنجی اور خوش گوئی عشق کا اعجاز ہے۔ ورنہ کہاں یہ بے عیب شاعری اور کہاں مجھ ایسا بے قرار۔

غزل

گلے نشگفت جز داغ جگر بر شاخسارِ من   بہار سوختن پیداست اندر لالہ زارِ من

میری شاخوں پر سوائے داغ جگر کے کوئی پھول نہیں کھلا۔ میرے لالہ زار (باغ) میں شعلوں کی بہار نظر آ رہی ہے (ہر طرف آگ لگی ہے)۔

جنون بر خویشتن ناز دز جیب تار تار من   مغیلاں بر خودش بالدز پائے خار خار من

میرے تار تار (پھٹے ہوئے) دامن پر جنون کو اپنے اوپر ناز ہے۔ میرے زخمی پیروں سے کانٹوں بھرے درخت بالیدگی پاتے ہیں (بڑھتے ہیں)۔

(مغیلاں: خاردار درخت مثل ببول۔ کیکر)

نبا شد خالی از جولانگری گرد و غبارِ من   نمایاں زیں میاں میگرد و آخر شہسوار من

میری گرد و غبار پھرتی اور تیزی سے خالی نہیں ہے آخر اسی گرد و غبار کے درمیان میرا شہسوار نمایاں نظر آتا ہے۔

نروید در زمینِ سینہ ام جز دانۂ عشقت   ز خونناب دلم سر سبز گردد کشتکار من

میرے سینہ کی زمین پر عشق کے بیج کے علاوہ کچھ نہیں اُگتا۔ میری کھیتی میرے دل کے خون سے سرسبز ہوتی ہے۔

گہے گریم گہے خندم گہے اُفتم گہے خیزم   بیک حالت قرارم نہ چہ شد ای بیقرار من

کبھی روتا ہوں۔ کبھی ہنستا ہوں۔ کبھی گرتا ہوں۔ کبھی اٹھتا ہوں۔ ایک حالت پر قرار نہیں۔ اے میرے بے قرار تجھے کیا ہوگیا ہے۔

من از مسجد بہ میخانہ نہ از خود میر دم یاراں   کہ در دستم نماند ایندم عنان اختیار من

دوستو میں مسجد سے میخانہ خود اپنی مرضی سے نہیں جاتا ہوں کیونکہ اپنے اختیار کی لگام اب میرے

ہاتھ میں نہیں ہے۔

گہ از زلفت پریشانم گہ از روئے تو حیرانم   ہمیں کفر است و ایمانم ہمیں لیل و نہار من

کبھی تیری زلفوں سے پریشان ہوتا ہوں۔ کبھی تیرے چہرے کو دیکھ کر حیران ہوتا ہوں۔ یہی میرا کفر و ایمان ہے اور یہی میرے شب و روز ہیں۔

(تاریکی اور روشنی۔ رات اور دن۔ زلف و رخ۔ کفر و ایمان۔ جلال و جمال۔ بطون و ظہور یعنی اندھیرے اور روشنی کے مترادف الفاظ سب ہم معنی سمجھے جاتے ہیں۔ اس کا تفصیلی ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰۶) زلف شب تاریک یعنی ظلمت ہے چہرہ روزِ روشن یعنی نورِ ایمان ہے۔)

نہ آہ و نالہ تنہا دارم اندر عشق بازیہا   تماشائے دگر ہم دارد ایں آئینہ دار من

عشق بازی میں تنہا میں ہی آہ و نالہ میں مصروف نہیں ہوں بلکہ دوسروں کا بھی یہ تماشہ میرے آئینہ میں نظر آتا ہے۔

بہر صید زبونے چشم دامم وانمیگردد   بصحرائیکہ میگردم بود عنقا شکار من

میرے جال کی آنکھ ہر برے بھلے شکار کیلئے نہیں کھلتی۔ میں جس صحرا میں جاتا ہوں وہاں عنقا میرا شکار ہوتا ہے۔ (عنقا: نایاب پرندہ جسکا وجود نہیں ہے)

جہاں با کثرتِ خود جب وحدت نقطۂ صفرست   حسابے دیگرے باید بمفتوح شمار من

دنیا باوجود اپنی کثرت کے وحدت کے پہلو میں ایک صفر کے نقطہ کے برابر ہے۔ میری جیتی ہوئی گنتی کے لئے کوئی دوسرا ہی حساب چاہیئے۔

نیاز از من مجواز بہر درد یار درمانے   کہ نبود ہیچ شی جز درد یار اندر دیارِ من

نیاز یار کے لئے میرے درد کا علاج مجھ سے مت طلب کر کہ ہمارے دیار میں یار کے درد کے علاوہ دوسری کوئی چیز نہیں ہے۔

غزل

دی خراماں میگذشت آں یار خوش رفتار من   با اداؤ ناز و شوخی از سر بازار من

کل وہ خوش رفتار محبوب میرے بازار سے بہت ناز و ادا اور شوخی کے ساتھ خراماں خراماں گزر رہا تھا۔

چوں نقاب زلفِ مشکیں از رُخ عارض فگند شد جہاں دیوانۂ روی پری رخسارِ من

جب اس نے اپنے چہرہ سے سیاہ زلفوں کی نقاب الٹی تو پوری دنیا میرے اس پری چہرہ کے رخ کی دیوانی ہو گئی۔

خرمنِ جان جہاں را سوخت او مانند برق از نگاہ ما گذر کرد آں بُتِ عیارِ من

دنیا کے خرمنِ جان کو اس نے بجلی کی طرح جلا دیا۔(اور بجلی ہی کی سی سرعت سے) شوخ مزاج بُت ہماری آنکھوں کے سامنے سے گزر گیا۔(عیار=شوخ مزاج)

بسکہ در عشقش شدم از کفر واز ایماں بری رشتۂ جانم گسست از سبحۂ و زنارِ من

میں نے اس کے عشق کی شدت میں کفر سے بھی چھٹکارا حاصل کر لیا اور ایمان سے بھی نجات حاصل کر لی۔ اس طرح تسبیح و زنار سے میری جان کا رشتہ ٹوٹ گیا۔

عشق اسلامست و دینم عشق درمانست و درد عشق غمخوارست و مونس عشق یارِ غارِ من

عشق میرا اسلام اور دین ہے۔ عشق میرا علاج اور درد ہے۔ عشق میرا غم خوار اور مونس ہے۔ عشق میرا یار غار (گہرا دوست) ہے۔

دولتِ شاہی ز چشمِ اشکبارم شد حصول دامن فقرم پراست از گوہرِ شہوارِ من

اپنی چشمِ اشک بار (آنسو بہاتی ہوئی آنکھ) سے مجھے دولتِ شاہی حاصل ہو گئی۔ مجھ فقیر کا دامن اپنے شاہوں کے قابل موتیوں سے بھرا ہوا ہے۔(یعنی آنسوؤں سے)

از خیال جورِ او خونِ دلم شد رشکِ مشک در نگہدار اے نیاؔز ایں نافۂ تا تارِ من

اس کے ظلم کے خیال سے میرے دل کا خون مشک کی خوشبو سے زیادہ خوشبو دار ہو گیا۔ اے نیاز اپنے اس نافۂ تا تار کی حفاظت کر۔

(نافۂ تا تار: تا تاری ہرن کے پیٹ کی تھیلی جس میں مشک رہتا ہے)

غزل

دی در آمد بر سرم آں ساقی سرشارِ من از نگاہ مست او دیوانہ شد ہشیارِ من

کل وہ مست ساقی میرے پاس آیا۔ اس کی مست آنکھوں سے میں ہوشیار دیوانہ ہو گیا۔

می نہم پا جاے سر سر جاے پا از بیخودی　　ہوشمندانم چہ می پرسند از رفتارِ من

بے خودی کی حالت میں میں سر کی جگہ پیر اور پیر کی جگہ سر رکھتا ہوں۔ میرے ہوشمند لوگ میری چال کے متعلق کیوں پوچھتے ہیں۔

از خروش و جوش مستی بر سرم اے دوستاں　　نیست جز دیوانگی کارِ دگر در کارِ من

اے دوستو مستی کا جوش و خروش میرے سر میں اتنا سمایا ہے کہ میرے کاروبارِ حیات میں سوائے دیوانگی کے کوئی کام نہیں ہے۔

دین و اسلام فدائے ساقیِ سرمست گشت　　شد برہن جام و صہبا جبہ و دستارِ من

میرا دین و اسلام سب اس مست ساقی پر فدا ہو گیا۔ اور میرا جُبہ و دستار شراب و جام کے عوض رہن رکھا ہوا ہے۔

خواب چشم و راحتِ جان و قرار و صبر و دل　　رفتہ اندر طرفۃ العین از من ایں ہر چار من

آنکھوں کی نیند، جان کی راحت اور دل کا صبر و قرار ایک لمحہ میں یہ چاروں چیزیں مجھ سے رخصت ہو گئیں۔

جز مقام عشق آہنگے ندارد بلبلم　　بر نیاید جز نوائے سوز از منقارِ من

میری بلبل کو سوائے نغمۂ عشق کے کوئی نغمہ نہیں آتا۔ میری منقار (چونچ) سے سوائے سوز اور غم کی لے کے کوئی آواز نہیں نکلتی۔

کار فرما شد جنوں در ملک جانم اے نیازؔ　　سخت دشوارست بارِ عقل در دربارِ من

اے نیازؔ میری زندگی کے ملک میں جنون کی حکومت قائم ہو گئی ہے۔ اب میرے دربار میں عقل کا عمل دخل بہت مشکل ہے۔

(بقول اقبال ؎　خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں　　مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر)

غزل

سِرِّ حق پنہا نست اندر معنی اسرارِ من　　ظاہرش پیداست اندر صورت اظہارِ من

میرے اسرار کے معنی میں حق کے اسرار چھپے ہوئے ہیں۔ اس کا ظاہر میری صورت کے اظہار سے ظاہر ہے یعنی (میری صورت کی شکل میں وہ خود ظاہر ہے۔)

(حضور غوث پاکؒ کے الہامات میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''الانسان سری و انا سرہ'' یعنی انسان میرا بھید ہے اور میں انسان کا بھید ہوں۔ ایک حدیث ہے ''خلق آدم علیٰ صورتہٖ'' یعنی آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اس شعر میں یہ دونوں مفہوم شامل ہیں) خلق آدم علیٰ صورتہٖ (صحیح مسلم بروایت ابو ہریرہ)

از محیطم نقطۂ مرکز بود اقلیم ملک   چشم دل بکشا و بنگر وسعتِ پرکار من

میرے دائرے کا مرکزی نقطہ یہ کائنات ہے۔ دل کی آنکھ کھول اور میرے پرکار کی وسعت کو دیکھ۔

(پرکار کا استعمال جیومیٹری میں ہوتا ہے۔ پرکار کا ایک سرا مرکز پر رکھ کر دائرہ کھینچا جاتا ہے۔ مرکزی نقطہ کے چاروں طرف ایک گول دائرہ بن جاتا ہے۔ وہ دائرہ مرکزی نقطہ کو اپنے گھیرے میں لے لیتا ہے۔ اس شعر میں کہا گیا ہے کہ اس عالم کو اگر مرکزی نقطہ تصور کیا جائے تو ظاہر ہے کہ اس کا دائرہ کتنا بڑا ہوگا۔ انسان ایسا مرکزی نقطہ ہے جو سارے عالم پر چھایا ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان حق کا مظہر خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وھو علیٰ کل شیٔ محیط''۔ میں ہر چیز پر محیط ہوں۔ یعنی پوری کائنات کو ایک نقطہ سمجھ لیا جائے تو اس کے ہر طرف حق چھایا ہوا ہے۔ کائنات کی کوئی شے اس کے احاطہ سے باہر نہیں ہے)۔

نورِ ذاتش بردلم ہر دم تجلی میکند   تابِ دیگر میدہد ہر شعلۂ دیدار من

اس ذات کا نور میرے دل پر ہر لمحہ تجلی کرتا رہتا ہے۔ دیدار کا ہر شعلہ ایک نئی چمک دیتا ہے۔

(اس شعر میں ''تجدد امثال'' کا ذکر ہے۔ جس کا ذکر پچھلے کئی اشعار کی تشریح میں کیا جا چکا ہے۔ یعنی ہر آن اس کی نئی تجلی ہوتی ہے جو دوبارہ پھر کبھی نہیں ہوتی)۔

در بنای ہستیم از نیستی مستحکمے ست   وز شکست در یختن شد پستی دیوارِ من

میری ہستی کی بنیاد نیستی سے مضبوط ہوئی ہے۔ دیوار کے گرنے کا سبب اس کی ٹوٹ پھوٹ ہے۔

(انسان جب تک ''نیست'' نہیں ہو جاتا یعنی اس کی خودی نہیں مٹ جاتی وہ ''ہست'' نہیں ہو سکتا۔ جب تک میرا تشخص اور تعین باقی ہے۔ میں ''موجود'' نہیں ہوں۔ تعینات کو مٹانے کے بعد مجھے حقیقی وجود ملتا ہے)۔

اے مسلماں کفر باشد جزو لاینفک عشق   زیں جہت در عاشقی شد کافری درکار من

اے مسلمان کفر عشق کا ضروری عنصر ہے۔ اسی لئے کارِ عاشقی میں کافری میرا طریقہ ہے۔

(۱) کفر معنی چھپانا بھی ہیں۔ اس طرح شعر کا مطلب ہوا کہ عشق کو آشکار کرنا یا ظاہر کرنا رسم

عاشقی کے خلاف ہے۔ اس کو پوشیدہ رکھنا ہی صحیح عشق ہے۔

(۲) کفر اسمائے جلالی کے تحت آتا ہے۔ کفر دو قسم کا ہے۔

(الف) کفر حقیقی (ب) کفر مجازی

(الف) کفر حقیقی: سالک کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ ذات اور صفات الگ نہیں ہیں۔ صفات عین ذات ہیں۔ ذات حق کو ہر جگہ دیکھنا۔ بجز ذات حق کے کسی چیز کو موجود نہ جاننا۔ وحدت میں یک رنگ ہو کر ماسویٰ سے پاک ہو جانا کفر حقیقی ہے۔ تفرقہ ظلمت ہے تاریکی ہے۔ یہ بھی کفر کے زمرہ میں آتا ہے۔ بحر احدیت میں کثرات اور تعینات فنا ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ اپنی ذات الٰہی میں گم کر دینا یہی تفرقہ کی تاریکی سے نکلنا ہے۔

(ب) کفر مجازی: عام معنی جو کفر کے لئے جاتے ہیں، یہی ہے۔ مراد گمراہی اور ذاتِ حق کی نا شکری ہے۔

زاہد از سرِ سواد الوجہ من آگہہ نہ نیست در فہم تو رمز قشقہ و زنار من

اے زاہد تو میرے سوادالوجہ (میرے چہرہ کے سیاہ دھبہ) کے راز سے واقف نہیں۔ تیری سمجھ میں میرے قشقہ اور زنار کا مفہوم نہیں ہے۔

(قشقہ: ٹیکہ جو ماتھے پر ہندو لگاتے ہیں۔

زنار: وہ دھاگہ جو ہندو اپنے گلے میں پہنتے ہیں)

(سوادالوجہ بھی تصوف کی ایک اصطلاح ہے جو فقرِ حقیقی کے معنی میں استعمال ہوتی ہے۔ فقر عبارت ہے فنا فی اللہ سے۔ سالک جب فانی فی اللہ ہوتا ہے تو وہ ظاہر و باطن نیز دنیا و آخرت سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ یعنی دارین اس کیلئے تاریک ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ''سوادالوجہ'' اس کیلئے سواد اعظم بن جاتا ہے۔ سواد اعظم وہ مرتبہ ہے جس میں سالک جو چاہتا ہے، پاتا ہے۔ وہ سب کچھ جو تمام موجودات میں مفصل ہے یہاں بطریق اجمال موجود ہے۔ اسے ''شب یلدا'' بھی کہتے ہیں۔ ''سر دلبراں'') (لغت کے لحاظ سے سواد کے معنی سیاہ اور وجہ کے معنی چہرہ کے ہیں)

طوطیِ دستانسرا اے شوق و ذوقم اے نیاز نشنوی جز نالۂ جانسوز از منقار من

داستان سنانے والا طوطی اے نیاز خود میرا ذوق و شوق ہے۔ میری زباں سے (چونچ سے) سوائے جاں سوز (جان کو جلانے والے) نالوں کے تو کچھ نہیں سنے گا۔

غزل

نیست جز آہنگِ عشق آواز موسیقار من　　　ربّ اَرِنی می نوازد بربطِ ھرتار من

میرے موسیقار کی آواز سوائے عشق کے نغمہ کے کچھ نہیں۔ میرے بربط کے ہر تار سے ''رب ارنی'' کا راگ نکلتا ہے (''رب ارنی'' یارب مجھے اپنا دیدار کرا)۔

بسکہ ہستم سایہ پرور زیر بال مہریار　　　یمن میگیرد ہُما از سایۂ دیوار من

میں اپنے سورج ایسے محبوب کے پروں کے سایہ میں رہتا ہوں اور دوسروں کو بھی سایہ بخشتا ہوں۔ حتیٰ کہ ''ھما'' بھی میرے دیوار کے سایہ سے فیض و برکت حاصل کرتا ہے۔

یمن (پیش کے ساتھ) = برکت۔ ترقی۔ زیادتی + یَمن (زبر کے ساتھ) = مبارک ہونا۔ نیک ہونا۔

(''ھما'' ایک فرضی پرندہ جس کو بہت مبارک سمجھا جاتا ہے۔ جس کے سر پر وہ بیٹھ جائے وہ بادشاہ ہوتا ہے)

ای نسیم گلشنی ہاں سوئ دُکانم بیا　　　تارساند درمشامت بوے جاں عطّارِ من

اے میرے باغ کی ہوا میری دکان پر بھی آتا کہ میرا عطار جان کی خوشبو تیری ناک تک پہنچا سکے۔

حُسنِ خوباں بہرحق بینی مثال عینک ست　　　میدہد بینائی اندر دیدۂ نظّارِ من

حسینوں کا حسن حق کو دیکھنے کے لئے مثل عینک کے ہے کہ میری دیکھنے والی آنکھ کو وہ بینائی بخشتا ہے۔ (نظار = دیکھنے والا)

(حدیث ہے ''اللہ جمیل ویحب الجمال'' (مسلم ترمذی عن ابن مسعود) یعنی اللہ حسین ہے اور حسن کو پسند کرتا ہے۔ ہر شے اس کی مظہر ہے۔ اسی کا حسن ہے جو ہر جگہ جلوہ گر ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ انسان محض صورت یا شے میں نہ الجھے۔ حقیقت کو دیکھے۔ اس کی ہر بات میں حسن ہے۔ ہر ادا دلکش ہے۔ موجودات کی صورتوں میں سے ہر صورت اس کے حسن کی تصویر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وجود مع اپنے کمال کے ایک صورت حسنہ ہے۔ برائی یا بدصورتی ایک اعتباری چیز ہے ورنہ بالذات کوئی چیز بری یا بدشکل نہیں ہوتی۔ سوائے حسن مطلق کے کسی چیز کا وجود نہیں)۔

آمد اندر ملکِ جاں برتختِ دل سلطان عشق　　　حاکم عقلم بدر شد از سرِ ہشیارِ من)

جان کے ملک میں سلطان عشق جب تخت دل پر جلوہ افروز ہوا تو میرے ذہین دماغ سے میری عقل کا حاکم باہر چلا گیا۔

(کئی اشعار میں اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے کہ جب دل کا معاملہ ہوتا ہے تو عقل بے بس ہو جاتی ہے۔ عشق جب دل پر قابض ہوتا ہے تو عقل کا گزر وہاں نہیں ہوتا۔ یعنی محبوب تک پہنچنے کا ذریعہ ذوق و وجدان ہے۔ دلائل و براہین سے حقیقت کی یافت ممکن نہیں۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　　عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

ہمچو دریائے محیط ایں قطرہ ام شد موجزن　　　چوں بخود غرقم نمود آں قلزمِ زخارِ من

میں ایک قطرہ بحرِ بے کراں کی طرح موجیں مارنے لگا اُس وقت جب میرے اس بحرِ بے کراں نے مجھے اپنے میں غرق کر لیا۔

(بقول غالب عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا۔ قطرہ جب تک قطرہ ہے وہ قطرہ ہے۔ لیکن سمندر میں مل کر وہ عین سمندر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عبد جب تک بشر کے تعین میں ہے، وہ بشر ہے لیکن جب تعینات کو دور کر کے وہ فنا فی الحق ہو جاتا ہے تو عین حق ہو جاتا ہے)۔

کرد ما رابی نیاز آن قبلۂ اہلِ نیاز　　　لطف فرماشد باحوالِ دل افگارِ من

اس اہلِ نیاز کے قبلہ نے مجھے بے نیاز کر دیا۔ میرے زخمی دل کی حالت پر اس نے اتنا کرم فرمایا۔

غزل

اسیرِ عشق مفتونست و مجنون　　　حریق قلبہ و النار مکنون

گرفتارِ عشق (محبوب پر) فریفتہ اور اس کے عشق میں مجنوں (پاگل) ہے۔ دل جلا ہوا ہے اور اندر آگ بھری ہوئی ہے۔

(قلبہ بیماری کو بھی کہتے ہیں یعنی (عشق کی) بیماری سے جلا ہوا ہے۔)

نمیداند طبیب آزارِ مارا　　　وما یحویہ منھاج و قانون

طبیب ہماری بیماری کو نہیں جانتا۔ یہ راستے اور قاعدے قانون اس کے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

نہ ما تردامنیم اندر نظارہ　　　بری نفسنا عما یظنون

اس کو دیکھنے میں میں گنہگار نہیں ہوں (کسی گناہ کا خیال نہیں ہے)۔ اس کے خیال میں میرے نفس کو دخل نہیں ہے۔

شہید اکبرست ایں کشتۂ عشق وما للزھد والتقویٰ بممنون

وہ عشق کا مارا ہوا شہید اکبر ہے۔ وہ زہد وتقویٰ کا احسان مند نہیں ہے۔

بیا جاناں بنعشم لطف فرما حضور الحی علی الاموات مسنون

اے میرے محبوب میری لاش پر آ کر مجھ پر مہربانی کر۔ زندوں کا مُردوں کے پاس جانا سنت ہے۔

نیاز اندر خمار ست اے دریغا وخمر الدن مملو و مدنون

نیاؔز نشے میں (مدہوش) ہے اور افسوس کہ شراب کے مٹکے بھرے ہوئے ہیں اور قریب ہیں۔
(نشہ اور مدہوشی کی وجہ سے شراب پی نہیں سکتا۔)

غزل

مریض العشق مفتون و مجنون سکوب عینہ و القلب محزون

مریض عشق (محبوب پر) فریفتہ اور (اسکے عشق میں) مجنوں ہے۔ آنسو جاری ہیں اور دل غمگین ہے۔

نجی محبوسہ من کل حَبْس فما مسجون ہذا السجن مسجون

قیدی نے ہر قید سے نجات پائی۔ پس اس قید میں قید شدہ قیدی دراصل قیدی نہیں ہے۔

ومن یعلم تداویہ سوی الحسن فیخطی تبۃ فیہ فلاطون

اگر کوئی شخص سوائے حسن خلق کے کسی اور چیز کو بہتر دوا سمجھتا ہے تو وہ خطا پر ہے خواہ وہ افلاطون ہی کیوں ہو۔

الایاصاحب الوجہ الحسین تعالیٰ حبنا عما یقولون

اے حسین چہرے والے میری محبت اس سے کہیں زیادہ بلند ہے جتنا کہ لوگ کہتے ہیں۔

ترحم والتفت نحو العشوق فان باعدت عنہ مات مجنون

(اے محبوب) اپنے عاشق پر رحم فرما اور اس کی طرف توجہ کر اگر تو اس سے دور ہوا تو وہ مجنوں (پاگل) مرجائے گا۔

بلاء العشق یا امی بلاء والان المصائب فیہ مشون

عشق کی مصیبت (آزمائش) تمام مصیبتوں (آزمائشوں) کی جڑ ہے۔ ابھی تمام مصیبتیں اس میں لبالب بھری ہوئی ہیں۔ (بلاء = مصیبت۔ آزمائش۔ امتحان۔)

غزل

شاہِ عشق آمد و شد تخت نشیں بر من   شحنۂ عقل بدر شد ز حدِ کشورِ من

عشق کا بادشاہ آیا اور میرے دل کے تخت پر بیٹھ گیا۔ اس وقت عقل کا افسر میرے ملک کی حدود سے باہر نکل گیا (شحنہ: معنی کوتوال یعنی حاکم)۔

(مراد یہی ہے کہ جب عشق کی حکمرانی ہوتی ہے تو وہاں عقل و خرد دلائل و براہین کا کچھ کام نہیں)

ہمہ تن دیدہ شدم بہر تماشائے کسے   ہر سرِ موئے منست ہمسر چشم سرِ من

کسی کے دیدار کیلئے میں مجسم آنکھ ہو گیا ہوں۔ بال کا ہر سرا چشمِ سر (جسمانی آنکھ) کی طرح ہو گیا ہے۔

میشوند حلقہ نشیں بر نمطِ ہالۂ ماہ   ماہر دیانِ جہاں گرد پری پیکرِ من

میرے محبوب پری پیکر کے گرد دنیا کے تمام حسین اس طرح بیٹھے ہیں (اور ایسا معلوم ہوتا ہے) جیسے چاند کے گرد ہالہ ہوتا ہے۔

واعظا جنّتِ من سینۂ پر داغ منست   دلبرم حورِ من و چشم ترم کوثرِ من

اے واعظ میری جنت میرا پُر داغ سینہ ہے۔ میرا محبوب میری حور ہے اور میری چشمِ تر آب کوثر ہے۔

بس فرو ماندہ جناح ملکوت از پرواز   بمقامیکہ رسید ایں دلک بے پر من

جس مقام پر میرا بے پرو باز و دل پہنچا وہاں تک فرشتوں کے پروں کی پرواز بھی عاجز و بے بس تھی۔

(انسان افضل المخلوقات ہے۔ جن و ملائک اس کی عظمت کے آگے سرنگوں ہیں۔ چنانچہ وہ مسجود ملائک ہے۔ یہاں مقام سدرۃ المنتہیٰ کی طرف اشارہ ہے۔ حضور سید المرسلینؐ شب معراج جب سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر پہنچے تو جبرئیل نے معذرت کر لی کہ اس کے آگے جانے سے میرے پر جلتے ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ تنہا تشریف لے گئے)۔ (صفحہ ۲۹۲ بھی

ملاحظہ ہو)

یافتند عالمیاں تاب دگراز نورم　　چوں زآفاق جہاں گشت بلند اختر من

میرا ستارہ جب آفاق جہاں سے بلند ہوا تو تمام کون و مکان نے میرے نور سے نئی روشنی حاصل کی۔

تا شوی محرم اسرار حقیقت چو نیازؔ　　سایہ ساں باش پس پیش رو رہبر من

اگر تو نیازؔ کی طرح اسرار حقیقت کو جاننا چاہتا ہے تو میرے پیشوا اور رہبر (مرشد) کے پیچھے سایہ کی طرح لگا رہ۔

غزل

عیدست ساقیا در میخانہ بازکن　　پیمانِ توبہ بشکن و پیانہ ساز کن

اے ساقی آج عید ہے۔ میخانہ کا دروازہ کھول دے۔ توبہ کا عہد توڑ دے اور میرا پیانہ (شراب سے) بھردے۔

ہنگام زہد و توبہ و تقویٰ گزشت و رفت　　دور حقیقت ست و داع مجاز کن

اب زہد۔ توبہ اور تقویٰ کا وقت گزر کر چلا گیا۔ یہ حقیقت کا دور ہے۔ مجاز کو رخصت کر۔

بنگر بہ پیچ و تاب دل سوگوار من　　کوتاہی تطاولِ زلفِ دراز کن

میرے غمگین دل کے پیچ و تاب کو دیکھ اور اپنی دراز زلفوں کے جور و ستم کو کم کر (زلف دراز اور پیچ و تاب خوبصورت ترکیب ہے)۔

(تطاول: ظلم و ستم۔ غرور۔ دست درازی)

بنما بما تجلے جاں بخش و دلکشا　　طرز ادا و غمزۂ عاشق نواز کن

ہم کو اپنا جاں بخش اور دل کشا جلوہ دکھا۔ ایسی طرز و ادا اور عشوہ و ناز اختیار کر جو عاشقوں کو نوازے۔

امروز روز عیش و نشاط و سرور ہست　　جودو عطا و لطف باہلِ نیاز کن

آج عیش و نشاط اور مسرتوں کا دن ہے۔ اپنے نیاز مندوں سے جو دو عطا بخشش اور مہربانیوں سے پیش آ۔

گنجِ قناعت است کہ دل راغنی کند ای دل اگر غنا طلبی ترکِ آز کن

دل کو غنی کرنے والی چیز حقیقتاً قناعت کا خزانہ ہے۔ اگر دولت مندی اور تونگری چاہتا ہے تو اے دل لالچ اور طمع چھوڑ دے۔

تا صبحِ وصل در ندمد ہر شب ای نیاز چوں شمع آہ وگریہ بسوز و گداز کن

اے نیازؔ جب تک صبحِ وصل کی نوید نہیں ملتی تو ہر شب شمع کی طرح آہ و گریہ سوز و گداز کے ساتھ کرتا رہ۔

غزل

من پاک بازِ عشقم ذوقِ فنا چشیدہ آہوئے دشتِ ہویم از ما سوا رمیدہ

میں اپنے عشق میں پاک باز ہوں۔ ذوقِ فنا کا مزہ میں نے چکھا ہے۔ ''دشتِ ہو'' کا ہرن ہوں جو ما سوا اللہ سے بھاگا ہوا ہے۔

(مقام ''ہو'' وہ مقام ہے جہاں سوائے ذات کے کوئی نہیں۔ فنا فی اللہ کے بعد ما سویٰ اللہ کا وجود بھی نہیں رہتا۔ سوائے حق کے کچھ باقی نہیں رہتا)۔

بُد پر دہائے وہمی مارا حجاب دیدہ دیدیم روئے جاناں ایں پر دہا دریدہ

خود اپنے وہم و خیال کے پردے اپنی آنکھ کے حجاب تھے (جس کی وجہ سے ہم محبوب کے رخ کو نہیں دیکھ سکتے تھے) جب یہ پردے ہم نے چاک کر دیئے تو روئے جاناں یعنی محبوب کا چہرہ ہماری آنکھوں کے سامنے تھا۔

گل گشت غنچۂ دل ذلبستگیش واشد چوں بادِ نو بہارے بر گلشنم وزیدہ

جب بادِ نو بہار میرے گلشن میں چلی تو دل کی کلی پھول بن گئی اور اس کے دل کا تعلق ظاہر ہو گیا۔

چوں آفتابِ معنی در جانِ من درخشید گشتم بچشمِ مردم چوں مردمک بدیدہ

جب حقیقت کا آفتاب میری جان (اور میرے دل) میں چمکا تو میں لوگوں کی آنکھوں میں ایسا ہو گیا جیسے آنکھ کی پتلی آنکھ کیلئے ہوتی ہے۔

(بہت بلیغ شعر ہے۔ آنکھ کا سب سے ضروری حصہ اس کی پتلی ہوتی ہے۔ جس پر

آنکھ کی بینائی کا انحصار ہے۔ اگر پتلی نہ ہوتو آنکھ دیکھنے کے قابل نہیں ہوتی۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ آنکھ خود اپنی پتلی کو نہیں دیکھ سکتی۔ ذات حق تمام عالم میں چمک رہی ہے اور ہر وقت ایک نئی شان میں ظاہر ہو رہی ہے بلکہ تجھ میں خود تیری فطرت سے عکس موجود ہے مگر تو اس عالم کی کثافت سے ایسا بے خبر اور کثیف ہو گیا ہے کہ تجھ کو خود بھی اس حقیقت کا علم نہیں۔ جب دل کی آنکھ کھلتی ہے تو حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ وہ تو ہر طرف بلکہ خود ہم میں بھی موجود ہے ''وفی انفسکم افلا تبصرون''۔ ایک اہم اشارہ یہ بھی ہے کہ انتہائے قربِ مشاہدہ کو مانع ہوتا ہے۔ کوئی چیز ہم آنکھوں سے قریب لائیں تو مناسب فاصلہ تک تو وہ چیز نظر آتی ہے۔ لیکن وہ چیز اگر بالکل آنکھوں سے لگا لی جائے تو ہمیں نظر نہیں آتی۔ چہرہ کے اعضاء، ناک، رخسار، لب ہماری نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔ خود آنکھ کی پتلی جو آنکھ سے سب سے زیادہ قریب ہے، اسے دیکھنے سے ہم قاصر ہیں۔ تو جو ذات خود ہم سے زیادہ قریب ہے، رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ہمارے نفس میں ہے کس طرح ہمیں نظر آ سکتی ہے)۔

من نور ذاتِ حقم اے صاحبِ بصیرت　　در صورتم اگرچہ از خاک آفریدہ

میں بظاہر اپنی صورت کے لحاظ سے اگرچہ مٹی سے پیدا ہوا ہوں لیکن اے بصیرت رکھنے والو حقیقتاً میں نورِ ذاتِ حق ہوں۔

در صورتم نظر کن اندر مرقعِ خلق　　نقاشِ دست قدرت تصویرِ من کشیدہ

خلق کی تصویروں کی کتاب (البم) میں میری صورت کو دیکھ کہ دست قدرت کے مصور نے خود میری تصویر بنائی ہے۔

روحِ الٰہیم من جان خدائیم من　　از صنعتِ عجیبہ در آب و گل دمیدہ

میں الٰھیت کی روح اور خدائیت کی جان ہوں عجیب کاریگری کے ساتھ آب و گل (پانی اور مٹی) میں پھونکا گیا ہوں (عجیب صنعت گری کے ساتھ پانی اور مٹی میں الٰھیت کی روح پھونکی گئی ہے)۔

اشارہ قرآن پاک کی اس آیت کی طرف ہے ''فاذ اسویتہٗ ونفخت فیہ من روحی'' (الحجر) (یعنی جب تسویہ کرلوں اس کا (یعنی جسم آدم کا) اور پھونک دوں اس میں اپنی روح)۔ پہلے بدن کا تسویہ ہوتا ہے پھر نفخ روح۔ تسویہ سے مراد ہے روح کے قبول کرنے کی صلاحیت۔ یعنی جب آدم میں روح قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی تو اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی۔ روح پھونکنے سے مراد یہ ہے کہ اپنی ذات اور صفات کا پرتو ڈالا۔ چوں کہ آدم کا تسویہ پورا ہو چکا تھا انہوں نے

اس پرتو کو قبول کرلیا اور امانت الٰہی کے متحمل ہو گئے۔ کائنات کی کسی چیز میں یہ استعداد نہیں پائی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی روح فرمایا ہے اس لیے ملائکہ کو سجدہ کا حکم دیا۔

من جلوہ گاہ ذاتم ہم مظہر صفاتم　　ہم اصل کائناتم از نورش آفریدہ

میں ذات کی بھی جلوہ گاہ ہوں اور اس کی صفات کا بھی مظہر ہوں۔ میں کائنات کی اصل (حقیقت) ہوں اور اس کے (یعنی ذات کے) نور سے پیدا ہوا ہوں۔

(انسان کی حقیقت ذات ہے۔ ''اللہ نور السموٰت ولارض''۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یعنی اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ نور کی تقسیم و تجزیہ ممکن نہیں نہ اس کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔ یہ کائنات اسی کا نور ہے۔ کسی بلب کے ساتھ ایک گلوب لگا دیا جائے جس میں ہر سمت مختلف قسم کی صورتیں تراش دی جائیں جیسے مختلف پھول۔ جانور۔ چڑیاں اور دیگر اشیاء تو اس بلب کی روشنی جس تراشے ہوئے حصہ سے گزرے گی ویسی ہی شکل نظر آئے گی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ روشنی کی شکل بدل گئی ہے۔ روشنی کا مبداء اور منبع ایک ہی ہے۔ اگر وہ گلوب ہٹا دیا جائے تو ایک ہی روشنی نظر آئے گی۔ حضور پرنور کا ارشاد ہے:

''انا من نور اللہ وخلق کلھم من نوری''

یعنی میں اللہ کے نور سے ہوں اور کائنات میرے نور سے پیدا ہوئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہی نور حق ہر جگہ ہر شکل میں ظاہر ہے۔ اس کی شکل اور رنگ مختلف نظر آ سکتے ہیں)۔

آئینہ پر صفایم جام خدا نمایم　　ہم عین و ہم جدایم ای مرد برگزیدہ

ایک صاف ستھرا آئینہ ہوں اور جام خدا نما ہوں (ایسا جام جس میں خدا نظر آئے) اے نیک مرد میں اس کا عین بھی ہوں اور اس سے جدا بھی ہوں۔

(اگر آئینہ سامنے ہو تو اس میں اپنی شکل نظر آتی ہے۔ یہ شکل اصل کی عین بھی ہے اور اس سے جدا بھی ہے۔ عین اس طرح ہے کہ وہ شکل عین دیکھنے والی کی ہوتی ہے۔ سرمو بھی اس میں فرق نہیں ہوتا۔ پھر حرکات سکنات بھی آئینہ کی شکل کے اور اپنے ایک ہی ہوتے ہیں۔ لیکن اگر آئینہ ہٹا دیا جائے تو وہ شکل غائب ہو جاتی ہے اس طرح وہ اس سے جدا بھی ہے۔ یہ کائنات بھی ایک آئینہ ہے جس میں ذات حق مکمل طور پر جلوہ گر ہے۔ اس کی نمود ہی حقیقتاً کائنات سے ہے۔ اگر کائنات نہ ہو تو اس کا مشاہدہ ممکن نہیں۔ کائنات اس کے اسماء و صفات کا نام ہے جس میں انسان اس کا مظہرِ اتم ہے)۔ عکس و آئینہ کے متعلق مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ ۴۶)

سلطانِ بے نیازم چوں سرو سرفرازم　　　ہم بندۂ نیازم مثلِ کماں خمیدہ

میں ایک بے نیاز بادشاہ ہوں اور سرو کے درخت کی طرح سر اونچا کئے کھڑا ہوں (سرو کا درخت بالکل سیدھا ہوتا ہے) اور عاجز و درماندہ بندہ بھی ہوں جو کمان کی طرح خمیدہ (جھکا ہوا) ہوں۔

از جام عشق مستم مستانۂ الستم　　　بے پاو بے سرستم از قیدِ تن رہیدہ

شراب عشق کے جام سے مست ہوں اور ''الست'' کا مستانہ ہوں۔ نہ میرے پاؤں ہیں نہ سر۔ جسم کی قید سے آزاد ہوں۔

('' الست'' سے مراد حق کا وہ قول ہے جو روزِ ازل اس نے روحوں سے کہا تھا ''الست بربکم'' یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ روحوں نے جواب دیا '' قالو بلیٰ '' یعنی بے شک تو ہمارا رب ہے)۔

زاہد مکیر برمن بگذرز گفتگویم　　　نشنیدۂ کہ فرقست در دیدہ و شنیدہ

زاہد مجھ پر اعتراض نہ کر اور میری گفتگو پر توجہ نہ دے کیا تو نے سنا نہیں ہے دید اور شنید میں فرق ہوتا ہے (دیکھنے اور سننے میں فرق ہے)۔

قول نیاؔز بشنو یعنی ز خود بروں شو　　　چوں از خودی برآئی باشی خدارسیدہ

نیاؔز کا قول سنو (نیاؔز کا کہنا سنو) یعنی خود اپنے سے باہر آ جاؤ اپنے سے باہر آؤ گے تو خدا تک پہنچ جاؤ گے۔

(جب تک خود اپنا تعین باقی ہے۔ خدا کی یافت ممکن نہیں۔ اپنی خودی مٹا دو۔ دوئی کا پردہ اٹھا دو تو سوائے حق کے کوئی دوسرا نظر نہیں آئے گا بلکہ خود کو بھی حق پائے گا)۔

معنویت کے لحاظ سے یہ غزل بھی بہت اعلیٰ مضامین کی حامل ہے۔ مسئلہ وہی ''ھمہ اوست'' ہے لیکن انداز بہت بلیغ اور بیان بہت خوبصورت ہے۔ آپ ان مسائل کو بہت برملا اور کھول کر بیان فرماتے ہیں۔ جو بہت جرأت مندانہ اقدام ہے۔

غزل

اے عکس نمائے تو ہر ذرّہ چو آئینہ　　　از دولتِ دیدارت ہر دیدہ چو گنجینہ

اے وہ جس کے عکس کے لئے ہر ذرہ آئینہ کی طرح ہے (ہر ذرہ میں اس کا عکس نظر آتا ہے)۔ ہر آنکھ تیرے دیدار کی دولت سے مثل خزانہ کے ہوگئی ہے۔

نظار گیانت را ہنگام تماشایت　　　ہر شب چو شبِ قدرست ہر روز چو آدینہ

تیرے دیکھنے والوں کیلئے بوقت دیدار ہر رات شب قدر کی طرح ہے اور ہر دن جمعہ کے دن کی طرح ہے۔(آدینہ = یوم جمعہ)

پیدائی و پنہانی ہم صورت و ہم معنی　　　ہم نور و سرورے تو ہم دیدہ و ہم سینہ

تیرا ظاہر ہونا اور تیرا چھپنا، تیری ظاہری صورت اور تیری اصل حقیقت سب میرے دل اور آنکھوں کا نور اور سرور ہے۔

ایں حُسنِ مجاز مادر چشم حقیقت بیں　　　ہم عینکِ بینائے ہم قنطرہ و زینہ

یہ ہمارا ظاہری حسن حقیقت بیں نظروں کے لئے بینائی کی عینک بھی ہے اور حقیقت کی بلند عمارت کا زینہ بھی۔قنطرہ: بڑا پُل۔ بلند عمارت

(یعنی اسی مجاز سے ہم حقیقت کو پاتے ہیں)

اندر من واو ہر دم رازے و نیازے ہست　　　روشن بود ایں معنی بر سالک دیرینہ

میرے اور اس کے درمیان ہر دم راز و نیاز ہوتا رہتا ہے۔ یہ حقیقت ہر دیرینہ (پرانے) سالک پر روشن ہے۔

غزل

ای جلوہ گہہ رویت ہر وجہے و ہر روئے　　　راہ تو وٗ کوئے تو ہر راہے و ہر کوئے

اے تو کہ ہر صورت اور ہر چہرہ تیرے ہی چہرہ کی جلوہ گاہ ہے۔ ہر راستہ اور ہر گلی تیرا ہی راستہ گلی ہے۔

اے قبلۂ ایمانم وے جان دل و جانم　　　　رو سوئے تو گردانم ہر طرفے و ہر سوئے

اے قبلۂ ایمان اور جان دل و جان جس طرف اور جس جانب دیکھتا ہوں تیرا ہی چہرہ دیکھتا ہوں۔

با آنکہ مبرائی از وسمۂ رنگ و بو　　　　رنگِ تو وُ بوئے تو ہر رنگے و ہر بوئے

گو کہ تو ہر رنگ و بو سے پاک ہے لیکن ہر رنگ اور ہر بُو تیرا ہی رنگ اور تیری ہی بُو ہے (وسمہ: ایک قسم کی پتی جس سے خضاب تیار ہوتا ہے)۔

می بینم انا الحق زن ہر ذرہ بمہر تو　　　　ماأعظم شانی گو ہر تارے و ہر موئے

میں دیکھتا ہوں کہ تجھ سورج کی چمک سے ہر ذرہ "اناالحق" (میں خدا ہوں) کا نعرہ لگاتا ہے اور ہر تار اور ہر بال "ماأعظم شانی" (میری شان سے بڑھ کر کسی کی شان نہیں ہے) کہتا ہے۔

("اناالحق" کا نعرہ حضرت منصور نے لگایا اور "ماأعظم شانی" کا نعرہ حضرت بایزید بسطامی نے لگایا تھا۔ خدائی کا دعویٰ کرنے کے سبب ان لوگوں کو موت کی سزا دی گئی تھی)۔

اندر دل ہر قطرہ دریاست بموج اندر　　　　خود بحر محیط ست ایں ہر نہری و ہر جوئے

ہر قطرہ کے دل میں سمندر موجیں مار رہا ہے۔ ہر نہر اور ہر چشمہ بذات خود عین سمندر ہے۔

ایں جملہ ضمائر را مرجع توی اے جاناں　　　　تعبیر ز تست اینک ہر مائے و ہر اوئے

جتنے بھی ضمیر ہیں اے میرے محبوب وہ سب تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں (سب ضمائر کا اسم تو ہی ہے)۔ ہر "ھم" اور ہر "وہ" کی تعبیر تو ہی ہے۔ (ہر ہم اور وہ سے مراد تو ہی ہے)

اندر رہ عشق تو رفتست نیاز از خود　　　　از تست گر و ہست ایں ہر ہای و ہر ہوئے

تیرے عشق کے راستہ میں نیاز خود سے بھی گیا۔ وہ جو ہائے ہوئے کرتا ہے تو دراصل تیری ہی طرف سے ہوتا ہے۔

غزل

گر بر سرِ بالینم نازاں بخرام آئی　　　　جاں از سرِ نو یابم ہم تاب و توانائی

اگر تو میری بالیں پر ناز و ادا کے ساتھ ٹہلتا ہوا آجائے تو میں نئے سرے سے زندگی پاؤں اور قوت و توانائی بھی مجھے مل جائے۔

تا پنجۂ عشقت شد ہمدست و گریبانم از قبضۂ دستم شد دامان شکیبائی

تیرے عشق کے پنجہ کا ہاتھ جب میرے دست و گریبان تک پہنچا۔ تو صبر کا دامن میرے ہاتھ کے قبضہ سے چھوٹ گیا۔

ایں آہ دل سردم ویں رنگ رخ زردم با راز دروں ہردم دارد سر رسوائی

یہ میرے دلِ سرد کی آہ اور یہ میرے چہرہ کا زرد رنگ میرے اندر کا راز کھول دیتا ہے جو میرے لئے رسوائی کا باعث ہے۔

ای رشک مسیحایم از بہر مداوایم چوں بر دلِ شیدایم یک جلوہ نفرمائی

اے رشک مسیحا میرے درد کے علاج کیلئے جب تک تو میرے دلِ شیدا پر جلوہ نہیں فرماتا میرا علاج ممکن نہیں۔

خاک رہ کوئے تو ایں طرفہ اثر دارد ہم صندل درد سر ہم سرمۂ بینائی

تیری گلی کی خاک عجب اثر رکھتی ہے کہ وہ دردِ سر کیلئے صندل بھی ہے اور آنکھ کی بینائی کے لئے سُرمہ بھی۔

بوئے بہ نیآز آمداز طرۂ مشکینش از خود برمید آخرایں آہوئے صحرائی

اس کی سیاہ زلفوں کی خوشبو جیسے ہی نیآز کے پاس آئی اس نے خود اپنے سے نجات حاصل کر لی (یہ آہوئے صحرا خود اپنے سے بھاگ گیا)۔

غزل

سزد آنکہ دم زنم من ز کمال کبریائی کہ سوای حق نہ بینم بو جودنی قبائی

یہ کمالِ کبریائی (کمالِ خداوندی) کا تقاضا ہے کہ میں خاموش رہوں کیونکہ اپنی قبا میں (یعنی خود اپنے میں) سوائے حق کے مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔ (دم زدن: خاموش رہنا)

ہمہ ایں صفات و ذاتم کہ بعالم شہودست بخدا کہ اوست پیدا بلباسِ ما سوائی

اس عالم شہود یعنی کائنات میں جو کچھ ہے میری ہی ذات اور میری ہی صفات ہیں۔ بخدا ما سوا کے لباس میں بھی وہی ظاہر ہے۔

(جس کو ہم ما سوا یعنی اللہ کے علاوہ کہتے ہیں دراصل اس میں بھی وہی موجود ہے۔ یعنی ما سوا اللہ کچھ نہیں ہے۔ جو کچھ ہے وہ وہی ہے)۔

نظرے بصورتم کن بہ نگاہ دیدۂ دل　　　کہ نمایدت سراپا ہمہ جلوہ خدائی

دل کی آنکھوں سے میری صورت کو دیکھ تو سراپا جلوۂ خدا نظر آئے گا۔

ہمہ تہمتست برمن کہ تو گوئیم منم من　　　نہ من منست ایں من زخداست خودنمائی

یہ مجھ پر بڑا الزام ہے کہ تو مجھ سے کہتا ہے کہ میں میں ہوں۔ یہ "میں" دراصل "میں" نہیں ہے بلکہ خدا کی خود کی نمود (نمائش) ہے۔

ہمہ دلبری و نازست کہ بصورت نیاز است　　　چہ نیاز شانِ خاص ست زشیون دلربائی

یہ تمام اس کی دلبری اور اس کا ناز ہے کہ جو نیاز کی صورت میں نظر آ رہا ہے۔ کیونکہ اس کی دلربائی کی شانوں میں نیاز ایک خاص شان ہے۔

غزل

بربود زدست ایں دلم اعجاز نگاہے　　　زانست مراہمدم و دم ساز نگاہے

میرا دل جو اعجاز نگاہ (معجزہ کی سی آنکھ رکھنے والا) میرے ہاتھ سے لے گیا اب وہی میرا ہمدم اور دوست ہے۔

ہندو شود و چشم سیاہت پرستد　　　گر برفگنی بربت شیراز نگاہے

اگر تو اس بت شیراز (مست و مخمور محبوب) کو ایک نظر دیکھ لے تو تُو ہندو ہو جائے اور اس کی سیاہ آنکھوں کو پوجنے لگے۔

پہلی نظر میں قاری یہ شعر پڑھ کر چونک جائے گا کہ اس میں "ہندو" ہونے کی ترغیب کا پہلو نظر آتا ہے لیکن "ہندو" کے معنی غلام کے بھی ہیں اور یہاں یہی مراد ہو سکتی ہے یعنی اگر تو محبوب کی چشم سیاہ دیکھ لے تو اس کا غلام ہو جائے اور اس کے چشم مست کے صحرا میں گم ہو جائے، ہندو کی مناسبت سے بت اور پوجا کے الفاظ شعر کے حسن میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ الفاظ کی ذومعنیت سے فائدہ اٹھانا شاعر کا کمال ہے جیسے لفظ کفر جس کے معنی چھپانے کے بھی ہیں۔ آپ نے اپنے اس شعر میں بھی ذومعنیت کا فائدہ اٹھایا ہے۔

کافر عشق ہوں میں بندۂ اسلام نہیں　　　بت پرستی کے سوا اور مجھے کام نہیں

اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ میں عشق کا چھپانے والا ہوں۔ (بُت۔ پوجا۔ ہندو یہ سب الفاظ

دراصل ہندوستانی معاشرت کے عکاس ہیں۔ مسلم شعراء بھی چونکہ اس معاشرہ کے افراد تھے اور ہندوؤں سے خلط ملط ایک عام بات تھی۔ خصوصاً صوفیائے کرام کا تبلیغی انداز ایسا تھا کہ انہیں لوگوں میں مل جل کر انہیں لوگوں کے رسم و رواج کے مطابق اپنی بات کہتے تھے۔ جس میں پیار و محبت کا جذبہ غالب رہتا۔ نفرت کا عنصر ان حضرات کی تعلیمات میں کہیں نہیں ملتا۔ اسی لئے ان لوگوں نے دلوں کو مسخر کیا ان کی رسومات میں صوفیا شریک ہوتے اور انہیں کی زبان میں انہیں کے انداز سے وہ لوگوں کو اپنی طرف راغب کرتے۔ بہرحال صوفی شعراء نے کنایتاً ان الفاظ کو استعمال کیا ہے۔ ہولی، بسنت اور اس قسم کے ہندوؤں کے تہواروں میں جو رسوم ہوتے ان کو استعارتاً اپنے مطلب کے لئے استعمال کیا ہے۔ چنانچہ بہت سے ایسے الفاظ صوفی شعراء میں رائج ہیں جو ہندوؤں کے علم الاصنام سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے کرشن۔ رادھا۔ رنگ پچکاری۔ بت۔ پجاری۔ زنار۔ قشقہ وغیرہ ان کو صوفیا نے اپنے خاص معانی میں استعمال کیا ہے۔

اب بھی ہندوستان میں ۱۲۔ ۱۴ کروڑ مسلمان بستے ہیں جو یقیناً وہاں کی تہذیب سے کٹ کر نہیں رہ سکتے۔ ان کے تہواروں میں اور رسم و رواج میں شرکت مسلمانوں کی مجبوری ہے۔ جبر نہ بھی ہو تو مقامی کلچر اور مقامی رسوم و روایات سے متاثر ہونا عین فطری عمل ہے۔ ہندوستان میں اب بھی سینکڑوں خانقاہیں ہیں اور ہر خانقاہ میں غیر مسلموں کی آمدورفت عام ہے بلکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ ان کی حاضری میں عقیدت کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ حضور قبلہؒ ہندوسان میں پیدا ہوئے۔ وہیں رہے بسے اور وہیں آرام فرما ہیں۔ کثیر تعداد میں غیر مسلم ارتباط رکھتے تھے۔ آپ انہیں کی زبان میں انہی کے طور اطوار سے انہیں متاثر کرتے کہ یہی صوفیا کا طرز عمل رہا ہے۔

شریعت میں دو الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ ازالہ اور امالہ۔ برائیوں کو مٹانا ازالہ ہے جو عملاً ممکن نہیں امالہ یہ ہے کہ برائیوں میں اچھائی کا پہلو نکالا جائے۔ قبح میں حسن تلاش کیا جائے اور اس کو حسن حقیقی سے نسبت دی جائے۔ صوفیائے کرام کا طریقہ ہمیشہ امالہ رہا ہے اور یہ بھی امالہ کا ایک پہلو ہے جو اپنے اثرات کے لحاظ سے کامیاب تر ہے۔

یہ سب اس لیے لکھا گیا کہ ممکن ہے بعض لوگوں کے نزدیک غیر مسلموں خصوصاً ہندوؤں کے رسم و رواج اور دیوی دیوتاؤں کا ذکر۔ ان کے تہذیبی و معاشرتی روایات کو اپنے بیانات میں اتنی جگہ دینا مناسب نہیں ہے۔ پاکستان کی نئی نسل کے لیے یہ سب طریقے نامانوس ہوسکتے ہیں اور یہاں کے دانشور ان روایات کو اس نسل کے لیے مناسب نہیں سمجھتے۔ لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ مسلمان اب بھی ہندوستان میں کثیر تعداد میں رہتے بستے

ہیں اور انہیں دیوی دیوتاؤں کی تاریخ پڑھتے ہیں اور وہی ہولی۔ دیوالی کے تہواروں میں شریک ہوتے ہیں۔ دیوان نیازؔ یہاں سے زیادہ وہاں پڑھا جاتا ہے۔ بہرحال اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دو سو برس پہلے کے حالات اور موجودہ حالات میں نمایاں فرق ہے۔ کوئی بھی فرد ان حالات کے تقاضوں سے چشم پوشی نہیں کرسکتا۔ وہ صوفیا ہوں یا علما۔ دانشور ہوں یا ادیب وشاعر۔ وقت کے ساتھ چلنا ایک اہم ضرورت ہے اور ناگزیر بھی۔

اشاعتِ اسلام اور تبلیغ کا طریقہ جو اس زمانے میں مناسب تھا وہ اِن حضرات نے اختیار کیا۔ اس سے تبلیغ پر بڑا اثر پڑا۔ چنانچہ شاہ نیازؔ کے مریدین کی تعداد تقریباً گیارہ بارہ لاکھ تھی اس میں سے کئی سو ہندو بھی تھے جو حضرت شاہ نیازؔ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور بیعت حاصل کی۔

یہاں چونکہ محبوب کو بُت کہا گیا ہے اور بتوں کی پوجا ہندوؤں کا مذہب ہے۔ اس لئے یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ بُت کے معانی گزشتہ کسی موقع پر دیئے جا چکے ہیں۔ بہرحال سادہ زبان میں بُت محبوب اور پجاری عاشق کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کائنات کی ہر شے حق کی جلوہ گاہ ہے اسلئے ہر شے بُت ہے اور بت کا پجاری چونکہ ہندو ہوتا ہے اسلئے عاشق اور محبوب کا جلوہ ہر جگہ دیکھنے والا ہندو کہلایا۔ لغت میں معشوق کے رخسار کے تل اور زلف معشوق کو بھی ہندو کہتے ہیں۔ فارسی میں چور، لٹیرا اور غلام کے لئے بھی ہندو کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہاں غالبًا غلام کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اعجازِ نگاہ تو کند زندۂ جاوید　　　اے رشکِ مسیحا بمن انداز نگاہے

تیری نگاہ کا یہ معجزہ ہے کہ لوگوں کو زندہ جاوید بنا دیتا ہے۔ اے رشکِ مسیحا مجھ پر بھی ایک نظر ڈال لے (تاکہ میں بھی زندۂ جاوید ہو جاؤں)۔

براَوجِ تماشائے رخت کیست ہواگیر　　　گو طائر قدسیت پرواز نگاہے

کون ہے جو تیرے چہرہ کے دیدار کے لئے انتہائی اونچائی تک اڑتا ہے حالانکہ فرشتے بھی نگاہ کی پرواز (کی حد) میں آجاتے ہیں۔ (ہوا گرفتن: اڑنا۔ طائرِ قدسی: فرشتے)

چوں نازِ ترا زینت و زیبے ز نیاز است　　　زیبد کہ براَفگنی از ناز نگاہے

چونکہ تیرا ناز اور زیب و زینت نیازؔ ہی کی وجہ سے ہے۔ اسلئے تجھے یہی زیب دیتا ہے کہ اس پر ایک نگاہِ ناز ڈال لے۔

غزل

از خلق جدا ہستی دہم درہمہ ہائی　　　از جملہ مبرائی و در جملہ در آئی

تو خلق سے جدا بھی ہے اور سب میں بھی ہے۔ سب سے مبّرا (بری۔ پاک) بھی اور سب کے اندر بھی ہے۔

بی نام و نشاں بودی و گنجینۂ پنہاں　　　از بہر شناسائی خود صورت مائی

تو بے نشان اور مخفی خزانہ تھا۔ اپنی پہچان کے لئے تو نے ہماری صورت اختیار کی۔

(اس حدیث قدسی کی طرف اشارہ ہے بلکہ لفظ بہ لفظ ترجمہ ہے۔ ''کنت کنزاً مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق'' یعنی میں چھپا ہوا خزانہ تھا جب میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا۔ یعنی اپنی شناخت اور اپنی پہچان کے لئے یہ مخلوقات اس نے پیدا کی۔ ذات پہلے اپنی ذات میں گم۔ اپنی انانیت میں محو تھی۔ تمام صفات اس میں مندرج تھیں۔ انکا ظہور نہیں ہوا تھا لیکن ظہور کے لئے وہ مضطرب ضرور تھیں۔ ان کے اس اضطراب کو دیکھ کر وہ مخاطب ہوا اور فرمایا ''کن'' یعنی ہو جا۔ اس امر کے ساتھ وہ سب ظاہر ہو گئیں۔ جس کو قرآن پاک نے فرمایا ''فیکون'' (لیں ہو گئیں)۔ گویا وہ خود ظاہر ہو گیا۔ پہلے اظہار اجمالی تھا پھر تفصیلی ہوا۔ جسے ''اعیان ثابتہ'' کہتے ہیں۔ باوجود اس کثرتِ ظہور اس میں کوئی فرق نہیں ہو۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے'' الآن کما کان'' (یعنی وہ جیسا تھ ویسا ہی ہے)۔

بر وحدتِ ذاتست عرض کثرت شانت　　　یک شانِ تو خلقست دگر شانِ خدائی

تیری کثرتِ شان وحدتِ ذات کا عرض ہے۔ تیری ایک شان خلق ہے اور دوسری خدائی۔

(عرض: وہ چیز جو دوسری چیز کی وجہ سے قائم ہو برعکس جوہر کے جو بذاتِ خود قائم ہے۔ مثلاً رنگ اور کپڑا۔ اس میں رنگ عرض ہے۔ مراد یہ ہوئی کہ وحدتِ ذات جوہر ہے اور کثرت شان عرض۔ اس جوہر یعنی وحدت ذات کی وجہ سے کثرت شان کا عرض قائم ہے۔ جوہر خلاصہ اور لب لباب۔ عطر اور ست کو بھی کہتے ہیں۔

تو ہی ایک ذات ہے جو گونا گوں شکلوں میں ظاہر ہے۔ وہی خلق ہے وہی حق ہے۔ بقول قرآن وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے۔ اسی کی اسماء وصفات ہیں جو خلق کی صورت میں ظاہر ہیں۔ اس کا غیر کچھ نہیں!۔

ہم شاہ جہانی بسرت افسر شاہی ہم دلق بیرداری وہم شکلِ گدائے

تو کائنات کا بادشاہ بھی ہے جس کے سر پر شاہوں کا تاج ہے۔ تو گدڑی پوش بھی ہے جو فقیروں کی شکل اختیار کیے ہوئے ہے (افسر = تاج۔ حاکم)۔

ہم معتکفِ مسجدی و سبحہ بدستے ہم دوش بزناری و در بتکدہائی

تو مسجد میں معتکف ہاتھ میں تسبیح لئے بھی ہے اور بتکدہ میں زنار بھی گلے میں ڈالے ہوئے ہے۔

ہم بارکش خرقہ وہم رند قباپوش ہم زہد سراپائی وہم تُرکِ ختائی

تو خرقہ کا بھی بوجھ اٹھائے ہوئے ہے (خرقہ بھی پہنے ہوئے ہے) اور رندوں کا لباس بھی زیب تن ہے۔ سراپا زہد و تقویٰ بھی ہے اور ختا کا حسین محبوب بھی۔ (ختا: چین کا ایک شہر جہاں کا حسن مشہور ہے)۔

ہم صوفی و رقاصی وہم صورت مطرب ہم چوبی وہم تاری وہم صوت و صدائی

تو صوفی اور رقاص بھی ہے اور مطرب (گانے والا) بھی۔ ساز کی لکڑی بھی ہے۔ تار بھی اور اس کی نغمہ و آواز بھی۔

ہم نالۂ جانکاہی وہم خندۂ جاں بخش ہم سوزی وہم سازی وہم درد و دوائی

جانکاہ آہ و نالہ بھی تو ہے اور جان بخش ہنسی بھی تو۔ تو سوز بھی ہے۔ ساز بھی ہے۔ درد بھی ہے دوا بھی۔

ہم بلبل شیدائی و زاری و نزاری ہم در چمنِ دہر گل جلوہ نمائی

عاشق زار بلبل بھی جو زار و نزار (لاغر و کمزور) ہے۔ گلشنِ جہاں میں پھول بھی جو اپنی بہاریں دکھاتا ہے۔

ہم خطی وہم خالی وہم چہرہ زیبا ہم کاکل مشکینی وہم زلفِ دوتائی

خط بھی تو ہے خال بھی تو ہے۔ حسین چہرہ بھی تو ہے۔ کاکل مشکیں بھی تو زلف دوتا بھی تو۔

ہم خرمنِ گلزاری وہم برق تبسم ہم دیدۂ فتانی و بالائے بلائی

گلزار کا خرمن بھی تو۔ برق تبسم بھی تو۔ چشم فتنہ انگیز بھی تو۔ بلاؤں سے بڑھ کر بلا بھی تو۔

ہم شوری وہم فتنہ وہم آفتِ جانی ہم غمزہ وہم عشوۂ وہم نازو ادائی

شور بھی تو فتنہ بھی تو۔ آفتِ جان بھی تو۔ غمزہ بھی تو عشوہ بھی تو۔ ناز و ادا بھی تو۔

ہم خنجر مژگانی وہم تیغ دوابرو ہم تیرنگہ در ہدف سینۂ مائی

مژگاں کا خنجر بھی تو اور دو ابروؤں کی تلوار بھی تو۔ تیر نگاہ بھی تو جس کا نشانہ میرا سینہ ہے۔

ہم غافل و ہشیاری وہم بیہش و سرمست ہم واعظ وہم پیر رہ مغبچہ ہائی

غافل بھی تو۔ ہوشیار بھی تو۔ بیہوش و سرمست بھی تو۔ واعظ بھی تو مغبچوں (شراب پلانے والے لڑکے) کے راستہ کا پیر (رہبر) بھی تو۔

ہم قاضی وہم مفتی وہم حکم شریعت ہم گفتہ انا الحق بسرِ دار بر آئی

قاضی بھی خود تو۔ مفتی بھی تو۔ شریعت کا حکم بھی خود تو۔ خود ہی نے انا الحق کہا اور خود ہی دار پر چڑھ گیا۔

ہم مرشد کل گشتہ بشکلِ شہ جیلاں بر روئے نیاز آئی و ارشاد نمائی

شہ جیلاں (حضرت عبدالقادر جیلانیؒ) کی شکل میں کبھی مرشد کامل ہوتا ہے اور نیاز کے پاس آ کر اسے ہدایات اور ارشادات سے نوازتا ہے۔

غزل

اے دل تو چنیں در شغب وشور چرائی دے دیدہ بگو صورت ناسور چرائی

اے دل تو اس طرح شور وغل کیوں کر رہا ہے۔ اس آنکھ سے کہہ دے کہ اس طرح ناسور کی شکل کیوں بنائی ہے۔

ای سینۂ من ریشِ دل از بہر کہ داری دے لختِ جگرِ سوختہ چون طور چرائی

اے میرے سینے یہ دل کا زخم کس کے لئے ہے۔ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو طور کی طرح کیوں جلا رہا ہے۔

دے خندۂ من صورت گریہ بچہ گشتی دے صبح صبیحم شب دیجور چرائی

وہ میری ہنسی رونے کی شکل میں کیوں بدل گئی ہے۔ وہ میری اجلی اور روشن صبح تاریک رات کیوں ہوگئی ہے۔

اے راحتِ جاں شکلِ غمم آمدہ چونی دے جانِ من آزاری و رنجور چرائی

اے راحت جاں میری شکل غم کی صورت کیوں ہوگئی ہے اور وہ میری جان تکلیف اور رنج میں کیوں ہے۔

در معنیِ فی انفسکم غور ونگہ کن! معشوق ببر داری و مہجور چرائی

"فی انفسکم" کے معنی پر غور اور توجہ کر۔ محبوب تیرے پہلو میں ہے پھر محبوب سے جدائی اور دوری

کیوں ہے۔

(اشارہ قرآن پاک کی اس آیت کی طرف ہے "وفی انفسکم افلا تبصرون" یعنی میں تیرے نفس کے اندر ہوں مگر تو نہیں دیکھتا۔ مراد یہ ہے کہ جب وہ تمہارے نفس کے اندر ہے تو پھر جدائی اور دوری کس طرح ہو سکتی ہے)۔

دلدار تو نزدیک ترست از رگ جانت افتادہ بہ پندار دوئی دور چرائی

تیرا محبوب تجھ سے تیری رگِ جاں سے بھی قریب ہے۔ پھر کیوں دوئی میں پڑا ہے اور اس سے دور کیوں ہے۔

(قرآن پاک کا ارشاد ہے "نحن اقرب الیہ من حبل الورید"۔ یعنی میں تجھ سے تیری رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ جب وہ اتنا قریب ہے کہ خود تجھ سے زیادہ قریب ہے یا دوسرے لفظوں میں تو خود وہی ہے تو پھر دوئی کا تصور اور دوری کا خیال ہی غلط ہے)۔

خورشید جمالِ رُخِ محبوب عیانست ای شب پرک دیدۂ جاں کور چرائی

محبوب کے چہرہ کے حسن کا آفتاب عیاں اور روشن ہے۔ اے رات جان کی آنکھوں کا ستارہ پھر کیوں اندھا ہے۔

(پرک: سہیل ستارہ۔ شکارگاہ۔ آواز)

جاناں بجہان ست چو دریائے بقطرات چوں قطرہ بدریائی و در شور چرائی

محبوب دنیا کے لئے ایسا ہے جیسے دریا قطروں کے لئے ہوتا ہے۔ جب قطرہ دریا میں مل گیا تو پھر شور کیوں۔

(قطرہ جب تک دریا میں نہیں مل جاتا وہ قطرہ ہے۔ لیکن دریا میں مل کر وہ عین دریا ہو جاتا ہے جو بے کراں ہے۔ اسی طرح عبد کی بندگی اور بشریت کا تعین جب ختم ہو جاتا ہے تو وہ فانی فی اللہ ہو کر عین حق ہو جاتا ہے اور اس کو بقائے دوام حاصل ہو جاتی ہے)۔

از زندگی افزائے لب ساقی سرمست مے نوش کن و زی بلب گور چرائی

مست ساقی کے جاں بخش ہونٹوں سے شراب پی اور زندہ رہ۔ کیوں تو اپنے کو لب گور (مرنے کے قریب) سمجھتا ہے۔

ای زاہد افسردہ بیار و بخدا شو در حرصِ بہشت و ہوسِ حور چرائی

اے پژمردہ (اور ملول) زاہد اپنے دوست کے ساتھ اور خدا کے ساتھ رہ۔ جنت کی لالچ اور حور

کی تجھے کیوں ہوس ہے۔

یک جوندہم قیمت ایں طاعتِ مہمل بر تکیۂ ایں زہد تو مغرور چرائی

اس فضول اطاعت کی ایک جو کے دانہ کے برابر قیمت دینے کو ہم تیار نہیں ہیں۔ تو اپنے زہد و تقویٰ پر بھروسہ کر کے کیوں اتنا مغرور ہے۔

بر قول نیازؔ ست اگر علم یقینت پس دیدہ و دانستہ بدستور چرائی

اگر نیازؔ کے قول پر تجھے علم الیقین (بھروسہ) ہے تو جان بوجھ کر تو اپنے حال پر کیوں قائم ہے۔

غزل

بر چہرۂ تو نقاب تاکے بر چشمۂ خور سحاب تاکے

تیرے چہرہ پر نقاب کب تک رہے گا۔ سورج کے چشمہ پر ابر کب تک رہے گا۔

بر دیدۂ ما حجاب ازماست درماؤ تو ایں حجاب تاکے

ہماری آنکھوں پر حجاب خود ہم سے ہے۔ تیرے اور ہمارے درمیان یہ حجاب کب تک۔ (ہم اور ہماری خودی حق کو پانے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اگر درمیان سے ہم خود ہٹ جائیں یعنی ہمارا تعین ہماری خودی مٹ جائے تو ہم اس کو پالیں گے)۔

در بحرِ حقیقتم گزردہ بینم بغلط سراب تاکے

مجھے حقیقت کے سمندر میں راستہ دے۔ میں کب تک سراب میں کروٹیں لیتا رہوں گا (یہ عالم جو ہم دیکھتے ہیں مثل سراب فریب نظر ہے)۔ غلطیدن = کروٹیں لینا۔

یک حرف ز عشقِ خود سبق دہ خوانم قصصِ کتاب تاکے

اپنے عشق کے سبق کا ایک حرف ہی بتا دے۔ کب تک کتاب کی کہانیاں پڑھتا رہوں گا۔

بیخود ز خودم کن و بخود دار مانم بخودی خراب تاکے

مجھے خود اپنے سے بے خود کر دے اور اپنا رکھ۔ اپنی خودی کے ساتھ کب تک برباد رہوں گا۔

مستم بکن از نگاہ مستت دارم ہوس شراب تاکے

اپنی مست آنکھوں سے مجھے مست بنا دے۔ کب تک شراب کی ہوس میں رہوں گا۔

باشم بہ تعلقاتِ ذرات وامانده ز آفتاب تا کے
ذرات سے تعلق رکھ کر میں آفتاب سے کب تک پیچھے رہوں گا (بجائے ذرہ کے آفتاب بن)۔
(وامانده= پیچھے رہا ہوا۔ عاجز)

اے دلبرِ مَن جمال بنما دے جانِ من ایں حجاب تا کے
اے میرے محبوب اپنا جمال مجھے دکھا۔ جانِ من مجھ سے یہ حجاب آخر کب تک۔

گرداں ز دوکون بے نیازم گردم پئے آں خراب تا کے
مجھے دونوں جہان سے بے نیاز کر دے۔ آخر اس کے پیچھے میں کب تک برباد رہوں گا۔

غزل

ندانم کیستم ماراچہ نامے بحیرت اندرم ہستم کدامے
معلوم نہیں میں کون ہوں اور میرا نام کیا ہے۔ سخت حیرت میں ہوں کہ میرے اندر کون ہے۔

بحسنِ روئے خود سرشار و مستم نہ مینا دانم دنے مے نہ جامے
خود اپنے چہرہ کے حسن سے میں سرشار و مست ہوں۔ نہ میں مینا سے واقف ہوں اور نہ شراب و جام سے۔

نباشم برزمیں نے بر سماوات مگر در لامکاں دارم مقامے
نہ میں زمین پر ہوں نہ آسمان پر۔ شاید میرا مقام لامکان میں ہے۔

عجب جائیست اندر ملک جانم کہ آنجانے سحر باشد نہ شامے
میری جان کے ملک میں ایک عجیب جگہ ہے کہ جہاں نہ صبح ہوتی ہے نہ شام۔

چو مہرم شد برون از مطلعِ غیب زتابم شد عیاں ہر خاص دعامے
غیب کے مطلع (طلوع ہونے کی جگہ) سے جب مَیں سورج نکلا تو میری روشنی سے ہر خاص و عام ظاہر ہو گیا۔

بظاہر گرچہ فانی مینمایم ولے در باطنم دارم دوامے
بظاہر اگرچہ فانی نظر آتا ہوں۔ لیکن باطن میں مجھے دوام حاصل ہے۔

زوحدت سوی کثرت چوں برایم همون دم باز گردم تیز گامے

وحدت سے جونہی میں کثرت کی طرف آتا ہوں اسی وقت تیز قدمی سے واپس آجاتا ہوں۔

بہر آنے بشانے دیگر آیم نمیدارم بیک شانے قیامے

ہر لحہ ایک نئی شان کے ساتھ آتا ہوں کسی ایک شان میں قیام نہیں ہوتا۔

(''تجدد امثال'' کی طرف اشارہ ہے۔جس کا ذکر کئی مرتبہ ہو چکا ہے یعنی ہر آن حق کی ایک نئی شان ہوتی ہے۔جس کی کبھی تکرار نہیں ہوتی۔قرآن کا ارشاد ہے'' کل یوم ھو فی شان''۔)

گہے بر صورت بلبل بنالم گہے شکلِ گل آیم خندہ فامے

کبھی بلبل کی شکل میں آہیں بھرتا ہوں۔کبھی گل کی شکل میں ہنستا ہوا آتا ہوں۔

بہ کعبہ شیخ و در دیرم برہمن مغم در میکدہ ہم مے و جامے

کعبہ میں شیخ تو بتخانہ میں برھمن ہوتا ہوں۔میکدہ میں ساقی کبھی شراب کبھی جام ہوتا ہوں۔

بہر مشرب کہ بینی نیست جزمن زمن بشنو بہر ملت کلامے

جس مشرب میں دیکھوسوائے میرے کوئی نہیں۔مجھ سے ہر مذہب وملت کی بات سنو۔

بباطن ناز و در ظاہر نیازم بہ معنے خواجہ در صورت غلامے

باطن میں میں ناز ہوں لیکن ظاہر میں نیاز ہوں۔معنوی طور سے میں آقا ہوں بظاہر صورت غلام ہوں۔

مستزاد

ایدوست ببیں در ہمہ سو روئے خدارا | با عین نگاہے
اے دوست ہر طرف خدا کا چہرہ دیکھ | عین نگاہ کے ساتھ
میداں بیقیں ایں ہمگی ما و شارا | مرآت الہٰے
یقین کے ساتھ تمام ہم اور تم کو سمجھو | اللہ کا آئینہ

خود بہر تماشائے رخش آمدہ بیرون | از حجلۂ خلوت
خود اپنے چہرہ کی دید کی خاطر باہر آیا | اپنے خلوت کدہ سے
گہہ دلق ببر کردہ و گہہ صورتِ دارا | با حشمت و جاہے
کبھی درویشوں کی گُدڑی پہن کر کبھی بادشاہ کے لباس میں | بہت جاہ جلال کے ساتھ

گہہ سوئے کلیسا شدہ ناقوس بد ستش | در پردۂ ترسا
کبھی کلیسا کی طرف اپنے ہاتھ میں ناقوس لیکر آیا | راہب کے لباس میں
گہہ کردہ بدست آمدہ تسبیح و عصارا | پوشیدہ کلاہے
کبھی ہاتھ میں تسبیح اور عصا لیکر آیا | کلاہ پہن کر

گہہ معتکفِ مسجد و در کُنجِ تفُرد | پنہاں ز جہاں شد
کبھی مسجد میں معتکف ہو کر گوشہ نشین ہوا | دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہو کر
گہہ شاہدِ محفل شدہ آں انجمن آرا | رشکِ خور و ماہے
کبھی محفل میں معشوق بن کر انجمن آرا ہوا | رشک آفتاب و ماہتاب ہوا

از روشنیِ عارض و از تابش سیما | وز کاکل و خالش
اس کے چہرہ کی روشنی اور پیشانی کی چمک سے | اور اسکی زلفوں اور خال (تل) سے
آورد بروں ایں ہمگی صُبح و مسارا | ہر شام و پگاہے
یہ تمام صبح اور شام نکلتے ہیں | ہر صبح اور ہر شام کو

گمراہ طریقی اگرش غیر بدانی | ای طالب مولے

تو گمراہی کے راستہ پر ہے اگر اس کو غیر جانتا ہے | اے طالبِ خدا

بینی ہمہ اوگر ہمہ ایں ما و شمارا | آئی سوئے راہے

اور اگر تمام ھمہ شما (ہم اور تم) کو عین وہی سمجھتا ہے | تو صحیح راستہ پر ہے

مانند نیاز آئی بروں ازچہ ہستی | گر عاشق حقی

نیاز کی طرح ہستی کے کنوئیں سے تو باہر نکل آ | اگر اللہ کا عاشق ہے

زان پس تو خدا باشی و بینی تو خدارا | در ہر پرکاہے

اسکے بعد تو خود خدا ہو جائیگا اور پھر خدا کو دیکھے گا | ایک گھاس کی پتی میں بھی

مستزاد

در کسوتِ نو آمدہ آن دلبرِ زیبا | ہر شام و پگاہے

نئے نئے لباس میں وہ محبوب دلربا آتا ہے | ہر شام وصبح

گہہ مہرِ درخشاں بردے ہمہ دنیا | گہہ صورت ماہے

کبھی تمام دنیا کیلئے چمکتا ہوا سورج بن کر | اور کبھی چاند کی صورت میں

گہہ فرش گہے عرش گہے بحر گہے بر | گہہ صورت قطرہ

کبھی فرش کبھی عرش۔ کبھی سمندر کبھی خشکی | کبھی قطرہ کی صورت میں

گہہ شکل صدف آمدہ گہہ گوہر یکتا | گاہے پرکاہے

کبھی صدف کی شکل تو کبھی قیمتی موتی کی شکل میں آتا ہے | کبھی گھاس کی پتی کی شکل میں

گہہ دلق ببر کردہ ببازار بر آمد | در شکلِ گدایاں

کبھی گدڑی پوش بن کر بازار میں آتا ہے | فقیروں کی شکل میں

گہہ تاج بسر آمدہ بر تختِ مُطلّا | در صورتِ شاہے

کبھی سر پر تاج پہن کر سنہری تخت پر ہوتا ہے | بادشاہ کی صورت میں

گہہ پیکر لیلی شدہ خود جلوہ گری کرد | بر مسندِ خوبی
کبھی لیلی کے پیکر میں آ کر خود جلوہ گر ہوتا ہے | مسندِ خوبی پر
گہہ ہیکل مجنون شدہ گردید بصحرا | با حال تباہے
کبھی مجنوں کی شکل میں آ کر جنگلوں میں پھرتا ہے | تباہ و برباد حال میں

گہہ خندہ کناں رنگ گل آمد بہ گلستاں | در فصل بہارے
کبھی ہنستا مسکراتا ہوا پھول کی شکل میں گلشن میں آتا ہے | بہار کے موسم میں
گہہ نعرہ کناں صورتِ بلبل شدہ شیدا | با نالہ و آہے
کبھی بلبل کی طرح عشق میں نعرے لگاتا ہے | آہ و فغاں کے ساتھ

از روشنی چہرۂ زیبائے ہمو نست | ایں نورِ ہدایت
اسی کے خوبصورت چہرہ کی روشنی سے ہے | یہ ہدایت کی روشنی
ویں ظلمتِ کفرست بکفار ہویدا | از زلفِ سیاہے
یہ کفر کی تاریکی ہے جو کفار کی شکل میں ظاہر ہے | اسکی سیاہ زلفوں سے

گفتست چو خود لیس کمثلی شئے | در حضرتِ قرآں
اپنے لئے اسنے خود کہا ہے "لیس کمثلہ شئی" (کوئی شئے نہیں مثل میرے) | قرآن پاک میں
زاں پس بچہ ساں دانم و بینم ہمہ اشیا | جز ذاتِ الٰہے
پس ہم تمام اشیاء کو کیا دیکھیں اور کیا سمجھیں | سوائے ذات الٰہی کے

در خلق نیاز ایں سخنِ سر حقیقت | بی پردہ مفرما
اے نیاز عام لوگوں میں یہ حقیقت کے بھید | ظاہر نہ کر
ایں راز نگہدار بکنج دل شیدا | با حفظ نگاہے
دلِ عاشق کے گوشہ میں اس کو حفاظت سے رکھ | نگاہوں کی حفاظت کے ساتھ

(چہرہ کی روشنی اور زلفوں کی سیاہی):۔

کہیں پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ روشنی اور اسکے مترادف الفاظ مثل آفتاب، مہتاب، ستارے، کہکشاں وغیرہ ظہور کیلئے استعمال ہوتے ہیں اور تاریکی کے معانی میں استعمال ہونے

والے الفاظ مثلاً رات، سیاہی، ظلمت بطون کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ رخ اور زلف بھی روشنی اور تاریکی کا استعارہ ہوتا ہے اور کفر و ایمان بھی کنایتاً اس مفہوم کا حامل سمجھا جاتا ہے)۔

مستزاد

سِرِ خفی از مطلعِ انوار بر آمد | نا دیدہ عیاں شد
مطلع انوار (روشنیوں کے طلوع ہونے کی جگہ) سے چھپا ہوا بھید باہر نکلا | اَن دیکھا ظاہر ہوگیا
از بہر ظہورش پئے اظہار بر آمد | بر خودنگراں شد
اپنے ظہور کی خاطر اظہار پر آمادہ ہوا | اور خود کو دیکھا

(اشارہ حدیث قدسی کی طرف ہے، ''کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق''، یعنی میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ خود کو پہچانوں تو خلق کو پیدا کیا۔ مقام لا تعین میں وہ ذات استغراق کلی میں تھی۔ ہر رنگ سے مبرا بے چون و بے چگون جب اس کو خواہش ہوئی کہ وہ پہچانا جائے تو اپنی ان صفات سے جو اس میں مندرج تھیں ''کن'' کہا اور وہ اس طرح خود ہی مع اپنی صفات کے ظاہر ہوگیا۔ قرآن پاک کے الفاظ میں ''فیکون'' پس ہو گیا۔

خود گفت انا الحق بسرِ دار بر آمد | سردارِ جہاں شد
خود ہی اس نے ''انا الحق'' (میں حق ہوں) کہا اور سولی پر چڑھ گیا | دنیا کا سردار ہوگیا
خود بود کہ آں برسر انکار بر آمد | تعزیر دہاں شد
خود ہی اس (نعرہ ''انا الحق'') سے انکار کیا | سزا دینے والوں میں شامل ہوا

خود بود کہ بر شاخِ ثمردار بر آمد | در صورت انگور
خود ہی تھا جو پھل دار درخت میں نکلا | انگور کی صورت میں
خود خمر شدہ از خم خمّار بر آمد | مدہوش کناں شد
خود ہی شراب (نشہ) ہوا اور خود ہی شراب فروش کے سبو سے باہر نکلا | مدہوش کرنے والا ہوا

خود معتکفِ مسجد و تسبیح بدستش | بر روئے مُصَلّا
خود ہی ہاتھ میں تسبیح لیکر مسجد میں اعتکاف کیا | مصلّٰی پر بیٹھا
ہم خود زدرمیکدہ سرشار بر آمد | بیہوش رواں شد
اور خود ہی میخانہ کے دروازہ سے مست ہو کر نکلا | بیہوش ہو کر روانہ ہوا

گہہ درہم و دینار گہے حورو قصورست | گہہ طالب اینہا
کبھی خود ہی درہم و دینار (روپیہ پیسہ) اور حور و قصور ہوا | کبھی ان ہی کا طالب ہوا
گہہ دست ازیں شستہ پے یار بر آمد | یابندہ آں شد
کبھی ان چیزوں سے ہاتھ دھو کر یار کے پیچھے چلا | اور اس کو پالیا

گہہ شعلۂ نوری شدہ بر طور بر افتاد | تا خلق بترسید
کبھی نور کا شعلہ ہو کر طُور کو نیست و نابود کیا | تا کہ خلق ڈرے
گہہ نار شدہ صورت گلزار بر آمد | بشگفت ریان شد
کبھی آگ ہو کر گلزار کی صورت میں ظاہر ہوا | اور پھول کی طرح کھل کر تروتازہ نظر آیا

(برافتادن = نیست و نابود ہوتا) (کہیں "جناں" لکھا ہے کسی نسخے میں "ریاں" ہے "جناں" معنی باغ کے ہیں اور "ریاں" تروتازہ اور شاداب کو کہتے ہیں مطلب ایک ہی ہے

گہہ مصحف و قرآں گہی بیدویر انست | گہہ دانہ تسبیح
کبھی کتاب و قرآن ہوا کبھی ہندوؤں کی مقدس کتاب ہوا | کبھی تسبیح کا دانہ
گہہ تارشدہ صورت زنّار برآمد | از کفر نشاں شد
کبھی دھاگے کا تار ہو کر زنار کی صورت میں آیا | کفر کا نشان بنا
(بیدویراں" ہندوؤں کی مقدس کتاب ہے)

گہہ نرم دل و صاحب اخلاق حمیدہ | تمثال محمدؐ
کبھی نرم دل اور اخلاق حمیدہ کا حامل بنا | حضرت محمدؐ کے مثل
گہہ بر صفتِ ظالم و خونخوار بر آمد | قتّال زماں شد
کبھی ظالم اور خونخوار کی شکل میں ظاہر ہوا | زمانہ کا قاتل بنا

گہہ ژالہ و گہہ برف گہے ابر مطر ست | گہہ شکل حبابے
کبھی ژالہ (اولا) کبھی برف کبھی بارش برسانے والا ابر | کبھی حباب کی شکل
در لحظہ بدریا شدہ ہموار بر آمد | آں بود کہ آں شد
ایک ہی لحمہ میں یہ سب دریا میں مل کر عین دریا ہو گئے | جو تھا وہی ہو گیا

در شکلِ نیاز آمدہ ایں شرح بیاں کرد | با غور نگہہ کن
نیاز کی شکل میں آ کر یہ سب تفصیل بیان کی | غور سے توجہ کرو
خودنیست نیاز آنکہ بگفتار بر آمد | نادان بگماں شد
جو گفتگو کر رہا ہے وہ حقیقتاً نیاز نہیں ہے | نادان کو یہ دھوکا ہوا

مستزاد

خود تاج بسر صورت شاہانہ بر آمد | دارائے جہاں شد
خود سر پر تاج پہنے شاہوں کی طرح باہر نکلا | دنیا کا بادشاہ ہوا
خود دلق ببر شکل گدایانہ بر آمد | دکان بدکان شد
خود ہی گدڑی پوش فقیروں کی سی صورت لیکر آیا | دکان بہ دکان پھرا

خود گشت بُت و خود بتراشید بتانرا | در صورتِ آذر
خود ہی بُت بنا اور خود ہی بتوں کو تراشا | آذر کی صورت میں
خود گشت خلیل و سوئے بتخانہ بر آمد | بشکست درواں شد
خود ہی خلیل (حضرت ابراہیم) ہوا اور بتخانہ کی طرف آیا | (بتوں کو) توڑا اور روانہ ہو گیا

خود بر صفت شمع پر انوار عیاں است | روشن کن مجلس
خود پُر انوار شمع کی طرح عیاں ہے | محفل کو روشن کرنے والا
خود بود کہ در صورت پروانہ بر آمد | قربان بجاں شد
خود ہی تھا جو پروانہ کی صورت میں آیا | اور اپنی جان قربان کر دی

حقا کہ ہمونست کہ اوپردہ نشیں بود | در حجلۂ غیبت
حق یہ ہے کہ وہی ہے کہ جو پردہ نشین تھا | غیب کے حجرہ میں
با صورتِ زیبا ز نہاں خانہ بر آمد | در عین عیاں شد
وہی حسین صورت کے ساتھ نہاں خانہ سے باہر آیا | پھر سب میں ظاہر ہوگیا

گاہی متجمل شدہ بر مسندِ خوبی | در صورتِ لیلا
کبھی مسندِ حسن وخوبی پر شان اور زیبائی کیساتھ نظر آیا | لیلی کی صورت میں
گہہ قیس شدہ عاشقِ دیوانہ بر آمد | بیخانہ دماں شد
کبھی قیس ہوکر دیوانے عاشق کی شکل میں آیا | بے گھر اور برباد ہوکر

گہہ صورتِ زلف آمدہ گہہ ہیئت کاکُل | دام دل عاشق
کبھی زلف کی صورت میں آیا کبھی کاکل کی ہیئت میں | عاشق کے دل کا دام (جال) ہوا
گہہ چوب شدہ بر صفت شانہ بر آمد | در موئے بتاں شد
کبھی لکڑی بن کر کنگھی کی صورت میں نکلا | اور کنگھی بتوں کے بالوں میں کی

خود بود کہ اورفت زجیلاں سوئے بغداد | شیخ ہمہ عالم
خود ہی تھا جو جیلاں سے بغداد کی طرف گیا | اور دنیا کا رہنما ہوا
خود گفت نیاز و چومریدانہ بر آمد | از معتقداں شد
خود نیاز نے یہ کہا جب وہ مریدوں کی طرح آیا | کہ وہ معتقدوں میں شامل ہوگیا

مستزاد

چوں دیدلم درکف اورنگ حنارا | ای یار چوماہے
جب میرے دل نے اسکے کفِ پا (تلووں) میں حنا (مہندی) کا رنگ دیکھا | اے میرے چاند کیطرح دوست
خون گشتہ بر آمد کہ ببوسد کفِ پارا | گاہے سر راہے
تو خون میں آلودہ وہ (یعنی دل) باہر نکلا کہ اسکے کفِ پا کو بوسہ دے | کبھی کہیں راستہ میں

ناگاہ بروں آمدہ از حجلۂ خلوت | آن شوخ ستمگر
اچانک اپنے حجرۂ خلوت سے باہر نکلا | وہ شوخ ستمگر
در چشم زدن برد ز ما شرم و حیارا | کج کردہ کلاہے
آن واحد میں میری شرم وحیا اس نے چھین لی | اپنی کلاہ کو کج کر کے

گفتم کہ چہ کردی بجہاں شور تو اُفتاد | گفتا بکلامے
میں نے اس سے پوچھا کہ تو نے کیا کیا کہ سارے جہاں میں تیرا چرچا ہے | اس نے کہا میرے کلام کا اثر ہے
گفتم بہ چہ گرد آمدہ ایں خلق شمارا | گفتا بہ نگاہے
میں نے پوچھا کہ تو نے خلق کو اپنے گرد کیونکر جمع کیا | اسنے کہا اپنی نگاہ کے اثر سے

سوزد خس و خاشاک من از شعلہ حسنت | گر جلوہ نمائی
تیرے حسن کے شعلہ سے میری خاک تک جل جاتی ہے | اگر تو اپنا جلوہ دکھا دے
کو آتش برق رخت ای یار دل آرا | کو این پرکاہے
اے دلربا محبوب وہ تیرے برقِ رخ کی آگ ہے | اور یہ محض گھاس کا تنکہ

گر بر سرِ من آئی ومن ربک گوئی | گویم کہ تو ہستی
اگر تو میرے سرہانے آئے اور پوچھے کہ تیرا رب کون ہے | میں کہونگا تو ہے
نارم بہ نظر ہیچ کسے غیر شمارا | معبود الٰہے
میری آنکھوں میں آگ اگر تیرے سوا کسی غیر کو | اللہ اور معبود سمجھوں

جز ذات توکس رانکنم سجدۂ تعظیم | ای دلبر زیبا
تیری ذات کے سوا میں کسی کو سجدۂ تعظیم نہیں کرتا | اے دلربا نازنین
در شان تو گویم صفت و مدح و ثنارا | ہر شام و پگاہے
تیری ہی شان کی تعریف اور مدح وثنا کرتا ہوں | ہر شام اور صبح

از رفتنِ جانم بغمت ہیچ غم نیست | ای حضرت جاناں
اگر میں تیرے غم میں جان سے چلا جاؤں تو مجھے کوئی غم نہیں | اے میرے محبوب
ہر لحظہ بتو میرسد ایں راز گدارا | جانے و پناہے
ہر لحظہ یہ راز تجھ تک پہنچتا ہے اے اس فقیر کی | جان اور پناہ

خاموش نیآز از ہمہ ایں گفت و شنودے | گر عاشق اوئے
نیآز اس تمام گفت وشنید سے خاموش رہ | اگر تو اس کا عاشق ہے
بگذار بیاد رُخ او صبح و مسارا | ہر سالے و ماہے
اسکے چہرہ کی یاد میں صبح شام گزار | ہر سال اور ہر مہینے

مستزاد میں جتنا کلام ہے سب کی بنیاد "وحدت الوجود" ہے۔ ہر ہر شعر بلکہ ہر ہر مصرعہ سے "ہمہ اوست" کی صدا آتی ہے۔ آپ نے بہت واضح طریقہ سے اور کھل کر اپنے مدعا کا اظہار فرمایا ہے بلکہ بعض ایسی باتیں فرما دی ہیں جو عام طور سے "اسرار" کے تحت آتی ہیں۔ بعض تنگ نظر دانشوروں کے نزدیک کچھ اسرار قابل اعتراض اور خلاف شریعت ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ بات نئی نہیں ہے ہمیشہ سے یہ ہوتا رہا ہے۔ حضور قبلہؒ ایک صوفی باعمل ہونے کے علاوہ ایک جید عالم بھی تھے۔ یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہیئے۔ آپ ایسی بات ہرگز نہیں کہہ سکتے جو شریعت سے متجاوز ہو۔ بات صرف اپنی فہم کی ہے۔ ان تعلیمات کو بنیادی طور پر جب تک نہ سمجھا جائے اس قسم کا احتمال ہمیشہ رہتا ہے۔

"وحدت الوجود" اور مسئلہ "ہمہ اوست" بہت تفصیلی موضوعات ہیں جن کو علیحدہ سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی وقت اس قسم کے کلام سے صحیح لطف اور حظ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ چونکہ اشعار کا مجموعہ ہے اور اشعار میں کنایہ اور اشارہ بلاغت کی دلیل ہے اسلئے تفصیلات کی توقع اس میں عبث ہے۔ اشعار کی تشریح کے سلسلہ میں میں نے کہیں کہیں اس قسم کے اشارات کئے ہیں۔ تفصیل وہاں بھی نہیں ہے۔ بہر حال ان اشارات سے بھی کچھ مسائل کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ معنوی اور ظاہری خصوصیات کے لحاظ سے یہ اس قدر خوبصورت مستزاد ہیں کہ اس کا جواب شاید ہی کہیں ملے۔

تالیفات ڈاکٹر میرزا اختیار حسین المتخلص بہ کیف نیازی

۱۔ اسرار اسراء:

اس میں معراج مبارک کو خالصتاً وحدت الوجود کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے جو غالباً اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے۔ حضور ﷺ کی باطنی حیثیت اور معراج کے داخلی مضمرات پر سیر حاصل تحریر ہے۔ وہ رموز جو اہلِ طریقت سینہ بہ سینہ منتقل کرتے تھے انہیں دائرہ تحریر میں لایا گیا ہے۔

۲۔ معارف التسمیہ والفاتحہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور سورۃ فاتحہ کی تشریحات عقیدہ وحدت الوجود کی روشنی میں کی گئی ہیں۔ بسم اللہ اور سورۃ فاتحہ کی تفاسیر کثیر تعداد میں لکھی گئی ہیں لیکن وحدت الوجود کی روشنی میں یہ کوشش بالکل اچھوتی ہے۔

۳۔ مفتاح المقطّعات:

جس میں حروف مقطّعات کی تشریحات عارفانہ انداز میں عقیدہ وحدت الوجود کی روشنی میں کی گئی ہیں۔ حروف مقطعات کی تشریح کو مفسرین کرام نے منع فرمایا ہے لیکن بزرگانِ دین نے ان کی تشریح کی ہے۔

۴۔ مزارات اور بدعت:

مزارات سے متعلق مراسم کا جواز قرآن اور حدیث کی روشنی میں۔ بدعت کی حقیقت، زیارتِ قبور، عرس، فاتحہ، ایصالِ ثواب، گل پاشی، چادر پوشی، چراغاں، آستاں بوسی، دست بوسی، شجرہ یا عہد نامہ قبر میں رکھنا، گنبد سازی، مزارات سے توسل اور سماع پر سیر حاصل بحث۔

۵۔ ارکانِ خمسہ کی عارفانہ تشریح:

اسلام کے بنیادی ارکان یعنی کلمہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے اسرار، ان کی عارفانہ تشریح اور صوفیائے کرام کا نقطۂ نظر۔

۶۔ کیفیات:

شعری مجموعہ، جس کا ہر شعر میخانۂ معرفت کا چھلکتا ہوا جام ہے۔ دوسرا ایڈیشن چند اضافوں کے ساتھ

۷۔ مضامینِ کیف:

مختلف دینی جرائد و رسائل میں شائع شدہ عارفانہ مقالات۔

۸۔ معرفت نامے:

سلوک و تصوف، توحید و وحدت الوجود، اخلاقیات و الٰہیات اور اسی نوع کے مسائل پر مبنی چند خطوط۔

۹۔ شاہ نیازؒ کا فارسی کلام۔ ترجمہ و تشریحات

معارف و حقائق کا ایک بحرِ بے کراں

۱۰۔ توحید۔ وحدت الوجود کے تناظر میں

''وحدت الوجود'' پر ایک مبسوط تحریر۔



جماعت کی دیگر کتابیں

۱۔ تذکرہ حضرت شاہ آغا محمدؒ۔

مشہور فخری نیازی بزرگ حضرت شاہ میرزا آغا محمد لکھنوی ثم جبلپوری کی سوانح حیات۔ مؤلفہ صاحبزادہ حضرت شاہ نزیر احمدؒ

۲۔ ریاض الفضائل۔

نیازیہ سلسلہ کے مشہور صوفی حضرت شاہ میرزا مرتضیٰ حسینؒ کے مکمل کوائف زندگی۔ مؤلفہ حضرت پروفیسر عبدالغنیؒ نیازی۔ ایم۔ اے۔

